فقہ اکبر و ابسط

مؤلفہ:
امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ

تحقیق و ترجمہ
مفتی رشید احمد العلوی



فقہ اکبر و ابسط

مؤلفہ:

امام اعظم ابو حنیفہ نعمانؒ بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ

راویان:

امام ابو اسمٰعیل حماد بن ابو حنیفہ رحمۃ اللہ

امام ابو مطیع حکم بن عبد اللہ بلخی رحمۃ اللہ

تحقیق و ترجمہ

مفتی رشید احمد العلوی



رحمان پلازہ مچھلی منڈی اردو بازار، لاہور فون : 042-7361339

Fiqah Akbar o Absat
By
Imam Abu Hanifa

Tehqeeq o Tarjuma
By
Mufti Rashid Ahmed Al Alvi

ISBN: 978-969-8793-85-2

ضابطہ

نام کتاب	فقہ اکبر و ابسط
تصنیف	امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ
ترجمہ و تحقیق	مفتی رشید احمد العلوی
سالِ اشاعت	یکم رمضان ۱۴۳۰ھ
ناشر	محمد ریاض درانی
سرورق	جمیل حسین
کمپوزنگ	جمعیۃ کمپوزنگ سنٹر، وحدت روڈ لاہور
مطبع	اشتیاق اے مشتاق پریس، لاہور
قیمت	300/- روپے

بہ اہتمام	محمد بلال درانی
قانونی مشیر	محمد طارق ہمدانی (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

انتساب

حضرت امام سیّدنا و مرشدنا امام ائمہ و سراج الامۃ

ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی کابلی رحمہم اللہ

فہرست مشمولات

عرضِ ناشر

امامِ اعظم حضرت امام ابو حنیفہ ہم سب کے امام اور مقتدیٰ تھے۔ اُن کے علوم نے ایک دنیا کو متاثر کیا۔ ان کے افکار، آراء اور علوم کا بے پناہ ذخیرہ قدیم کتب فقہ و حدیث اور کلام و عقائد میں پوشیدہ ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ان علوم میں آپ کا کیا مقام و مرتبہ تھا۔ آپ کے اقوال تفسیر قرآنِ مجید کے رموز و عوامض تک شناسائی کا ذریعہ ہیں تو کتب کلام و عقائد دین کی حقانیت اور صداقت پر دلائل ہیں اور عقائد صحیحہ کی خبر بھی دیتے ہیں۔ ان کی آراء فقہ زندگی کی راہوں پر صراطِ مستقیم کی خبر دیتی ہیں اور ان کی مروی احادیث ہمیں رسول صادق و امین کے مزاج، رویے، احکام اور پسند و ناپسند سے آگاہ کرتی ہیں۔ کتنی ہی باتیں ہیں جو ہمیں حضرت الامام کی معرفت رسولِ اکرم کی معرفت دیتی ہیں۔ اس لیے حضرت الامام پر علمی کام ہمارے عہد کے لیے ہی نہیں بلکہ ہر عہد کے لیے ضروری رہا ہے۔

علماء راسخین اُمہات کتب کے ذریعے حضرت الامام سے باخبر رہے ہیں اور کم فہموں کو فہم اور کم علموں کو علم عطا کرتے رہے ہیں۔ ہمارا عہد کتاب کا عہد ہے۔ ہر شخص براہِ راست کتاب سے مستفید ہونے کا خواستگار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت الامام پر اُردو زبان میں سلیس کتب کی ضرورت و اہمیت آج کے عہد میں ہر عہد سے زیادہ ہوگئی ہے۔

برادرِ عزیز مفتی رشید احمد علوی حضرت الامام کے علوم کے سنجیدہ طالب علم ہیں۔ انہوں نے بہت محنت سے حضرت الامام کے علم کلام پر کام کیا ہے۔ قبل ازیں علامات اہل سنت میں

حضرت الامام کے وصایہ کو مع ترجمہ پیش کیا تھا۔ اس کتاب میں آپ نے حضرت الامام کے فقہ اکبر کے مختلف نسخوں کو پیش کیا ہے اوران پر اہل علم کے نظریات سے بحث کی ہے۔ اُمید ہے یہ کتاب نافع للناس ہوگی اور ہماری مغفرت کا ذریعہ بھی۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے۔

والسلام

محمد ریاض درانی

جامع مسجد پائلٹ ہائی سکول وحدت روڈ، لاہور

یکم رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

حرفِ چند

حضرت امام ابوحنیفہ کہ اسم گرامی نعمان بن ثابت تھا۔ اُمت مسلمہ کے عظیم فقیہ اور امام تھے۔ حضرت الامام کا سال پیدائش ۶۰ھ، ۷۰ھ اور ۸۰ھ بیان کیا جاتا ہے۔ یہی وہ دور تھا جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی اصحاب ورفقا زندہ سلامت موجود تھے اور مملکت اسلامیہ کے بڑے شہروں میں مرجع خلائق بنے ہوئے تھے۔ لوگ حج اور عمرہ کے موقع پر مکہ و مدینہ زادھما اللہ شرفاً ان کی زیارت سے مشرف ہوتے اور دل ونگاہ کو معطر و مستنیر کرتے تھے۔ حضرت الامام انہی خوش نصیبوں میں شامل تھے جنہوں نے اصحابِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت کی اور ان کے اقوال وفرامین سماعت فرمائے۔ ایسے خوش نصیبوں کو تابعی کہا جاتا ہے۔ آپ تابعی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ آپ نے رسولِ اکرم و اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بعض کی زیارت بھی کی اور اُن سے روایت بھی کی۔ ہم تک مستند ذرائع سے ایسی بیس احادیث پہنچی ہیں جن کو آپ نے براہِ راست اصحابِ رسول سے روایت کیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ کی اُمت میں شہرت بطور فقیہ کے ہے۔ آپ نے نصوص سے مسائل کا استنباط کیا اور اُمت کے لیے آسانیاں پیدا کیں۔ آپ کے مسائل کو آپ کے شاگردوں نے مدون کیا اور آپ کے علوم کو آنے والی نسلوں تک منتقل کیا۔ اس سلسلے میں آپ کے شاگرد اور آپ کی مجلس فقہ کے سیکرٹری حضرت امام محمد کا کارنامہ خاص ہمیشہ یادگار رہے گا۔ ان کے علاوہ آپ کے دیگر تلامذہ نے بھی اپنی تالیفات میں آپ کے مسائل کو مدون کیا اور آپ کی تحقیقات کو محفوظ فرمایا۔

اُمت مسلمہ کے ابتدائی عہد میں موجودہ دور کی طرح تصنیف وتالیف کا رواج نہ ہوا تھا۔ اُس عہد کے بزرگوں کی تصانیف وتالیفات کی اشاعت کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اکابر اپنی تحقیقات اپنے شاگردوں کے سامنے پیش کرتے اور وہ اپنے اساتذہ کی تحقیقات کو روایت کرتے تھے۔ اُمت مسلمہ میں مروّج عظیم تصانیف وتالیفات اسی انداز میں شائع ہوئیں۔ آج ان کتابوں کو شاگردوں کے نام کی بجائے اساتذہ کے ناموں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل ہو یا موطا امام مالک ہو یا صحیح بخاری یہ راویوں کی معرفت ہی ہم تک پہنچی ہیں۔ اُس زمانے میں کتب کی اشاعت کا یہی انداز تھا۔ یہ بعد کی بات ہے کہ مصنف خطبہ کتاب سے تمت بالخیر تک اپنے قلم سے لکھتا تھا اور ہو سکے تو ترقیمہ بھی لکھتا تھا۔ ایک مدت یہی طریق مروج رہا۔ ہمارے اکابر اسی انداز میں اپنی تصانیف یا تحقیقات اپنے شاگردوں پر پیش کرتے تھے جو ان کی آئندہ اشاعت کا سروسامان کرتے۔

تصنیف کا ایک اور انداز امالی کا تھا۔ اکابر اہل علم اپنے تلامذہ کو دورانِ تدریس اپنے تحقیقات علمیہ پیش کرتے اور تلامذہ اپنے اُستاد کے امالی لکھ کر آئندہ نسلوں تک پہنچاتے۔ امالی میں بارِ ثبوت کسی حد تک تلامذہ پر ہوتا۔ یہ امالی بھی اساتذہ کے نام سے بھی مروج ہوتے اور شاگرد کے نام سے بھی، مگر خیالات کے سلسلے میں یہ بات بالوضاحت پیش کر دی جاتی کہ یہ کس بزرگ کے خیالات ہیں یا یہ کس بزرگ نے روایت کیے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ کی تصانیف:

حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ اُمت کے ان اساطین میں سے ہیں جنھوں نے پوری اُمت پر علمی احسانات فرمائے ہیں۔ حضرت الامام نے اپنے علوم سے پوری اُمت کو مستفید کیا ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اُمت علم میں ان کی عیال ہے۔ آپ کی تصانیف بھی اُسی انداز میں روایت ہوئی ہیں جس انداز میں دوسرے ائمہ اور مقتدیٰ ہستیوں کی تصانیف۔ آپ نے اپنی تحقیقات اپنے شاگردوں کو پیش کیں جنھوں نے یہ تحقیقات علمیہ نقل کیں اور آنے والی نسلوں تک پہنچائی ہیں۔ آپ کی تحقیقات آپ کے تلامذہ کی تحریروں میں موجود ہیں۔ انہیں حضرت الامام سے ہی نسبت دی جاتی ہے اور انہیں حضرت الامام کے حوالے سے

ہی شہرت ہوئی۔ حضرت کی علم کلام پر تصانیف اور مسانید ان کے علاوہ ہیں جنہیں آپ کی تصانیف کہا جاتا ہے۔ یہ آپ کے شاگردوں کی املا کے ذریعے آگے چلیں۔

آپ کی تصانیف پر اختلافات:

قدیم زمانوں میں کتابیں نقل کی جاتی تھیں۔ نقل در نقل کے بعد بعض نسخوں میں کچھ غلطیاں در آتیں۔ نتیجتاً ان کتابوں کی مصنف سے نسبت مشکوک نظر آنے لگتی۔ بعض اوقات بعض غلط بیں صاحبان جان بوجھ کر ان اکابر کی کتب میں بعض غلط جملوں کا اضافہ کر دیتے اور ان کتب کی حیثیت کو مشکوک کر دیتے۔ حضرت الامام کی کتب کا بھی یہی معاملہ رہا۔ ان کی علم کلام پر بعض تحریرات میں کاتبوں کی غلطی سے ایسی عبارتیں داخل ہو گئیں کہ ان کی حیثیت مشکوک معلوم ہونے لگی۔

حضرت الامام اور معتزلہ:

حضرت الامام کے علم کلام کی زد معتزلہ پر بہت سخت رہی تھی۔ انہوں نے اسلامی عقائد کو مبرہن کر دیا تھا۔ جس سے معتزلہ کے عقائد و نظریات کا سخت رد ہوتا تھا۔ انہوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ آپ کی کلامی تصانیف کا کلیتاً انکار کر دیا جائے۔ یہ انکار کچھ اس شدومد سے ہوا کہ علامہ شبلی نعمانی جیسے محقق بھی ان باتوں سے متاثر ہو گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک گروہ کہنے لگا کہ حضرت الامام نے کوئی کتاب لکھی ہی نہیں۔

حضرت الامام اور مستشرقین:

حضرت الامام کے بارے میں جو تحقیق معتزلہ نے پیش کی تھی اس سے ملتی جلتی تحقیق مستشرقین نے بھی پیش کر دی۔ انہوں نے ایک اصولِ تحقیق متعین کر لیا۔

عدم الذکر یستلزم علی عدم الوجود:

کسی شے کا عدم ذکر اُس کے وجود کے نہ ہونے پر مستلزم ہے۔

اس اصول کو بنیاد بنا کر انہوں نے دعویٰ کیا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی فقہ کی تدوین میں حدیثوں سے کام نہیں لیا۔ بات کہاں سے چلی تھی، کہاں جا پہنچی۔ اب تو مستشرق کے تلامذۂ جہالت نے یہ نئی تحقیق پیش کی ہے کہ حضرت الامام بہت کم حدیث جانتے

تھے۔ اگر حضرت الامام کی مسانید کے مجموعے نہ بھی ہوتے، تب بھی ایسا دعویٰ کرنا ممکن نہ تھا۔ ان مجموعہ مسانید نے حضرت الامام کی محدثانہ حیثیت کو بہت حد تک واضح کر دیا ہے۔

حضرت الامام کی علم کلام میں تصانیف:

ابن السدیم نے اپنی الفہرست میں حضرت الامام کی مندرجہ ذیل کتب کا تذکرہ کیا ہے:

۱- الفقہ الاکبر	۲- عثمان البتی کے نام مکتوب
۳- العالم والمتعلم	۴- الرد علی القدریہ
۵- الفقہ الابسط	

اب یہ علمی بحث اہل علم کے حلقوں میں موجود رہی ہے کہ الفقہ الاکبر کا کون سا نسخہ ایسا ہے جسے حضرت الامام کی تصانیف کہا جائے۔ اس بحث کی خارجی وجوہ بھی یقیناً موجود ہیں۔ محدثین کرام نے ان روایتوں کی یقیناً جانچ پرکھ فرمائی جس سے کسی نسخے کی حضرت الامام سے نسبت یقینی کہی جا سکے۔ ہمارے اکابر میں حضرت مولانا خلیل احمد سکندر پوری، حضرت مفتی عزیز الرحمٰن اور حضرت مفتی محمد عیسیٰ خاں دامت برکاتہم نے اپنی تحقیقات پیش فرمائی ہیں۔ انہوں نے یقیناً اصول روایت اور درایت دونوں کو مدنظر رکھا ہے۔ جدید اصولِ تحقیق میں ہم انہیں خارجی و داخلی شواہد کہہ سکتے ہیں۔ راقم الحروف کی کیا جسارت جو ان کی علمی تحقیقات سے متعلق کوئی سوال اُٹھا سکے۔ مجھے اپنی کم علمی کا اعتراف ہے یعنی وہی سعدی والی بات ہے کہ من آنم و من دانم۔

بہرحال ہمارے اکابر نے اس بات پر بہرحال اصرار فرمایا ہے کہ حضرت الامام نے عقائد و کلام پر تحقیقات علمیہ اپنی تصانیف میں پیش فرمائی ہیں جو اگرچہ مختصر ہیں مگر جامع ہیں۔ ان تحقیقات کو دیکھا جائے تو ہر جملہ گنجینہ معنی کا طلسم نظر آنے لگتا ہے۔ غالب کا یہ شعر ان مختصر جملوں پر پورے طور پر صادق آتا ہے:

گنجینہ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے
جو لفظ کہ غالب میرے اشعار میں آوے

حضرت الامام کی علم کلام پر تصانیف خیر الکلام ما قل و دل کے اصول پر ہیں۔ ان کے

جملوں میں دلائل عقلیہ و نقلیہ بھی ہیں اور وضاحت بھی۔ بہر حال حضرت الامام کی یہ تالیفات اس علم کلام کے اصول واضح کرتی ہیں جسے اہل سنت والجماعت میں قبول عام حاصل ہوا۔ جس علم کلام کو آگے چل کر امام ابو منصور ماتریدی نے مدون مرتب کیا۔ یہ علم آج عالم اسلام میں مقبول اور مروج ہے۔

علم کلام سے حضرت الامام کی مناسبت:

حضرت الامام کے سوانح کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ نے علم فقہ میں قدم رکھنے سے قبل علم کلام سیکھا اور اس میں وہ کمال پایا کہ آپ اہل علم میں اس حوالے سے مشہور ہو گئے اور ایک حوالہ بن گئے۔ اس علم میں کسب کمال کے بعد آپ نے علم فقہ میں کام شروع کیا اور ممدوحِ عالم بن گئے۔ آپ کی فقہ میں اس علم کے بعض اثرات واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

علم کلام میں ضعیف روایت کو قبول کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ متکلم علم عقائد میں صرف وہ حدیث قبول کر سکتا ہے جو کڑی شرائط پر پورا اُتریں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے ہاں اصولِ حدیث بہت سخت ہیں۔ آپ کڑی شرائط کے تحت کوئی حدیث قبول کرتے ہیں۔ آپ کا حدیث قبول کرنے کا طریق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور اُم المومنین حضرت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مطابقت رکھتا ہے۔ یہ بات علم کلام میں گہرے شغف کا نتیجہ ہے۔ اس کا ثمر ہے کہ آپ کی فقہ میں کوئی مسئلہ ایسا مشکل سے ملے گا جو مستند احادیث سے معارض ہو۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ حضرت الامام کے مسائل فقہ اور حضرت امام احمد بن حنبل کے مسائل فقہ میں بہت کم اختلافات نظر آتے ہیں۔ یہ بات بہر حال واضح ہے کہ انہوں نے صرف احادیث سے استدلال کیا تھا۔ ان کے ہاں ۱۲۵ مسائل میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے اختلاف ملتا ہے اور حضرت الامام سے صرف ۲۵ مسائل میں اختلاف نظر آتا ہے۔

حضرت الامام کے علم کلام میں شغف اور مہارت کا نتیجہ ہے کہ آپ نے دین کو بطور کل دیکھا، اس سے اصول اخذ کیے اور ان کا فروع پر اطلاق کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے ہاں جو بھی مسئلہ ہے دین کے مجموعی مزاج سے ہم آہنگ ہے۔

حضرت الامام کی وسعت:

حضرت الامام نے وسیع پیمانے پر کام کیا۔ فقہ میں آپ کو امام اعظم کا درجہ و مقام حاصل ہے۔ علم کلام میں وہ صاحب تصنیف ہیں، حدیث میں انہیں جو مرتبہ اور حیثیت حاصل ہے وہ محدثین کے ہاں مسلمات میں سے ہے۔ ہاں اگر کسی اہل علم نے آپ سے اختلاف کیا تو کب کس سے اختلاف نہیں ہوا۔ آپ کی مقبولیت عوام وخواص میں یکساں پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ آپ کے علوم کی وسعت اور کثرت ہے۔

حضرت الامام پر کام کی ضرورت:

ہمارا عہد کتاب کی کثرت کا عہد ہے۔ کسی زمانے میں لوگ علم حاصل نہ کر پاتے تھے کہ کتاب مشکل سے ملتی تھی۔ آج علم سے محروم رہ جاتے ہیں کہ کتاب بہت زیادہ ہے۔ کسی زمانے میں کتب احادیث کے بہت کم نسخے برصغیر پاک و ہند میں دستیاب تھے اس لیے حدیث کا علم کم تھا۔ آج حدیث کا علم کمتر ہے کہ حدیث کے مجموعے دھڑا دھڑ چھپ رہے ہیں۔ ان کے ترجمے چھپ چکے ہیں اور لوگ محدثین سے بے نیاز ہوتے جا رہے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ جہلا حدیث سناتے ہیں، مگر ان کے معانی سے بے خبر ہیں۔ ایسے وقت میں حضرت الامام پر علمی و تصنیفی کام کی اشد ضرورت ہے تا کہ لوگ جان سکیں کہ حضرت الامام فقہ، کلام اور حدیث میں کیا مقام رکھتے تھے۔

مفتی رشید احمد علوی محنت سے حضرت الامام کی تصانیف کو مرتب کر رہے ہیں۔ ان کے تراجم اور شروح لکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو قبول فرمائے۔ اللہ رب العالمین ہمیں حضرت الامام کے مذہب پر کاربند رہنے کی توفیق ارزانی فرمائے اور آخرت میں ان کی معیت عطا فرمائے۔

ربنا تقبل منا انک انت السميع العليم.

والسلام

امجد علی شاکر

۱۹۲-ای، پی-آئی-اے، ہاؤسنگ سوسائٹی

پہلا حصّہ

مقدمہ

امام اہل السنّت والجماعت شیخ الحدیث سیّدی ومرشدی

ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر

رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ

الحمد لله و کفی و سلامٌ علی عبادہ الذین اصطفٰی امّابعد:

زمانۂ ولادت:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی المتولد ۸۰ھ المتوفی ۱۵۰ھ؛

اگر چہ نبوت و رسالت کا بابرکت زمانہ اور خلافت راشدہ کا قابل رشک دور گزر چکا تھا، تاہم ایمانی اور عملی مسرّتوں اور علمی ذوق وشوق اور جذب وکیف کی والہانہ سرمستیوں اور تقوٰی وطہارت کی اعلٰی وارفع زندگی کے نور سے زمین جگمگا رہی تھی، اور عالم انفس وآفاق میں ایک گونہ شگفتگی وشادابی کی لہریں اور ہزار جنتیں کھل کھلا کر ہنس رہی تھیں؛ اور مجموعی لحاظ سے بجائے سبعیت اور بہیمیت کی پستیوں کے کاروان انسانیت شرف ومزیت کی بلندیوں کی طرف جارہا تھا، توفیق ایزدی اور رفاقت خداوندی سے اس وقت بہت سے حضرات علم و تحقیق کے آسمان پر آفتاب ومہتاب بن کر چمک رہے تھے جن کی روشنی سے دنیا مستفید ہوتی رہی، اور صحیح معنوں میں بنی نوع انسان کے لئے رشد وہدایت کے پاک جذبے اور نیک ولولے نے ان کے عزائم کو سدرۃ المنتھٰی کی بلندی تک پہنچا دیا تھا، جن کے قلوب میں دولت ایمان کی مضبوط جڑیں گھر کر گئی تھیں، اور جن کے اعمال صالحہ کی شاخیں آسمانی جنت در آغوش فضاؤں میں مسرتوں کے جھولے جھول رہی تھیں، اور جرأت وہمت کے ساتھ وہ قرآن کریم جیسے نیرّ درخشندہ کو دائیں ہاتھ میں اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تفقہ فی الدین کی شمع کافوری کو بائیں ہاتھ میں لے کر اندھیرے میں بھٹکنے والی انسانیت، اور ظلم وجور کے طوفانوں سے چکنا چور آدمیت کو شادابیوں اور کامرانیوں کی جنت کی طرف لے جارہے تھے، اور اس متاع عزیز کی انہوں نے اس طرح حفاظت کی کہ تلواروں کی جھنکار، تیروں کی بوچھاڑ اور نیزوں کی یلغار بھی اس گراں مایہ امانت کو ان کے سینوں سے ہرگز نہ نکال سکی، انہوں نے ایشیاء اور یورپ کے بہت سے لق ودق میدانوں کی ریت اور خاک چھان کر ہر طرف ایک نئی زندگی اور ہر سمت ایک حیاتِ تازہ اور ہر جانب ایک جھومتی اور مسکراتی ہوئی روحانیت پھیلا دی جس کی وجہ سے ہر گوشے میں خوشیوں کے پھول کھلتے دکھائی دیتے

تھے، غرض کہ جس طرف کوئی قوت سامعہ متوجہ کرتا: قال اللہ وقال الرّسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دل آویز اور پُر کیف نغموں سے سطح ارضی سے گونجتی سنائی دیتی، جبکہ معصوم فرشتوں کی پاک ٹولیاں جگہ جگہ نازل ہو کر نزول سکینہ کا سبب بنتی رہیں؛

اس میمون دور کے اندر ۸۰ ہجری میں جب کہ دولت مروانیہ کا دوسرا تاجدار عبد الملک بن مروان (المتوفی: ۸۶ھ) مسند آرائے خلافت تھا، ثابت نامی ایک مشہور تاجر کو چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے مقام کوفہ میں ایک ہونہار، قبول صورت، اور نہایت زیرک فرزند ارجمند عطاء فرمایا، جس کا نام والدین نے نعمان رکھا، مگر ان کی قبولیتِ عامہ، قوّت حافظہ، وسعت معلومات، دقت نظر، حدّت ذہن، کثرتِ عبادت اور دینی خدمت کے پیشِ نظر زمانہ نے آگے چل کر ان کو امامِ اعظمؒ کا لقب دیا، جنہوں نے بقول علاّمہ ابن سعدؒ (المتوفی ۲۳۰ھ) ومحدّث ابن عدیؒ (المتوفی ۳۶۵ھ) وامام دار قطنیؒ (المتوفی ۳۸۵ھ) وحافظ ابنِ عبد البرؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) و خطیب بغدادیؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) وعلاّمہ سمعانیؒ (المتوفی ۵۶۲ھ) وامام نوویؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) وعلاّمہ ذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) وحافظ عراقیؒ (المتوفی ۸۰۶ھ) وحافظ ابن حجرؒ (التوفی ۸۵۲ھ) اور امام سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) وغیرہ اپنے ماتھے پر ٹکی ہوئی دو آنکھوں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص:

حضرت انس بن مالکؓ (المتوفی ۹۳ھ) کو دیکھا تھا، اور اس وقت متعدد حضرات صحابۂ کرامؓ اور بھی موجود تھے؛ مثلاً:

حضرت مالک بن الحویرث المتوفی ۹۴ھ (اکمال ص: ۶۱۵)

حضرت عبد اللہؓ بن انیس المتوفی ۹۴ھ (جامع المسانید ج ۲؛ ص: ۳۴۷؛ وتبییض الصحیفہ ص: ۸)

حضرت محمودؓ بن لبید المتوفی ۹۹ھ (البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۸۶)

حضرت محمودؓ بن الربیع المتوفی ۹۹ھ (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۶۳)

حضرت ابوامامہ سہلؓ بن حنیف المتوفی ۱۰۰ھ (البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۹۰)

حضرت ہرماسؓ بن زیاد الباہلی المتوفی بعد ۱۰۲ھ (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۸)

اور حضرت ابو طفیل عامرؒ بن واثلہ المتوفی ۱۱۰ھ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۸۲) وغیرہ وغیرہ اگر یہ صحیح ہے (اور کوئی وجہ نہیں کہ اکابر محدثین اور مؤرخین کی یہ تحقیقی رائے غلط ہو) کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت انسؓ بن مالک کو دیکھا ہے، تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ان دیگر حضرات صحابہ کرام کو، یا ان میں سے بعض کو جن کی وفات حضرت انسؓ کے کئی سال بعد ہوئی، نہ دیکھا ہو؛ لہذا: ان حضرات کا نظریہ بالکل صحیح ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام موصوف نے حضرت انسؓ کے علاوہ بعض اور حضرات صحابہ کرام کو بھی دیکھا ہے؛ اور ان سے ملاقات کی ہے؛ چنانچہ علاّمہ محمد بن اسحاقؒ المعروف بابن ندیم (المتوفی ۳۸۵ھ) لکھتے ہیں کہ:

وکان من التابعین لقی عدة من الصحابةؓ وکان من الورعین الزاھدین (الفہرست لابن ندیم ص ۲۹۸ طبع مصر)

امام ابوحنیفہؒ تابعین میں سے تھے انہوں نے متعدد حضرات صحابہ کرامؓ سے ملاقات کی تھی، اور آپ متورع اور زاہدین میں تھے، اور رؤیت کے لحاظ سے تو بلاشبہ وہ تابعی ہیں اور یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

ایں سعادت بزور بازو نیست ——— تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مقام ولادت:

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مقام تولد کوفہ ہے، جو عراقی شورشیں برپا ہونے کے بعد حضرت علیؓ [المتوفی ۴۰ھ] کے عہد حکومت میں دارالخلافہ تھا جس میں سینکڑوں حضرات صحابہ کرامؓ فروکش ہوئے، جن کے علم وعروفان کی بارش سے لوگ سیراب ہوتے رہے

امام سفیان بن عینیہؒ (المتوفی ۱۹۸ھ) کا کوفہ کے بارے میں یہ مقولہ کافی ہے کہ ''حلال وحرام یعنی فقہ کا مرکز تو کوفہ'' (معجم بلدان ذکر کوفہ)

اور علامہ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ: کوفہ میں تین سو وہ حضرات صحابہ کرامؓ جن کو بیعت رضوان میں شرکت کی فضیلت حاصل ہوئی تھی اور جو اصحاب الشجرۃ کہلاتے تھے اور ستر (۷۰) وہ حضرات صحابہ کرامؓ جو جنگ بدر میں شریک ہوکر مغفرت کا پروانہ حاصل کرچکے

تھے تشریف لے گئے تھے۔ (طبقات ابن سعد ص۴ ج۶)

اور امام عجلیؒ (المتوفی ۲۶۱ھ) کے بیان کے مطابق ڈیڑھ ہزار جلیل القدر حضرات صحابہ کرامؓ کے نقش پا سے کوفہ بابرکت ہو چکا تھا۔ (شرح نقایہ ص۲۰ ج۱)

اور امام نووی لکھتے ہیں کہ: کوفہ مشہور شہر ہے جس کو حضرت عمرؓ بن الخطاب کے حکم سے تعمیر کیا گیا، پھر لکھتے ہیں کہ:

وھی دارلفضل ومحل الفضلاء (نووی شرح مسلم ص۱۸۵ ج۱)

اور وہ فضیلت کی جگہ اور فضلاء کا محل تھا:

امام سخاویؒ (المتوفی ۹۰۲ھ) کوفہ جانے والے بعض حضرات صحابہ کرامؓ کا نام لکھ کر آگے فرماتے ہیں:

وخلقٌ من الصحابة (الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص ۱۳۹ طبع دمشق)

تحصیل حدیث کا شوق:

امام صاحب کے والد محترم کا انتقال ان کی تحصیل علم سے پہلے ہی ہو چکا تھا مگر حضرت امام شعبی (المتوفی ۱۰۶ھ کی ترغیب سے جنہوں نے پانچ سو حضرات صحابہ کرامؓ سے آنکھیں روشن کر لی تھیں اور بہت سے صحابہ کرام سے فیض صحبت اٹھایا اور روایات حاصل کی تھیں) حضرت امام ابوحنیفہؒ نے علم حدیث اور علم دین حاصل کرنے کا عزم مصمم کرلیا، اور اس وقت کے جلیل القدر محدثین عظامؒ اور فقہاء کرام سے علم حاصل کر کے بلند مقام حاصل کیا۔

شیوخ حدیث:

امام ابوحنیفہ نے بہت سے شیوخ اور اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا؛ جن میں سے چند حضرات کے نام جو متعدد کتب اسماء الرجال میں مندرج ہیں یہ ہیں۔

حضرت عطاء بن ابی رباح، عاصم بن ابی النجود، علقمہ بن مرثد، امام باقر، سعید بن مسروق، عدی بن ثابت انصاری، ابواسحاق سبیعی، نافع بن عمر مدنی، عبدالرحمن بن ہرمز

الاعرج ، قتادہ ، عمرو بن دینار، مکحول شامی ، محمد بن مسلم، اعمش کوفی ،امام اوزاعی، امام شعبی ، ربیعه بن عبدالرحمن الرائے ، عکرمه مولی ابن عباسؓ ؛ امام زهری، هشام بن عروہ، سماک بن حرب ، سلمه بن کهیل وغیرہ وغیرہ رحمهم الله تعالیٰ اجمعین.

علامہ ذہبیؒ نے ان کا ترجمہ الامام الاعظم کے پیارے عنوان سے شروع کر کے ان کے کچھ شیوخ کے نام ذکر کئے ہیں اور پھر آخر میں تحریر فرمایا ہے:

وخلقٌ کثیرٌ (تذکرہ ص۱۵۹ج۱)

کہ ان کے علاوہ اور بہت سے شیوخ سے انھوں نے علم حدیث اور علم دین حاصل کیا ہے:
علامہ ابوالمحاسن الشافعی نے تین سوانیس اساتذہ اور شیوخ کے نام بقید نسب لکھے ہیں

(عقود الجمان ص۶۴ تا ۸۷)

اور امام ابوحفص بن الکبیرؒ المتوفی ۲۶۴ھ نے تو یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ امام صاحبؒ نے کم از کم چار ہزار شیوخ سے حدیثیں روایت کی ہیں: (بحوالہ سیرت النعمان حصہ اول ص۳۲)

محدثین کا ان پر اعتماد:

بڑے بڑے ائمہ دینؒ، محدثین اور فقہاء اعلام امام ابوحنیفہؒ پر حدیث اور باقی علوم میں کلی اعتماد کرتے تھے، اور ان کی اس برتری اور تفوق کا کھلے لفظوں میں اقرار کرتے تھے ،چنانچہ امام مسعر بن کدامؒ (المتوفی ۱۵۵ھ) فرماتے تھے کہ: میں نے علم حدیث امام ابوحنیفہ کے ساتھ طلب کیا مگر وہ اس میں ہم پر غالب آ گئے اور زہد و ورع میں بھی وہ ہم سے سبقت لے گئے اور فقہ میں تو ان کا مقام تم سبھی جانتے ہو۔ (مناقب ابی حنیفہ لعلامہ ذہبی ص۲۷)

امام مکی بن ابراہیمؒ جو الامام اور الحافظ تھے، ان کو احفظ اھل زمانہ کہتے تھے:

(مناقب امام اعظم از صدر الائمہ المکی ج۱ ص۲۱۴)

اور فرماتے ہیں کہ: چالیس ہزار حدیثوں سے انہوں نے آثار کا انتخاب کیا تھا (حوالہ مذکور)

امام عبدالقادر القرشی (المتوفی ۵۷۷ھ) امام یوسف بن قاضی ابو یوسفؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد کے توسط سے:

روی کتاب الاثار عن ابی حنیفة و ھو مجلد ضخم،

(الجوہر المضیۃ ج۲ ص ۳۲۵)

امام ابوحنیفہ سے ان کی کتاب الآثار روایت کی جو ایک ضخیم جلد میں ہے:

اور حافظ ابن حجرؒ ارقام فرماتے ہیں کہ:

والموجود من حدیث ابی حنیفه مفردا انما ھو کتاب الآثار التی رواھا محمد بن الحسن عنه (تعجیل المنفعہ ص ۲)

امام ابوحنیفہ کی حدیث میں مفرد کتاب الآثار جو محمد بن الحسن نے ان سے روایت کی ہے:

اور اسی کے قریب وہ لسان المیزان ص ۱۳۱ ج ۵ میں لکھتے ہیں: حدیث کے بارے میں امام موصوف کی شرطیں بڑی سخت اور کڑی تھیں،

چنانچہ امام سفیان ثوری (المتوفی ۱۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ: امام ابو حنیفہ صرف وہی حدیثیں لیتے تھے جو ان کے نزدیک صحیح اور ثقات سے مروی ہوتی تھیں.

(کتاب الانتقاء ص ۱۴۲ طبع مصر لابن عبدالبرؒ)

اور امام یحییٰؒ بن معینؒ (المتوفی ۲۳۳ھ) فرماتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہؒ صرف وہی حدیثیں بیان کرتے تھے جو ان کو معلوم اور یاد ہوتی تھیں۔ (کفایہ خطیب بغدادی ص ۲۳۱)

امام حاکمؒ (المتوفی ۴۰۵ھ) لکھتے ہیں کہ: امام ابوحنیفہ کی حدیث میں یہ شرط تھی کہ راوی نے بالمشافہ حدیث اپنے شیخ سے سنی ہو، اور پھر وہ اس کو یاد بھی ہو، تب وہ اس کو بیان کرنے کا مجاز ہے (مدخل للحاکم ص ۱۵)

علامہ ابن خلدون (المتوفی ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں کہ: امام موصوف علم حدیث میں کبار مجتہدین میں شمار ہوتے ہیں، اور اسی وجہ سے محدثینؒ نے ان کے مسلک اور مذہب پر اعتماد کیا

ہے (مقدمہ ص ۴۴۵) اور اُن کی اِن شرائط کا باقاعدہ تذکرہ امام عبدالوہاب شعرانی (المتوفی ۹۷۳ھ) نے بھی کیا ہے (ملاحظہ ہوالمیزان الکبری ص ۶۳ ج اطبع مصر)

مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری (المتوفی ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں کہ: حدیث (کی قیود و شرائط) کے بارے میں جتنی تشدید و پابندی اور احتیاط امام ابو حنیفہ نے کی ہے اور کسی نے اس کا اتنا ثبوت نہیں دیا۔ (تحفہ الاحوذی ص ۱۵ ج ۲)

الغرض امام صاحب علم حدیث، فقہ اور زہد و تقوی میں اپنی مثال آپ ہی تھے:

چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب (المتوفی ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ:

امام اعظم کوفی چنانچہ در علم دین منصب امامت دارد ہم چناں در زھد وعبادت امام سالکان است (تقصار جیوالاحرار من تذکار جنود الابرار ص ۹۳)

امام صاحب کی فقاہت:

امام موصوف نے جب دیکھا کہ آئے دن نئے نئے مسائل اور حوادث رونما ہو رہے ہیں، اور اگرچہ تمام اصول وکلیات اور قواعد وضوابط تو قرآن کریم اور حدیث شریف میں مو جود ہیں مگر ہر آدمی کو یہ مرتبہ کہاں حاصل ہے کہ وہ فرع کو اصل پر متفرع کر کے اس سے مقیس کا حکم استنباط کر سکے۔ اس لیے بالآخر امام صاحب فقہ کے مہمات میں مصروف ہوئے ؛ اور دقیق فقہی مسائل کا کافی ذخیرہ فراہم کر دیا؛ جو ان کی دقت نظر، حدت ذہن، حاضر دماغی ا ور وسعت خیال کے شاہد عدل ہیں:

چنانچہ حضرت امام شافعیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ: تمام لوگ امام ابوحنیفہ کے عیال اور خوشہ چین ہیں (بغدادی ص ۳۴۶ ج ۳ وتھذیب التھذیب ص ۴۴۹ ج ۱۰)

اور نیز فرماتے ہیں کہ جو لوگ فقہ میں مہارت حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو وہ امام ابوحنیفہ ا ور ان کے اصحاب سے خوشہ چینی کریں (بغدادی ص ۳۴۶ ج ۱۳)

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ: فقہ میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ کوئی دوسرا ان کا نظیر نہیں ہوسکا؛ اور ان کے معاصرین نے ان کی فضیلت کا اقرار کیا ہے، خاص طور پر امام مالکؒ اور

امام شافعیؒ نے (مقدمہ ص ۴۴۷)

علامہ محمد طاہر (المتوفی ۹۸۶) لکھتے ہیں کہ: اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک امام صاحب کی مقبولیت کا کوئی خاص راز اور بھید نہ ہوتا؛ تو امت محمدیہ کا نصف حصہ کبھی ان کی تقلید پر مجتمع نہ ہوتا (تکملہ مجمع البحار ص ۵۴۷ ج ۳)

یہی وجہ ہے کہ اکابر محدثینؒ اور آئمہ جرح وتعدیل جن پر حدیث کی صحت وسقم کا مدار ہے ان کی تقلید کرتے ہیں مثلاً:

(۱) امام یحیؒ بن زکریاؒ بن ابی زائدہؒ الکوفی (المتوفی ۱۸۲ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الحافظ الثبت المتقن ا ور الفقیه کے اوصاف سے ذکر کرتے ہیں، وہ امام صاحب کے مقلد تھے: چنانچہ علامہ ذہبیؒ ہی ان کو صاحب ابی حنیفہؒ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں

(تذکرۃ الحفاظ ص ۲۴۶ ج ۱)

(۲) امام وکیعؒ بن الجراحؒ الکوفی (المتوفی ۱۹۷ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام الحافظ الثبت اور محدث العراق کے اوصاف حمیدہ سے ذکر کرتے ہیں، وہ بھی

یفتی بقول ابی حنیفهؒ (تذکرہ ص ۲۸۲ ج ۱)

امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے:

(۳) امام یحیٰ بن سعید القطان (المتوفی ۱۹۸ھ) جن کو علامہ ذہبیؒ الامام العلم اور سیّد الحفاظ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ: ہم اللہ تعالیٰ کی تکذیب نہیں کرتے ہم نے امام ابوحنیفہؒ کی رائے سے بہتر کسی کی نہیں سنی، اسی لیے ہم نے ان کے اکثر اقوال لے لئے ہیں: (بغدادی ص ۳۴۵ ج ۱۳)

اور علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ

و كان يحيى القطان يفتي بقول ابی حنیفه (ایضاً تذکرہ ص ۲۸۲ ج ۱)

امام یحییؒ بن سعید القطان بھی امام ابوحنیفہ کی رائے کے مطابق فتوی صادر کیا کرتے تھے؛

(۴) امام یحییٰؒ بن معین (المتوفی ۲۳۳ھ) جن کو حافظ ابن حجر: امام الجرح والتعدیل کے لقب سے یاد کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ: فن حدیث میں وہ مرجع الخلائق تھے جس کی وجہ سے محدثین کرام نے ان کی اقتداء اور خوشہ چینی کی ہے (تھذیب التھذیب ص ۲۸۸ ج ۱۱)

علامہ ذہبیؒ ان کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ان ابن معین کان من الحنفیه الغلاة فی مذهبه، وان کان محدثا اه الروات الثقات المتکلم فیهم بمالا یوجب ردهم (ص ۷ طبع مصر ۱۳۲۴ھ)

کہ امام یحییٰؒ بن معینؒ مذہب کے لحاظ سے غالی حنفی تھے بایں ہمہ وہ محدث بھی تھے:

ان کے علاوہ سینکڑوں محدثیں کرامؒ، حضرت امام ابوحنیفہ کی رائے کو بہتر اور صحیح سمجھ کر اوران کی فقہ پر اعتماد کر کے حنفی مسلک کو قبول کرنے پر مجبور ہو گئے تھے؛ اگر امام صاحب کی فقہ حدیث سے متصادم ہوتی یا اس کی بنیاد مبنی بر حدیث رسول (علیٰ صاحبہ الف الف تحیہ) نہ ہوتی جیسا کہ غلطی سے سمجھ لیا گیا ہے، تو یقین جانئے کہ امام یحییٰؒ بن زکریا، وکیع بن الجراحؒ، یحیی القطان؛ اور یحییٰ بن معین جیسے اساطین حدیث اور حافظین بلکہ محافظین حدیث کبھی حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تقلید نہ کرتے آخر انھوں نے کچھ دیکھا ہے تبھی تو ان پر فریفتہ ہو کر ان سے خوشہ چینی کی ہے اور ان کے مقلد بنے ہیں:

تری نگاہ تجلی شناس ہو تو دیکھ   پسِ حجابِ دو عالم کسی کی جلوہ گری

امام صاحبؒ اور علم کلام:

جس طرح حدیث، فقہ اور زہد و تقویٰ میں ان کا پایہ بہت ہی اونچا تھا: اسی طرح عقائد وکلام میں بھی ان کا رتبہ اور مقام بہت اونچا تھا۔

چنانچہ علامہ خطیب بغدادی (باوجود امام صاحب پر انتہائی جرح نقل کرنے کے) ان کی ذاتی خوبیوں اور علمی قابلیتوں کا ان کار نہیں کر سکے، اور صاف طور پر واشگاف الفاظ میں لکھتے ہیں کہ: علم عقائد اور کلام میں لوگ امام ابوحنیفہ کے عیال اور خوشہ چین ہیں:

(بغدادی ص ۱۶۱ ج ۱۳)

یہی وجہ ہے کہ امام بیہقیؒ (المتوفی ۴۵۶ھ) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (المتوفی ۷۲۸ھ) اور حافظ ابن القیمؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) وغیرہ وغیرہ علم کلام کے دقیق مسائل میں امام ابوحنیفہ کا حوالہ دے کر اس سے اپنی تائید حاصل کرتے ہیں: کتاب الاسماء والصفات، شرح حدیث النزول اور اجتماع جیوش الاسلامیہ وغیرہ کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے. الغرض اس فن میں بھی وہ امام ہی تسلیم کیے گئے ہیں۔

بہرکیف حضرت امام ابوحنیفہؒ کی جلالت شان، فن حدیث میں مہارت، علم فقہ میں تفوق، اور علم کلام میں اُن کا درجہ؛ محدثینؒ مورخین اور فقہاء کرام کیا موافق اور مخالف سبھی کو مسلّم ہے، جن حضرات کو ان کے بارے میں کچھ شکوک وشبہات تھے وہ یا تو غلط فہمی کا نتیجہ ہیں جو تاریخی اعتبار سے خود بخود درفع ہو جاتے ہیں اور یا انتہائی مذہبی تعصب کا ثمر ہیں جن کا اس جہان میں سرے سے کوئی علاج ہی نہیں ہے۔

امام موصوفؒ کے مزید کچھ مناقب وفضائل کے لئے راقم الحروف کی کتاب احسن الکلام حصہ اول کا مطالعہ کیجئے؛ اس مختصر مقدمہ میں اس کی گنجائش نہیں اور قدرے بسط اور تفصیل کے ساتھ راقم کی کتاب مقام ابی حنیفہ دیکھیں جس پر دور حاضر میں پاک وہند کے جید علماء کرام کی بہترین آراء وتصدیقات ثبت ہیں۔

فقہ اکبر:

علم عقائد وکلام میں ایک نہایت مختصر اور جامع کتاب جس کا نام فقہ اکبر ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تصنیف وتالیف ہے، چنانچہ بہت سے ائمہ اسلام نے اس کو امام صاحب ہی کی تالیف تسلیم کیا ہے مثلاً:

(۱) الحکمؒ بن عبداللہ البلخیؒ (المتوفی ۱۹۹ھ) راوی فقہ اکبر

(۲) امام اسحاق بن محمد الحکیم السمرقندی (المتوفی ۳۴۲ھ) جو امام ابومنصور ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ کے تلمیذ تھے اور ان کی شرح کو بقول مولانا شبلی المتوفی ۱۳۳۲ھ علامہ ابوالبقاء احمدی نے ۹۱۸ھ میں نظم کیا تھا۔

(۳) امام فخر الاسلام علی محمد البز دوی الحنفی المتوفی ۴۸۲ھ،
(۴) امام محی الدین محمد بن بہاؤ الدین،
(۵) مولی الیاس بن ابراھیم السینوبیؒ،
(۶) احمد بن محمد المغنیساویؒ،
(۷) شیخ اکمل الدین بابرتیؒ،
(۸) علامہ ابوالمنتہیؒ،
(۹) شیخ الاسلام ابن تیمیہ،
(۱۰) حافظ ابن القیم،
(۱۱) علامہ ذہبی،
(۱۲) امام کردریؒ،
(۱۳) ملا علی بن القاریؒ،
(۱۴) علامہ عبد العلی بحر العلومؒ،
(۱۵) ملا کاتب چلپی صاحب کشف الظنون،
(۱۶) علامہ عبد القادر القرشیؒ
(۱۷) صدر الشریعہ عبید اللہؒ بن مسعود،
(۱۸) حافظ ابن ہمامؒ،
(۱۹) علامہ ابن عابدین شامی،
(۲۰) مولانا عبد الحی لکھنویؒ،
(۲۱) مولانا عبد الحکیم سیالکوٹیؒ، وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب حضرات اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ فقہ اکبر امام ابو حنیفہؒ کی کتاب ہے

بریلوی حضرات کے مسلم عالم مولوی احمد رضا خان صاحب (المتوفی ۱۳۴۰ھ) بھی تسلیم کرتے ہیں کہ: فقہ اکبر امام اعظم ہی کی تالیف ہے۔ (دیکھئے کوکب الشہابیہ ص ۱۶ و ص ۶۴ وغیرہ)

امام کردریؒ فرماتے ہیں کہ: تو یہ اعتراض کرے کہ امام صاحب کی تو کوئی تصنیف ہی نہیں؟ تو میں یہ کہوں گا کہ یہ اعتراض اور کلام، معتزلہ کا ہے ان کا دعویٰ یہ ہے کہ امام صاحب کی علم کلام میں کوئی تصنیف نہیں اور اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ فقہ اکبر اور کتاب العالم والمتعلم امام صاحبؒ کی نہیں، چونکہ امام صاحب نے فقہ اکبر میں اہل السنۃ والجماعۃ کے اکثر عقائد نقل کئے ہیں؛ اور معتزلہ کا یہ (بے بنیاد) دعویٰ ہے کہ: امام صاحب معتزلی تھے (معاذ اللہ) اور کتاب فقہ اکبر معتزلہ کے خیال میں ابوحنیفہ بخاری کی ہے لیکن ان کا یہ نظریہ بالکل صریح طور پر غلط ہے کیونکہ میں نے علامہ مولانا شمس الملۃ والدین الکردری البراتقینی العمادی کے ہاتھ مبارک سے لکھی ہوئی تحریر پڑھی ہے: انھوں نے تصریح کی ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام صاحب کی ہیں پھر آگے ارشاد فرمایا کہ:

تواطأ علیٰ ذٰلک جماعۃ کثیرۃ من المشائخ انتھی

(ذیل الجواہر ص ۴۶۱ ج ۲)

اسی پر مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت متفق ہے.

بظاہر اسی قسم کے لوگوں سے متاثر ہو کر علامہ شبلی نعمانی وغیرہ نے لکھا ہے کہ: فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے، اور اس پر برائے نام دلائل اور اپنے خیالات کا انہوں نے اظہار بھی کیا ہے مگر تاریخی اور تحقیقی لحاظ سے ان کی کوئی دلیل قوی نہیں ہے.

مثلاً ایک یہ ہے کہ: فقہ اکبر کے راوی ابو مطیع پر محدثین نے کڑی جرح کی ہے، لہذا اس کا اعتبار نہیں اور نیز صاحب الفقہ الاکبر کا متبادر معنی یہ ہے کہ: وہ ابو مطیع ہی کی تالیف ہو؛ مگر یہ دلیل اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتی بلاشک اکثر محدثین نے ان پر جرح کی ہے مگر ان کا مرکزی نقطہ ہی صرف یہ ہے کہ وہ جہمیہ اور مرجیہ کے عقیدہ پر تھے؛ کتب اسماء الرجال میں اس کی تصریح موجود ہے مگر کیا یہ نسبت ان کی طرف صحیح بھی ہے؟ اور اگر صحیح ہے تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ: وہ کس معنی میں مرجیہ تھے؟ اور کیا اس معنی کے مرجیہ ہونے سے کوئی زد آتی ہے؟ کیا خود امام اعظم کو مرجیہ فرقہ میں سے ہونے کا بلاوجہ الزام نہیں دیا گیا؟ اور اگر اس وجہ سے

روایت مردود ہوتی ہے تو ہم صحیحین میں ایسی بہت سی روایات کی نشاندہی کرسکتے ہیں جن کے روات مرجیہ وغیرہ فرقوں سے متعلق تھے.

حافظ ابن حجرؒ امام ابو مطیعؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

كان بصيرا بالرأى علامة كبير الشان وكان ابن المبارك يعظّمه ويبجّله لدينه وعلمه (لسان المیزان ص ۳۳۴ ج ۲)

وہ صاحب بصیرت فقیہ، علامہ اور بڑی شان کے مالک تھے، اور ابن مبارکؒ ان کے دین اور علم کی بدولت ان کی تعظیم وتوقیر کیا کرتے تھے؛

اور علامہ ذہبیؒ ان کو الفقیہ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں: (عبرنی اخبار من غبر)

اور علامہ عبدالقادر القرشی لکھتے ہیں کہ:

راوى كتاب الفقه الاكبر عن ابى حنيفه اه (الجواہر المضیہ ص ۲۶۵ ج ۲)

امام ابو مطیع نے کتاب فقہ الاکبر حضرت امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے.

غرضیکہ یہ کتاب ابو مطیع کی نہیں بلکہ امام صاحب ہی کی تالیف ہے امام ابو مطیع تو صرف اس کتاب کے راوی ہیں:

مولانا شبلی نے ایک دلیل یہ بھی پیش کی ہے کہ جس ترتیب اور اختصار سے یہ کتاب لکھی گئی ہے وہ متاخرین کا خاص انداز ہے لیکن اس دلیل میں بھی کوئی جان نہیں، کیونکہ امام طحاویؒ (المتوفی ۳۲۱ھ) جو دو واسطوں سے امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں اور متقدمین میں شامل ہیں، ان کی کتاب عقیدۃ الطحاوی بھی آخر بڑی مختصر اور خاص ترتیب سے لکھی گئی ہے؛ لہذا اس کا بھی ان کار کر دینا چاہئے؛ علاوہ ازیں حضرت امام ابو یوسفؒ (المتوفی ۱۸۲ھ) اور امام محمد (المتوفی ۱۸۹ھ) جو امام صاحب کے بلا واسطہ شاگرد ہیں، ان کی کتابوں میں جو ترتیب یا اختصار ہے وہ فقہ اکبر سے چنداں متفاوت اور نمایاں نہیں ہے؛

مولانا شبلی نے ایک دلیل یہ بھی ذکر کی ہے کہ فقہ اکبر میں ایک جگہ جوھر اور عرض کا لفظ

آیا ہے حالانکہ فلسفیانہ الفاظ اس وقت زبان میں داخل نہیں ہوئے تھے؟ بے شبہ منصور عباسی کے زمانہ میں فلسفہ کی کتابیں یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی تھیں لیکن یہ زمانہ امام صاحب کی آخر زندگی کا زمانہ تھا؟

مگر مولانا کی یہ دلیل بھی نہایت ہی کمزور ہے، کیونکہ جس شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حافظہ اور قوت یاداشت اور فہم وذکاء عطا فرمائی ہو، اور جو ہستی مختلف ممالک کے ہزاروں اساتذہ سے استفادہ کر چکی ہو اور جس کے یونان اور ایران سے آئے ہوئے غیر ملکی بیسیوں شاگرد ہوں اور جن کے بار ہا باطل فرقوں سے مناظرات بھی ہو چکے ہوں ان کے لیے جو ہر و عروض کے ایک دو لفظ یاد کر لینا اور ان کو معلوم کر لینا اور کتاب میں درج کر دینا کون سی انوکھی بات ہے؟ جب کہ اغلب یہی ہے کی ان کا مطمح نظر ہی ان الفاظ سے فلاسفہ یا ان کے کاسہ لیسوں کی تردید ہی ہے عام یونانی فلسفہ کی اصطلاحات کا تو ذکر ہی کیا آخر علامہ ابن خلدون ہی نے ذکر کیا ہے کہ پوری اقلیدس کا ترجمہ ابو جعفر منصور کے عہد میں ہو چکا تھا۔

(مقدمہ ص ۴۸۶)

جب خالص یونانی طرز اور فن کی کتاب کا ترجمہ عہد منصوری میں ہو چکا تھا تو بعض علمی اصطلاحات کا علم ابتدائی دور میں کون سی نرالی بات ہے جبکہ سینکڑوں فلسفی اور یونانی جاہ و مال کے حاصل کرنے کے لئے کئی دفعہ اسلامی دارالخلافہ کا طواف کر چکے ہوں گے۔

مولانا نے یہ بھی لکھا ہے کہ: صحائف شرح مقاصد، شرح مواقف اور ملل ونحل وغیرہ عقائد کی کتابوں میں فقہ اکبر کا ذکر نہیں ہوا؟ لیکن اس دلیل میں بھی کوئی قوت نہیں ہے؛ کیونکہ عدم ذکر سے عدم شے کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟ آخر ان میں سے بیشتر کتابوں میں عقیدۃ الطحاوی کا ذکر بھی تو نہیں ہے تو کیا اس کے وجود ہی کا انکار کر دیا جائیگا؟

امام بزدوی الحنفی فرماتے ہیں کہ:

العلم نوعان: علم التوحید والصفات، وعلم الشرائع والاحکام، والاصل فی النوع الاول ھو التمسک بالکتاب

والسنة ومجانبة الهوىٰ والبدعة ، ولزوم طريق السنة والجماعة الذى كان عليه الصحابةؓ والتابعون ومضى عليه الصالحون وهو الذى كان عليه ادركنامشائخنا ، وكان على ذلك سلفنا، اعنى اباحنيفه وابايوسف ومحمدا وعامة اصحابهم رحهم الله تعالىٰ وقد صنف ابو حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه فى ذلك كتاب الفقه الاكبر وذكر فيه اثبات الصفات تقدير الخير والشرمن الله تعالىٰ وان ذلك كله بمشيته وثبت الاستطاعة مع الفعل ؛ وان افعال العباد مخلوقة بخلق الله تعالىٰ اياها كلها، وردالقول بالاصلح.

(اصول البزدوی الموسوم بہ کنز الوصول الی معرفۃ الاصول ص ۳ طبع جاوید پریس کراچی)

علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم توحید وصفات اور دوسرا علم شرائع اور احکام اور پہلی نوع میں اصل یہ ہے کہ: کتاب وسنت سے تمسک کیا جائے اور خواہش (نفسانی) اور بدعت سے کنارہ کشی کی جائے؛ اور اہل السنۃ والجماعۃ کا طریقہ لازم پکڑا جائے جس پر حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ تھے؛ اور اسی پر سلف صالحین تھے، اور یہی وہ چیز ہے جس پر ہم نے اپنے اکابر کو پایا ہے اور اسی پر ہمارے اسلاف تھے یعنی حضرت امام ابوحنیفہؒ حضرت ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ اور ان کے اکثر اصحاب سب پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اور بلاشبہ امام ابوحنیفہ نے اس میں الفقہ الاکبر نامی کتاب لکھی ہے ؛ اور اس میں انہوں نے صفات (خداوندی) کا اثبات کیا ہے اور اس میں انہوں نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ: (بھلی بری) تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے اور انھوں نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ: استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ بھی انہوں نے اس میں ثابت کیا ہے کہ بندوں کے افعال سب کے سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے؛ اور معتزلہ کا اصلح والاقول بھی انہوں نے رد کیا ہے (یعنی یہ کہ جو چیز بندوں کے حق میں اصلح ہے وہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کیونکہ وجوب کے قول کے بعد اللہ تعالیٰ فاعل مختار نہیں رہتا معاذ اللہ

مولانا نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ: فقہ اکبر کی تمام شرحیں آٹھویں صدی کے بعد کی ہیں؟ مگر یہ دلیل بھی بالکل بے وزن ہے، اس لیے کہ خود مولاناؒ اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ فقہ اکبر کے ایک شارح اسحاقؒ بن محمد عبدالحکیم بھی ہیں؛ اور ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ان کی وفات ۳۴۲ھ کو ہوئی تھی۔ (دیکھئے فوائد بہیہ ص۴۴ وغیرہ)

الحاصل مولانا شبلیؒ نے جتنے دلائل بھی ان پر پیش کیے ہیں کہ فقہ اکبر امام صاحبؒ کی تصنیف نہیں ہے سب کے سب کمزور اور ضعیف ہیں یہی وجہ ہے کہ مولانا خود ان سے مطمئن نہیں ہیں اور صاف ارقام فرماتے ہیں کہ ''ہم نے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے لیکن تمام واقعات بھی (جن میں ایک بھی ثبوت مدعیٰ کے لیے دلیل نہیں بن سکتا (صفدر)) لکھ دیئے ہیں ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔

(سیرۃ نعمان حصہ ا، ص ۷۵)

واقعی یہ تمام خیالات اور قیاسات صرف مولانا کی ذات ہی تک محدود ہیں کیونکہ تاریخی دلائل اور شواہد، قرائن اور واقعات ان کا سراسر انکار کرتے ہیں:

ع خذ ما صفا ودع ما کدر

غرضیکہ فقہ اکبر حضرت امام ابا حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کی تصنیف ہے۔ لاریب فیہ

امام صاحبؒ کی وفات:

خلیفہ عباسی ابوجعفر منصور (المتوفی ۱۵۸ھ) کے عہد میں امام صاحب کو قاضی اور جج بننے کے لیے مجبور کیا گیا مگر انہوں نے صاف انکار کر دیا (کہ جس حکومت میں غیر اسلامی فتوے اور فیصلے بھی صادر اور نافذ کرنے ہوں گے اس میں کیسے قاضی بن جاؤں اور کیوں آخرت ضائع کر دوں) پہلے تو گورنر وقت یزید بن عمر بن ہبیرہ نے روزانہ دس دس کوڑے امام موصوفؒ کو لگوائے اور پھر بالآخر قید خانے میں محبوس کر دیا اور جیل خانے ہی میں امام موصوفؒ کو چار سال کی طویل قید کے بعد زہر دلوا دیا گیا اور جب امام موصوفؒ کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ میں گر گئے، اور اسی حالت میں رجب ۱۵۰ میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے

(کتاب المناقب للکردری ص۲۴ ج۲ وکتاب الانتقاء ص۱۷۰وغیرہ)

چھ مرتبہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی پہلی دفعہ کم وبیش پچاس ہزار آدمی شریک تھے، اور خطیب بغدادیؒ نے لکھا ہے کہ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ ان کے جنازے کی نماز پڑھتے رہے۔ (بحوالہ سیرت نعمان حصہ اول ص۴۲)

اس سے امام صاحب کی مقبولیت عامہ اور مرجع خلائق ہونے کا اندازہ ہوسکتا ہے

رکھتی ہے غرق میکدہ دنیائے عشق کو ——— وہ اک ادا کہ جنبش مینا کہیں جسے

فقہ اکبر کا ترجمہ:

ضرورت تھی کہ اس مختصری کتاب کی خصوصیات کو ملحوظ رکھ کر اس کا اردو میں سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کردیا جائے تاکہ اس پرفتن دور میں جہاں اعمال واخلاق اسلامی، کولوگ خیر باد کہہ چکے ہیں کم ازکم اپنا عقیدہ تو درست رکھیں اور نیز حنفی قسم کے مسلمان بخوبی یہ معلوم کرسکیں کہ ہم کن عقائد پر کاربند ہیں اور امام اعظمؒ نے کون سے عقائد تحریر فرمائے ہیں؟ اور نیز یہ بھی معلوم ہوجائے کہ امام صاحب ہرگز مرجیہ فرقہ میں سے نہ تھے؛ کیونکہ انھوں نے اس کتاب میں اس فرقہ کا نام لیکر ایک جگہ تردید کی ہے۔

اس ضرورت کو عزیز مفتی رشید احمد جو حضرت مولانا عبدالعزیز محدث سہالوی کے جانشین اور صحیح معنوں میں علمی وارث ہیں انہوں نے بطریق احسن وخوبی مکمل فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اس گراں قدر محنت اور علمی کام سے استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے

نوٹ: یہ آخری سطریں حضرت شیخ سے جب اس مقدمہ کو اپنی کتاب کا جزو بنانے کی اجازت چاہی تو آپ نے مذکورہ الفاظ زیادہ کرنے کا فرمایا تھا جو لکھ کر حضرت کو سنا دئے گئے تھے۔

دوسرا حصہ

فقہ اکبر سے متعلق بنیادی باتیں

پہلا باب	امام اعظم ابوحنیفہ کے حالات کے بیان میں
دوسرا باب	امام حماد بن ابوحنیفہ کے حالات کے بیان میں
تیسرا باب	امام ابومطیع بلخی کے حالات کے بیان میں
چوتھا باب	علم عقائد سے متعلق دس بنیادی امور کے بیان میں

پہلا باب:

امام اعظمؒ کے مختصر احوال

۱- نام اور مقام ولادت:

آپ کا نام نامی اسم گرامی نعمان، والد مکرم کا نام ثابت، اور آپ کی کنیت ابوحنیفہ تھی،

اس کنیت کی وجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام حنیف کی مناسبت تھی، جو بعض لوگوں میں مشہور ہو گیا ہے کہ آپ کی ایک بیٹی کا نام حنیفہ تھا اس وجہ سے آپ کی یہ کنیت تھی، یہ بات تحقیق سے گری ہوئی اور لایعنی ہے۔

سکونت کے لحاظ سے آپ کا مقام کوفہ، اور خاندانی تعلق کے بارے میں مختلف آراء بیان کی جاتی ہیں بعض نے آپ کو خراسانی لکھا ہے اور بعض لوگوں نے آپ کو کابلی بیان کیا ہے۔

آپ کی ولادت ۸۰ ہجری میں ہوئی ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جب مسلمانوں کی زمام اقتدار خلیفہ عبدالملک بن مروان کے ہاتھ میں تھی؛

اور اس زمانے میں کئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بقید حیات تھے اور متعدد صحابہ کی زیارت سے آپ مشرف ہو کر تابعیت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کی بناء پر تمام ائمہ میں سب سے افضل مرتبے پر فائز تھے۔

اور امام صاحب ان ائمہ میں سے ایک تھے جن کی علمی تحقیقات کی بنیاد پر قرن اول سے آج تک دنیا کا سب سے زیادہ طبقہ آپ کی اتباع میں فخر محسوس کرتا ہے اور اس طبقے کو امام اعظم کی اتباع کرنے کی بنا پر حنفی کہتے ہیں۔

آپ کا خاندانی پیشہ ریشم کے کپڑے کی تجارت تھا اور آپ بھی ایک زمانہ تک اپنے

خاندانی کام کرتے رہے ہیں۔

آپ کے دادا جن کا نام زوطی تھا ایک روایت کے مطابق ان کی ولادت افغانستان کے موجودہ دارالحکومت کابل میں ہوئی تھی؛ البتہ آپکے والد حضرت ثابت کی جائے ولادت کے بارے میں اختلاف ہے بعض ائمہ کی رائے ہے کہ آپ کی ولادت صوبہ عراق کے معروف شہر انبار میں ہوئی؛ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ آپ صوبہ خراسان کے شہر نساء میں پیدا ہوئے البتہ امام اعظم کی ولادت کے بارے تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ آپ کوفہ میں پیدا ہوئے تھے۔

۲-امام اعظم کے بارے میں بشارات نبویہ

(۱) امام خوارزمی نے جامع المسانید میں اپنی سند متصل کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ

عن ابی هریرة رضی الله عنی قال قال رسول الله ﷺ سیکون فی امتی رجلٌ یقال له ابو حنیفة هو سراج اُمّتی یوم القیامة

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ عنقریب میری امت میں ایک شخص ہوگا جس کو ابو حنیفہ کہیں گے اس کو قیامت کے دن میری امت کا سردار ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔

اسی لئے امت کے عوام وخواص میں امام صاحب کا لقب سراج الامۃ مشہور اور معروف ہے۔

(۲) وعنہ ایضا (سیکون رجلٌ یقالُ له نعمان بن الثابت و یکنّی بابی حنیفةَ یُحیی دینِ الله و سُنّتی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عن قریب میری امت میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جس کو نعمان بن ثابت کہا جائے گا اور جس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے دین اور میری سنت کو زندہ کردے گا۔

اور اسی حدیث کی بناء پر ایک مجلس میں امام جعفر الصادقؒ نے آپکو دیکھ کر فرمایا' آپ تو

میرے نانا کے دین اور اس کی سنت کو زندہ کرنے والے ہو۔

(۳) وعنہ ایضا قال (فِی کُلّ قرنٍ مِن اُمّتِی سابِقُون و ابُوحنیفۃَ سابقُ زَمَانِہ)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ: ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری امت میں سابقین ہوا کریں گے اور ابوحنیفہ اپنے زمانے کے سابقین میں سے ہونگے۔

'سابق' ایک لقب ہے جس سے مراد ایسے لوگوں کی جماعت ہے جو دور نبوی میں پیدا تو نہیں ہوئے مگر روز قیامت انکو انبیاء کرام یا صحابہ عظام کی جماعت میں اٹھایا جائے گا؛ عام صوفیاء کے ہاں اس مقام کا نام صدیقیت ہے اور یہ ہستی اپنے زمانے کے لوگوں کے لئے حبل اللہ، معیار حق، اور بقول امام شاہ ولی اللہ: آلۂ جارحہ ہوتے ہیں؛ اور فقہائے کرام کی زبان میں ان کو مجدد کہتے ہیں؛ اللہ تعالیٰ ہمیں امام اعظم، سمیت اپنے زمانے کی عظیم ہستی کے تعارف کے ساتھ ساتھ ان کی صحبت اور ساتھ بھی نصیب فرمائے؛

نوٹ: اگر چہ علماء کے عام اور خاص طبقہ میں ان احادیث پر جرح بھی کی جاتی ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ یہ جرح موجودہ دور کا فیشن بن چکی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ علم فقہ کے معروف امام علامہ شامی نے اپنی معروف تصنیف ردالمحتار میں ان احادیث کی درایتاً توثیق فرمائی ہے؛ اور سند کے لحاظ سے چھٹی صدی کے معروف امام، اور امام اعظم کی پندرہ مسانید کے مدوّن اول، امام خوارزمی نے اپنی کتاب جامع المسانید میں تمام اسناد کے ساتھ ان کی توثیق بھی بیان فرمائی ہے.

قرآن کریم کی آیت کی رو سے،

(و اشھدوا ذوی عدل منکم)

اور تم اپنے میں سے دو عدل والوں کی گواہی لے لیا کرو

آیت کہ یہ ضابطہ مذکورہ احادیث کی توثیق کے لئے کافی ہے۔

جب صورت احوال یہ ہوتو علمائے احناف پر لازم ہے کہ مذکورہ بالا دونوں ہستیوں علامہ شامی اور علامہ خوارزمی کی بات پر کان دھریں؛ یا پھر اسی مرتبہ کے علماء سے اس کے خلاف پر دلیل قائم کریں؛ باقی رہا مسئلہ ملاعلی القاری کا تو انہوں نے ان احادیث کی اسناد میں زیادہ سے زیادہ ضعف ثابت کیا ہے اور بس، ورنہ ان احادیث کی اسناد کے طرق جمع کئے جائیں تو وہ ضعف بھی ختم ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب 'الانعام فی سیرۃ الامام' ملاحظہ فرمایئے۔

۳- امام صاحب کے اخلاق واطوار:

امام اعظم کے بارے میں لکھنے والے تمام ائمہ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ

حضرت امام ابوحنیفہ چہرے کی خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھے؛ جس پر امام صاحب کے گندمی رنگ نے اور بھی چار چاند لگا دئے تھے، امام صاحب کے قد اور سراپۂ مبارکہ میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے؛ بعض کا کہنا ہے کہ آپ میانہ قد والے تھے اور بعض کا کہنا ہے کہ آپ کا قد مبارک قدرے لمبا تھا؛ لیکن پہلی بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے؛

کیونکہ عموما چھوٹے قد والے آپکو دراز قد، اور لمبے قد والے آپکو میانہ قد بیان کرتے تھے اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اللہ تعالیٰ نے آپکو اتنا حسین قد مبارک دیا تھا کہ چھوٹے قد والا دیکھے تو دراز قد نظر آتے اور لمبا قد والا دیکھے تو قد مبارک میانہ نظر آتا تھا اور ہم نے جب حضرت امام صاحب کی خواب میں زیارت کی، اور زیارت میں حضرت امام اعظم سے علم کلام کے موضوع پر تصنیف وتالیف اور تدریس کے حوالے سے کام کرنے کی بالمشافہ اجازت حاصل کی تو اس وقت امام اعظم واقعی ایسے میانے قد والے تھے، کہ نہ تو کسی شخص کو آپ سے لمبا کہا جاسکتا ہے؛ اور نہ ہی کسی کو آپ کے برابر قد والا کہا جاسکتا ہے۔

۴- امام صاحب کی صفات جمیلہ:

امام صاحب فطرتاً خاموش طبع، اور کم گو تھے، بہت ہی زیادہ کریم اخلاق والے، اور

اپنے دوستوں اور دینی بھائی بندوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرنے والے تھے؛

لوگوں کے ساتھ ایسے بہترین انداز میں گفتگو فرماتے کہ جس سے ایک بار بات کرتے اس کا دل موہ لیتے تھے؛ انداز تکلم میں مٹھاس تھی جو شخص بھی ایک بار آپ کی بات سنتا بس سنتا ہی چلا جاتا، اور پوری صحبت میں اکتاہٹ اور تنگی محسوس نہ کرتا تھا۔

امام اعظم سے جب کوئی سائل سوال کرتا یا کوئی طالب علم آپ سے علم کی کوئی بات معلوم کرتا تو آپ کے جواب عنایت فرماتے ہوئے یوں لگتا تھا جیسے کسی وادی میں پانی کا بند ٹوٹ جانے سے پانی بہنے لگا ہو۔

آپ کی یہ عادت مبارکہ نہ تھی کہ جس بات کی ضرورت نہ ہو بلا وجہ اس میں دخل دیں بلکہ لایعنی کی طرف آپ بالکل متوجہ نہ ہوتے تھے؛ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وافر عقل عطاء فرما کر خاص انعام فرمایا تھا۔

آپ مضبوط فکر اور صائب الرائے اور صحیح سوچ کے مالک تھے۔

آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ عبادت کثرت سے کیا کرتے؛ اور عامۃ الناس کے ساتھ بہت کم بحث ومباحثہ اور قیل وقال فرماتے تھے، اکثر رات کو کثرت عبادت کی وجہ سے آپ آرام نہ فرماتے تھے اور آپ کی ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اور عاجزی وزاری کرتے ہوئے گزرتی تھی۔

امام فضیل بن عیاض:

حضرت امام اعظم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: امام صاحب ایک ایسے فقیہ تھے جو فقہ اور فقاہت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے؛ اور تقوی وپرہیزگاری میں یکتائے روزگار ہستی تھے؛ مال میں اللہ تعالیٰ نے آپکو خوب وسعت دی تھی؛ اور سخاوت کے اس مرتبہ پر فائز تھے کہ جو شخص بار بار آپ کے پاس مانگنے کے لئے آتا آپ اس پر بھی فضل اور سخاوت فرمانے سے نہ اکتاتے تھے؛ اور حصول علم اور مطالعہ میں اتنے مستقل مزاج کہ رات دن جب دیکھو آپ کا یہی مشغلہ اور مصروفیت ہوتی تھی، اور بہت زیادہ خاموش طبع اور کم گو شخصیت کے مالک تھے۔

۵- امام صاحب کا تابعی ہونا:

اس بات پر ائمہ امت کا اجماع ہے کہ امام صاحب نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت کو دیکھا تھا؛ جن میں سے خاص طور سے قابل ذکر مندرجہ ذیل صحابہ کرام ہیں:

۱- حضرت انس بن مالکؓ کو بصرہ شہر متعدد بار دیکھا جنکی وفات کا سال ۹۳ ہجری ہے۔ اور اس وقت امام صاحب کی عمر مبارک ۱۳ برس کی تھی؛ اور امام صاحب نے ان سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے جو ان کی حدیث کی کتاب جامع المسانید میں تمام صحیح اسناد کے ساتھ منقول اور ہماری تصنیف عشرین لابی حنیفہ میں مذکور ہے فرمایا:

طلب العلم فريضةٌ على كل مسلم

علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

۲- حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کو کوفہ شہر میں دیکھا جنکی وفات ۸۷ھ ہے اس وقت آپ کی عمر مبارک سات برس کی تھی۔

۳- حضرت واثلہ بن الاسقع کو دیکھا جن کی وفات ۸۵ھ ہے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک پانچ برس تھی۔

۴- اور سب سے معمر صحابی رسول حضرت أبوطفیل عامر بن واثلۃ الدوسی کو مکہ مکرمہ میں کئی بار دیکھا جن کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی، اور اس وقت آپ کی عمر مبارک ۴۰ برس تھی؛ امام صاحب نے اپنی زندگی میں ۵۰ حج ادا فرمائے تھے؛ جن میں غالب قیاس اس بات کا ہے ۲۰ برس امام صاحب نے صحابی رسول ابوطفیل سے ملاقات فرمائی ہوگی۔

اب اگر کوئی مؤرخ اپنی تصنیف میں اس بات کو تذکرہ نہ کرے تو یہ ملاقات کے وقوع میں شک نہیں پیدا کرسکتا، البتہ یوں کہا جائے گا کہ مؤرخ کی رسائی اس بات تک نہ ہوسکی کہ وہ اس بات کو منظر عام پر لانے کے لئے نقل کرتا۔

۵- حضرت جابر بن عبداللہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور یہ معروف حضرت

جابر کے علاوہ صحابی تھے اوران کی وفات امام صاحب کے پیدا ہونے کے بعد ہوئی تھی۔

۶- حضرت عبداللہ بن الحارث بن الجزاء الزبیدی کو ۹۳ ہجری دیکھا اس وقت آپ کی عمر مبارک تیرہ برس تھی اور آپ نے حضرت عبداللہ سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

قال رسول الله ﷺ من تفقه فی دین الله کفاه الله عزوجل ورزقه من حیث لایحتسب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین میں دانائی حاصل کرتا ہے؛ اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہو جاتے ہیں، اور اس کے رزق کا بندوبست ایسے طریقہ اور جگہ سے فرماتے ہیں جہاں سے کوئی گمان بھی نہ کر سکے۔

۷- اور حضرت عمر بن الحریث کی زیارت کی جو ۸۹ھ میں فوت ہوئے۔

۸- اور حضرت سہل بن سعد الساعدی کی مدینہ طیبہ میں زیارت کی جنکی وفات ۹۸ھ بمقام مدینہ ہے۔

۹- اور حضرت سائب بن خلد بن سوید کی زیارت کی جو ۹۱ھ میں فوت ہوئے۔

۱۰- اور حضرت سائب بن یزید بن سائب کی زیارت کا شرف حاصل کیا جنکی وفات ۹۲ھ میں ہوئی تھی۔

۱۱- اور حضرت محمود بن ربیع کی زیارت فرمائی جو ۹۹ھ میں فوت ہوئے تھے۔

۱۲- اور حضرت محمود بن لبید کی زیارت کی جنکی وفات ۹۶ ہجری میں ہوئی تھی۔

۱۳- اور حضرت معقل بن یسار کی زیارت کی ہے۔

۱۴- اور حضرت عائشہ بنت عجرد کی زیارت اور ان سے حدیث روایت کرنے کا شرف بھی حاصل کیا۔

اسی بناء پر بعض ائمہ کرام کا کہنا ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت کی زیارت کا شرف حاصل کیا، اوران سے روایات بھی لیں ہیں۔

امام صاحب نے جو روایات صحابہ کرام سے نقل فرمائی ہیں وہ جامع المسانید میں اپنی

تمام اسناد کے ساتھ موجود ہیں جن کی اسناد کی توثیق بھی امام خوارزمی نے وہاں نقل فرمائی ہے ؛اور ملاعلی القاریؒ نے امام صاحب کی صحابہ کرام سے نقل کی گئی احادیث پر مشتمل ایک رسالہ الاربعین بھی مرتب فرمائی ہے، اور ہم نے صرف متن کا اعتبار کرتے ہوئے انہی کو عشرین کے نام سے نقل کیا ہے اور انہی کو اگر اسنادی طرق کے ساتھ جمع کیا جائے تو ان کی تعداد ایک سو سے زیادہ بن جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے امام صاحب کو علاّم تابعین میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ وصف امام صاحب کے علاوہ کسی دوسرے امام کے لئے ثابت نہیں ہے۔

اور علامہ ابن ندیم رحمہ اللہ نے اپنی معروف زمانہ تصنیف فہرست میں فرماتے ہیں کہ امام صاحب تابعین میں سے تھے، اور آپ کی ملاقات کئی صحابہ کرام سے ہوئی تھی، اور امام صاحب بڑے درجہ کے متقی اور پرہیزگار لوگوں میں سے تھے۔

اور ابن سعد اپنی کتاب طبقات میں ایسی سند کے ساتھ جو درجہ لابأس بہ میں ہے نقل فرماتے ہیں کہ ائمہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ امام ابوحنیفہ نے صحابی رسول حضرت انس بن مالک کو ایسے وقت میں دیکھا تھا کہ ابھی صحابۂ کرام کی ایک جماعت بقید حیات تھی۔

اور عظیم محدث امام خوارزمی کا فرمان ہے کہ علماء امت اس بات پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے احادیث روایت کی ہیں، البتہ ان صحابہ کی تعداد میں اختلاف ہے جن کی آپ نے زیارت فرمائی تھی۔

اور اسی لئے قاضی القضاۃ محمد بن احمد سراج حنفی فرماتے ہیں

أبو حنيفة زين التابعين روي عن جابر؛ وابن جزء ؛ والرضى أنس
ومعقل؛ وحريثي؛ وواثلةو بنت عجرد؛ علم الطيبين قبس

اور کسی اور امام نے اس کو اردو میں یوں نقل فرمایا ہے:

ابوحنیفہؒ کی بلند ہے تابعیں سے شان
کیا ہے نقل علم ابن مالکؓ جابرؓ و بن جزءؓ سے

معقلؓ حریثؓ واثلہ ؓ اصحاب کی جماعت سے
اور بنت عجردؓ ان میں ہے جن سے لیا علم نبیؐ

۶- امام صاحب کے اساتذہ کرام:

امام اعظم کے اساتذہ کی تعداد کے بارے میں زیادہ اختلاف نہیں بلکہ اکثر ائمہ نے یہ تعداد تین سے چار ہزار مشائخ اور بعض نے اس سے بھی زیادہ بتائی ہے جن سے آپ نے کسب فیض کیا لیکن ایک بات واضح ہے کہ امام اعظم نے جن سے کسب علم وفیض کیا تھا ان کی تعداد ہزاروں میں تھی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علم حدیث کے امام تھے؛ اور آپ نے چار ہزار سے زیادہ ائمہ وتابعین کی جماعت سے علم حدیث کا کسب فیض کیا تھا۔

۷- امام صاحب کے بارے میں ائمہ امت کی آراء:

امام ابومطیع بلخی فرماتے ہیں:

ایک دن کوفہ کی جامع مسجد میں امام ابوحنیفہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کے پاس امام سفیان ثوری اور مقاتل بن حیان اور حماد بن سلمہ اور جعفر صادق جیسے عظیم القدر فقہاء کی جماعت آئی، اور انہوں نے امام ابوحنیفہ سے بحث ومباحثہ شروع کر دیا۔

وہ کہنے لگے کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ دین کے معاملات میں اپنی رائے کو بڑی ترجیح دیتے ہیں؟ اور اس کے متعلق ہمیں آپ کے بارے میں بڑی پریشانی ہے؟ اور ہم اللہ تعالیٰ سے آپ کے بارے میں بڑا ڈرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کسی آزمائش میں نہ مبتلاء کر دے؟ کیونکہ یہ اپنی رائے کو ترجیح دینے کا طریقہ تو شیطان کا ایجاد کردہ ہے اور آپ کے اس عمل میں شیطان کی اتباع نظر آتی ہے؟

ان کی اس بات پر امام صاحب نے ان سے مناظرہ کیا اور تفصیلی بات چیت کی، جس کا دورانیہ جمعہ کے دن صبح سے زوال تک جاری رہا، اور امام اعظم نے ان سب کے سامنے اپنے مذہب کی ساری حقیقت واضح فرمائی کہ ان کے سامنے اپنا طریقۂ تحقیق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

(۱) میں کسی بات کا حکم معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے کتاب اللہ کو مقدم کرتا ہوں (۲) اگر وہاں سے کوئی بات معلوم نہ ہو سکے تو سنت نبویہ کو پیش نظر رکھتا ہوں اور اگر وہاں سے بھی بات واضح نہ ہو سکے تو (۲) اس کے بعد صحابہ کرام کے عمل کو دیکھتا ہوں، اور صحابہ کے عمل میں میرا طریقہ یہ ہے کہ جس بات پر صحابہ کرام کا اتفاق ہو اس کو مقدم کرتا ہوں اس بات سے جس میں ان کا آپس میں کسی معاملے میں اختلاف ہوا ہو، اور فرمایا کہ یہ میرا طریقۂ قیاس ہے۔

یہ تفصیلی بات سننے کے بعد سب کھڑے ہوئے اور آپ کے ہاتھ اور گھٹنے چومے، اور سب نے ملکر آپ سے یہ التماس کی کہ آپ علماء کے سردار ہیں ہمیں وہ ساری باتیں معاف فرمانا جو آپ کے بارے میں ہم سے سبقت لسانی ہوئی ہے، کیونکہ وہ سب کچھ بغیر علم کے اور سنی سنائی باتوں کی وجہ سے ہوا ہے۔

امام صاحب نے فرمایا:

غفر اللّٰہ لنا، ولکُم اجمعین

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تم سب کو بھی معاف فرمائے آمین!

اور امام قیس بن ربیع فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایسی باتوں کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے جو تا حال وقوع پذیر نہیں ہوئی ہیں۔

اور امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو سب سے زیادہ جاننے والی شخصیت کا نام امام ابوحنیفہ ہے۔

۸- امام صاحب کے تلامذہ:

امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ بعض ائمہ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے جتنے تلامذہ اور اصحاب کی کثرت امام اعظم کو عنایت فرمائی اتنی اسلام کے مشہور ائمہ میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئے، اور نہ ہی امت کے اکثر لوگ علمی لحاظ سے کسی شخصیت سے اتنے مستفید ہوئے ہیں جتنے امام اعظم اور آپ کے اصحاب اور تلامذہ سے علمی لحاظ سے مستفید ہوئے ہیں۔

اور اسی لئے امام محمد بن ادریس شافعیؒ فرماتے ہیں:

ألناس فى الفقه عيال لابى حنيفة رحمة الله عليه

لوگ علم فقہ میں امام صاحب کے عیال و اولاد کی مانند ہیں

۹-امام صاحب کا زہد اور تقویٰ:

امام أحمد بن حنبل نے فرمایا کہ

امام ابوحنیفہ علم اور ورعِ، زُہد اور آخرت کے معالات کو دنیا کے معاملات پر ترجیح دینے کے لحاظ سے ایسے مقام پر فائز تھے کہ کوئی ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکا۔

امام عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ:

ليس احداحق من ان يقتدى به من أبى حنيفه لانه كان اماماًتقياًنقياًورعاً عالماً فقيها:

دنیا میں کوئی شخص امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر ایسا نہیں کہ اس کی اقتداء کی جائے؛ کیونکہ وہ امام تھے، پاکباز تھے، متقی تھے؛ پرہیز گار تھے، عالم تھے، اور فقیہ تھے:

اور امام سفیان ثوری کے پاس جب بھی کوئی آ کر یہ کہتا میں امام ابوحنیفہ کے پاس سے آیا ہوں تو آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے:

لقد جئتَ من أعبدِ اهلِ الأرض

تو بلاشبہ ایک ایسی ہستی کے پاس سے آیا ہے جو صفحۂ ہستی پر سب سے زیادہ عبادت گزار ہے:

اور امام ولی الدین تبریزی نے فرمایا:

فانه (ابوحنيفة) كان عالماً عاملاً ورعاً زاهداً عابداً اماماً فى العلوم الشرعية ؛

بلاشبہ امام ابوحنیفہ عالم باعمل تھے متقی زاہد اور عابد تھے اور تمام علوم شرعیہ میں امامت کے درجے پر فائز تھے۔

۱۰- امام اعظم اور علوم شرعیہ:

امام اعظم ان تمام علوم شرعیہ عقلیہ اور نقلیہ کے عالم تھے جس کی اس زمانے میں ضرورت ہوسکتی تھی، اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے متعدد ائمہ کرام نے جو ارشادات عالیہ فرمائے ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

اور امام ولی الدین تبریزی نے فرمایا:

فانہ (ابوحنیفة) کان عالماً ، عاملاً ، ورعاً ، زاھداً ، عابداً ، اماماً فی العلوم الشرعیة

بلاشبہ امام ابوحنیفہ عالم باعمل تھے متقی زاہد اور عابد تھے اور تمام علوم شرعیہ میں امامت کے درجے پر فائز تھے

امام اعظم کی وسعت علمی کے گن گاتے ہوئے امام ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

احذر من ان تتوھم من ذلک أن اباحنیفة لم یکن له خبر تامة بغیر الفقه، حاشا للّٰه کان فی العلوم الشرعیة من التفسیر و الحدیث والالة من العلوم الادبیة والمقاییس الحکمیة بحراً لایجاری و اماما لایماری .

اس بات سے پرہیز کرو کہ تم یوں کہنے لگو کہ امام اعظم کو علوم فقہ کے علاوہ کوئی معلومات نہ تھیں، ایسا جملہ بھی منہ سے نہ نکالنا، بلکہ آپ علوم شرعیہ میں علوم تفسیر میں علوم حدیث میں تو امام تھے ہی، لیکن علوم ادبیہ میں علوم قیاسیہ میں اور علوم حکمتیہ میں آپ ایک ایسے بحر بے کراں تھے کوئی اس کی برابری نہیں کرسکتا اور امامت کے ایسے منصب پر فائز تھے کہ کسی کو اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔

اور ابن ندیم نے فرمایا:

العلم براً وبحراً ، شرقاً وغرباً ، قرباً وبُعداً من عِلمه رضی الله عنه

خشکی اور تری کے، مشرق و مغرب کے، اور دور ونزدیک کے تمام علوم آپ کے جاری کئے ہوئے فیض کا نتیجہ ہیں۔

۱۱- امام اعظم دینی علوم کے پہلے مدون ہیں:

تدوین علوم کے لحاظ سے امام اعظم وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے علوم شرعیہ میں نہ صرف علم حدیث علم فقہ اور علم تفسیر اور علم قرأت بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت سارے علوم کی بنیاد رکھی تھی، لہذا اس کے بارے میں متعدد ائمہ کرام کے اقوال ہیں جن میں چند ایک بطور نمونہ مندرجہ ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں

صدر الائمہ نے ارشاد فرمایا:

ابو حنیفة رحمة الله علیه اوّل من دوّن علم هذه الشّریعة لم یسبقه احد ممن قبله

امام ابو حنیفہ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اس شریعت اسلامیہ کے مختلف علوم کو سب سے پہلے مدون کیا ہے، اور آپ سے پہلے کسی کو اس بارے میں سبقت نصیب نہیں ہوئی۔

امام ابوالیسر محمد بزدوی فرماتے ہیں:

ابو حنیفة رحمه الله تعالیٰ علیه تعلّم هذا العلم (الکلام) و کان ینـاظر مع المعتزلة، و مع جمیع اهل البدع، و کان یعلّم اصحابه فی الابتداء، و قد صنّف فیها کتبا وقع بعضها الینا و عامتها محاها و غسلها اهل البدع و الزیغ (فی وقاع التاتار حین غلبوا علی البغداد) ومما وقع الینا کتاب العالم و المتعلم و کتاب الفقه الاکبر

امام ابو حنیفہ علم کلام لوگوں کو سکھایا کرتے تھے اور معتزلہ اور تمام اہل بدعت کے ساتھ آپ مناظرے بھی کیا کرتے تھے، اور ابتداء میں اپنے تلامذہ کو اس بات کی تعلیم بھی دیا کرتے تھے، اور آپ نے بہت ساری کتب بھی تصنیف فرمائی تھیں جن میں سے بعض تو

ہمیں پہنچ گئیں اوران میں سے اکثر اہل بدعت اور گمراہ لوگوں نے پانی میں دھودیں یا مٹادیں تھی (شائد یہ واقعہ تاتاریوں کے عراق پر قبضے کے وقت پیش آیا ہو یا اس سے پہلے ایسا ہوا ہو) اوران کی تصانیف میں سے جو کتابیں ہمارے ہاتھ لگی ہیں ان میں سے العالم والمتعلم اور فقہ اکبر ہیں:

امام موفق مکی فرماتے ہیں:

ان اباحنیفة اول من دون علم الشریعة ورتبه ابوابا؛

بلاشبہ امام ابوحنیفہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علوم شرعیہ کوابواب کی صورت میں مرتب کیا تھا۔

امام زین بن نجیم فرماتے ہیں:

و لذا انصف الشافعی حیث قال من اراد ان یتبحّر فی الفقه فلینظر الی کتب ابی حنیفة ان لم یکن للامام کتبا فلأیّ شیء یشیر الامام الشافعی.

اسی لئے امام شافعی نے انصاف کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص علوم فقہ میں مہارت حاصل کرنا چاہے اس کو چاہئے کہ وہ امام اعظم کی کتب کا مطالعہ کیا کرے، اور اگر امام اعظم کی کوئی کتاب ہی نہیں تھی تو امام شافعی کس کتاب کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں۔

۱۲-امام اعظم کا امت میں مقام ومرتبہ:

امام زین بن نجیم اپنی کتاب الاشباہ والنظائر میں ابن وہبان سے اور وہ امام حرملہ سے نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وهو (ابو حنیفة) کالصدیق رضی الله تعالیٰ عنه له اجر واجر من دوّن الفقه، والفه وفرع احکامه علی اصوله الی یوم القیامة؛ وقال محمد علی الرافعی [علی حاشیته] وجه شبه بینهما ان کلا منهما ابتدأ أمرا لم یسبق الیه، وذلک ان اباحنیفة ابتدأ تدوین

الفقه و كان قبله محفوظا في الصدور ؛ وابو بكر رضي الله عنه ابتدأ بجمع القرآن بعد وفاته صلى الله عليه وسلم بمشورة عمر رضي الله عنه ؛ وقيل وجه الشبهة بينها ان الصديق اول من آمن من الرجال، وابا حنيفة أول من دون الفقه ؛

امام ابوحنیفہ کی مثال حضرت ابوبکر صدیق کی مانند ہے علوم فقہ کا اجرا اور اس کی تدوین کا اجر آپ کے لئے ہے اور جو شخص اس کی تالیف کرے گا اور قیامت تک جو ان کی فروعات پر احکامات کو مرتب کرے گا اس کا اجر بھی آپ ہی کو ملے گا،

اس عبارت پر علامہ رافعی نے حاشیہ میں لکھا ہے:

حضرت ابوبکر صدیق اور امام ابوحنیفہ دونوں میں وجہ مناسبت یہ ہے کہ آپ دونوں کے ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ نے ایسے کاموں کی ابتدا فرمائی ہے جو کوئی اور نہیں کرسکا، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے سب سے پہلے علوم فقہ کو مدوّن کیا ہے جبکہ اس سے پہلے یہ انسانوں کے سینوں میں محفوظ تھی، اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے قرآن کریم کو جمع کرنے کی ابتداء فرمائی، اور اس کے بارے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ ان دونوں حضرات کے درمیان مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر آدمیوں میں سب سے پہلے ایمان لائے اور امام ابوحنیفہ علم فقہ کو مدون کرنے والے پہلے شخص تھے۔

۱۳- امام اعظم بہت ساری کتب کے مؤلف ہیں:

وقال عبداللہ بن المبارک فرماتے ہیں:

كتبتُ كُتب ابى حنيفة غير مرةٍ كلّما كان يقع فيها زياداتٌ فاكتبها

میں نے امام ابوحنیفہ کی کتب کئی مرتبہ تحریر فرمائی تھیں جب بھی اس میں کوئی اضافہ ہوتا تھا میں ان کو لکھ لیا کرتا تھا:

وقال محمد بن سماعۃ فرماتے ہیں:

ان للامام ذکر فی تصانیفه نیفا و سبعین الف حدیثٍ ؛ و انتخب الآثار من اربعین الف حدیث

بلاشبہ امام صاحب کی تصانیف میں ستر ہزار سے زیادہ احادیث مندرج تھیں اوران کی احادیث میں سے 'الآ ثار' نامی کتاب چالیس ہزار احادیث پر مشتمل تھی۔

وقال صدرالائمۃ المکی فرماتے ہیں:

و انتخب (ابو حنیفة) الآثار من اربعین الف حدیث ؛ وهو غیر کتاب الاثار لمحمد بن الحسن الشیبانی

امام ابوحنیفہ نے اپنی کتاب الاثار میں چالیس ہزار احادیث نقل فرمائی تھیں اور یہ کتاب الاثار محمد بن حسن شیبانی کے علاوہ تھی۔

امام صمیری ابونعیم سے سند متصل کے ساتھ نقل فرماتے ہیں:

اوّل من کتَب کتب ابی حنیفة اسد بن عمیر

پہلا وہ شخص جس نے امام ابوحنیفہ کی کتب لکھی تھیں وہ اسد بن عمیر تھے

علامہ علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فان قلتَ لیس لابی حنیفة رحمة الله علیه کتاب مصنف ؟ قلتُ: هذا کلام المعتزلة ، ودعواهم انه لیس له فی علم الکلام تصنیف ، وغرضهم بذالک نفی ان یکون الفقه الاکبر و کتاب العالم والمتعلم له ، لانّه صرح فیه بأکثر قواعد اهل السنة والجماعة ، و دعواهم انّه کان من المعتزلة ، وذلک الکتاب لابی حنیفة البخاری لاله ، وهذا غلط صریح ؛ فانی رأیت بخط العلامة مولانا شمس الملة والدین الکردری العمادی هذین کتابین و کتب فیها انهما لابی حنیفة وقال تواطأ علی ذلکَ من

المشائخ ، ومن تصانيفه كتاب الوصية لاصحابه فى مرض الموت وقد شرحتُ الفقه الاكبر وفى ضمنه وصاياه.

اگر تو یہ کہے کہ امام ابوحنیفہ کی تصنیف کردہ کوئی کتاب نہیں؟

تو میں جواب میں کہوں گا یہ کلام تو معتزلہ کا ہے، اور ان کا یہ دعویٰ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی تصنیف شدہ کوئی کتاب نہیں ہے اور ان کی اس بات سے غرض یہ ہوتی ہے وہ امام اعظم کی کتاب فقہ اکبر اور العالم والمتعلم کی امام صاحب کی تصنیف ہونے سے نفی کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ان کتب میں اہل السنّت والجماعت کے اکثر اصول وقواعد کو مرتب کیا گیا ہے جبکہ معتزلہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ معتزلہ تھے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف ہے۔ اور یہ بات بالکل غلط ہے

کیونکہ میں نے شمس الملۃ والدین علامہ برانقی عمادی (صاحب ہدایہ کے شاگرد ہیں، سن وفات ۵۵۹ ہے۔ ایک معتبر فقیہ اور محدث تھے) کے ہاتھ سے ان دونوں کتابوں پر لکھا ہوا دیکھا تھا کہ یہ دونوں کتابیں ابوحنیفہ کی ہیں اور مشائخ کا اسی بات پر زمانوں سے اتفاق چلا آتا ہے۔ اور امام صاحب کی تصانیف میں سے کتاب الوصیۃ بھی ہے جو آپ نے مرض الوفات میں تحریر فرمائی تھی اور میں نے جو فقہ اکبر کی شرح لکھی ہے اس کے ضمن میں امام صاحب کی وصایا کی شرح بھی لکھ دی ہے۔

امام ابوالیسر محمد بزدوی اپنی کتاب اصول الدین میں فرماتے ہیں:

وقد صنّف (الامام) فيها (علم الكلام) كتبا وقع بعضها الينا ، وعامتها محها وغسلها اهل البدع والزيغ ومما وقع الينا كتاب العالم والمتعلم ؛ وكتاب الفقه الاكبر

آپ نے علم کلام میں بہت ساری کتب بھی تصنیف فرمائی تھیں جن میں سے بعض تو ہمارے ہاتھ لگ گئی ہیں، اور ان میں سے اکثر اہل بدعت اور گمراہ لوگوں نے پانی میں دھو دیں یا مٹا دیں تھی اور ان کی تصانیف میں سے جو کتابیں ہمارے ہاتھ لگی ہیں ان میں سے

العالم والمتعلم اور فقہ اکبر ہیں۔

مفتی عبید اللہ فرماتے ہیں:

حکی بعض الثقات اهل العلم صاحب التصانیف عن الامام الرزنجانی الحنفی انه قال فی شرح البزدوی:

ان الامام ابا حنیفۃ رحمه الله علیه صنف ۱ : کتاب العالم والمتعلم ۲ : کتاب الرساله وهو کتاب بعثه الی عثمان من اصحابه ۳ : وکتاب الفقه الاکبر ۴: وکتاب المقصود فی (علم) الصرف ؛ ویزید علی ذلک ، ۵ : کتاب الوصایاء.....فی العقائد ۶ : والوصیة له لامام ابی یوسفؒ التی نقلها صاحب الاشباه والنظائر تماماً ؛

بعض ثقہ اہل علم صاحب تصانیف لوگوں نے امام زرنجانی حنفی سے نقل کیا ہے کہ وہ شرح بزدوی میں فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے جو کتابیں تصنیف فرمائی تھیں ان میں کتاب العالم والمتعلم ، کتاب الرسالہ جو آپ نے عثمان بتی کے نام ارسال کیا تھا، اور کتاب فقہ اکبر اور علم الصرف میں کتاب المقصود ، اور بعض اہل علم نے اس کے علاوہ کتاب الوصایاء.... علم عقائد میں ، اور وصیت بنام امام ابو یوسف جس کو صاحب الاشباہ والنظائر نے پورا نقل کرلیا ہے۔

۱۴-امام اعظم کی تالیفات:

امام صاحب کی مختلف علوم میں متعدد تصانیف ہیں جن میں کچھ مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ ہیں ؛ جیسا کہ معجم المصنفین میں ہے : کہ جان لو کہ امام صاحب کی تصانیف علم کلام میں ہیں ، اور فقہ، حدیث ،صرف ، وغیرہ میں بے شمار ہیں ؛ جسکا اجمالی خاکہ مندرجۂ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے

۱-کتاب الأ ثار: یہ کتاب امام محمد بن حسن شیبانی کی کتاب الاثار کے علاوہ ہے۔

۲-الفقہ الاکبر: یہ کتاب امام حماد بن امام اعظم ابوحنیفہ کی روایت سے منقول ہے آج کل ایک طبقۂ علماء ایسا ہے جو اس کے امام صاحب کی تصنیف ہونے سے انکاری ہیں؛

یہ کتاب مطبوع و معروف ہے اس کے متعدد نسخے ہیں جن میں عبارات کے لحاظ سے بہت معمولی سا فرق ہے اور ان میں سے زیادہ بڑا مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کا مسئلہ ہے جس کو ہم نے حاشیہ میں واضح کر دیا ہے۔

اور اس کی بے شمار شروحات ہیں جن میں بعض بڑے بڑے ائمہ کرام نے لکھی ہیں ؛اس وقت نہ تو اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت اور نہ ہی اس کے امام صاحب کی تصنیف کے اثبات کے بارے میں اس موقعہ پر بحث کی ضرورت ہے۔

اس مسئلے میں ائمہ کرام کی اراء کا حکم اجماع کا درجہ رکھتا ہے۔

۳- الفقہ الاکبر یا الفقہ الابسط : یہ رسالہ امام ابومطیع بلخی کی روایت سے منقول ہے (اور اصل میں یہ کتاب 'الفقہ الابسط' ہے اور اس رسالہ کی حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک مکالمہ ہے جو امام صاحب اور آپکے تلمیذ ابومطیع حکم بن عبداللہ بلخی کے درمیان ہوا تھا؛ اور اس زمانے کے طریق تعلیم میں سے ایک طریقۂ تعلیم تھا؛ جس کو بعد میں مدون شکل میں پیش کر دیا گیا تھا۔

۴- کتاب الرد علی القدریہ : یہ رسالہ تاحال غیر مطبوعہ شکل میں ہے؛ اور بعض ائمہ کا اس کے بارے میں کہنا یہ ہے کہ یہ الفقہ الابسط کا ہی دوسرا نام ہے۔

۵- العالم و المتعلم : اس کتاب کے راوی اور بطور متعلم پیش ہونے والی شخصیت کا نام ابومقاتل حفص بن سلیمان سمرقندی ہیں۔

۶- کتاب الوصیۃ: یہ عام مسلمانوں کے لئے آپ نے اپنے آخر وقت میں تحریر فرمایا تھا۔

۷- الوصیۃ : یہ آپ نے امام ابو یوسف المتوفی:۱۸۲ کے نام تحریر فرمایا تھا مشہور اور مطبوع اور متداول ہے۔

۸- الوصیۃ : یہ رسالہ امام صاحب نے اپنے شاگرد امام یوسف بن خالد سمتی متوفی:۱۸۹؛ کے نام تحریر فرمایا تھا مطبوع

۹– الوَصِيَة : جوآپ نے اپنے تمام بڑے احباب کے نام تحریر فرمائی تھی

۱۰– الوصية

۱۱– الرسالة: الی نوح بن مریم الجامع

۱۲– الرسالة : یہ رسالہ امام صاحب نے اپنے شاگرد عثمان بتی کے نام تحریر فرمایا اور اس میں مسئلہ الارجاء کی تحقیق فرمائی، اور جو امام صاحب پر الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ مرجیہ تھے اور آپ نے بذات خود اس بات کی وضاحت فرمائی ہے۔

۱۳– کتاب فی اختلاف الصحابة

۱۴– کتاب الجامع

۱۵– کتاب المخارج فی المیراث

۱۶– کتاب الفرائض : امام خوارزمی کے بقول علم الفرائض میں یہ سب سے پہلی کتاب تھی جو آپ نے تصنیف فرمائی تھی۔

۱۷– کتاب الشروط : اس سے پہلے کوئی کتاب اس موضوع پر نہیں لکھی گئی تھی

۱۸– کتاب الصلاۃ : اس کتاب کا نام کتاب العروس بھی ہے۔

۱۹– کتاب الرأی : یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو اصول فقہ میں لکھی گئی تھی، اس کا نام کتاب الرائے تھا اسی وجہ سے احناف 'اہل الرائے' بھی کہتے ہیں

۲۰– کتاب الرهن

۲۱– کتاب الرد علی الا وزاعی

۲۲– کتاب الحج : (او کتاب المناسک) یہ کتاب آپ نے امام سفیان ثوری کے التماس پر ان کے لئے لکھی تھی۔

۲۳– کتاب : فی ان الله فی السمآء دون الارض

۲۴– احکام من المکاتب

۲۵– المقصود : یہ کتاب علم الصرف میں سب سے پہلی تصنیف ہے اور اس کی متعدد

شروحات ہیں، یہ کتاب ترکی اور پاکستان اور مصر وایران سے طبع ہو چکی ہے۔

۲۶- کتاب الاوسط

امام صاحب احادیث مبارکہ کے متعدد نسخوں کے مصنف تھے جن کی تفصیل مندرجہ ذیل میں ہے:

اور اسی بناء پر شیخ ابوزہرہ مصری کا کہنا ہے کہ:

اس بات پر کوئی انکار کی گنجائش نہیں کہ امام صاحب سے احادیث کے کئی نسخے منقول ہیں جو آپ کی مسانید ہیں:

(۱)مسند کلاعی : مؤلفه احمد بن محمد بن خالد بن خلی وهبی ، ابو بکر کلاعی

(۲)مسند اصفهانی :مؤلفه امام حافظ احمد بن عبد الله بن احمد ابو نعیم اصفهانی متوفی ۴۳۰ھ

(۳)مسندلؤلوی :مؤلفه امام حافظ حسن بن زیاد ابوعلی لؤلوی کوفی متوفی ۲۰۴ھ

(۴)مسند نعمانی :مؤلفه امام ،حافظ ،ثقة،زاهد، حماد بن ابی حنیفه نعمان بن ثابت متوفی ۱۷۰ھ

(۵)مسند بخاری :مؤلفه امام ،حافظ ،عبد الله بن محمد بن یعقوب بن حارثی-ابومحمد بخاری، معروف عبد الله الاستاذ، متوفی: ۳۴۰ھ

(۶)مسند جرجانی :مؤلفه امام ،حافظ ،صاحب جرح وتعدیل ،عبد الله بن عدی ابو احمد جرجانی

(۷)جامع سغدی :مؤلفه امام ،حافظ، عبد الله بن محمد بن ابی عوام ، ابوقاسم سغدی متوفی ۳۴۰ھ

(۸)مسنداشنانی :مؤلفه امام ،حافظ، عمر بن حسن اشنانی

(۹)مسندمظفر :مؤلفه امام،حافظ ،محمد بن مظفر بن موسى بن عيسى بن محمد ابو الخير متوفى ۳۷۹ھ

(۱۰) مسندباقى :مؤلفه امام،ثقة،عدل ،محمد بن عبد الباقى بن محمد ابن كعب بن مالك الانصارىؓ ؛مؤلفه ابوبكر المعروف قاضى مارستان؛متوفى ۵۳۵ھ

(۱۱) مسندبلخى :مؤلفه امام ،حافظ، محمد بن حسين بن محمد الخسر؛و ابو عبد الله سمسار حنفى بلخى متوفى ۵۷۶ھ

(۱۲) الجامع ؛مؤلفه امام الحافظ محمد بن الحسين ابو عبد الله

(۱۳) مسند شيبانى :مؤلفه محمد بن الحسن شيبانى ؛متوفى ۱۸۹ھ

(۱۴) كتاب الآثار: مؤلفه امام ،حافظ ،فقيه ،محمد بن الحسن شيبانى متوفى ۱۸۹ھ

اور امام محمد کی معروف علم فقہ کی تصانیف میں سے :مبسوط ؛زیادات ؛زیادات الزیادات؛ جامع صغیر؛ جامع کبیر؛ سیر صغیر؛ سیر کبیر؛

اور یہ چھ کتب ہیں جو فقہ حنفی کے اصول اور امہات میں شمار ہوتی ہیں؛ اور چار کتابیں :رقیات؛ جرجانیات؛ ہارونیات؛ کیسانیات؛ فقہ حنفی کی فروعات میں سے ہیں

(۱۵) مسند يعقوبى : مؤلفه امام ،حافظ ،قاضى ،يعقوب بن ابراهيم ابو يوسف انصارى متوفى ۱۸۳ھ

(۱۶) مسند مقرى : مؤلفه حافظ ابو بكربن مقرى

(۱۷) مسند بكرى : مؤلفه حافظ ابوعلى البكرى (اور یہ آپ کی سب سے آخری مسند ہے۔

۱۶-امام اعظم کی وفات:

امام صاحب کی وفات کے بارے میں ائمہ تاریخ نے چار مختلف روایات نقل کی ہیں

ان میں سے پہلی روایت یہ ہے کہ امام صاحب قید میں بند تھے اور اسی قید کی تنگی کی وجہ سے جان جان آفریں کے سپرد کی اور دنیا کے باسیوں کو بے بس چھوڑ گئے۔

دوم روایت یہ ہے کہ منصور نے امام صاحب کو قید سے آزاد کر کے اپنے پاس محل میں قیام پر مجبور کر دیا اور کسی بھی شخص سے ملاقات پر پابندی عائد کر دی تھی اور اس طرح امام صاحب قید نما آزادی میں انتقال کر گئے۔

سوم روایت یہ ہے کہ منصور نے چاہا کہ آپ سے جلدی جان چھڑائے تو آپ کو دوران قید زہر پلا دیا اسی سے آپ کی وفات ہوئی؛ یہ رائے مؤرخین کے ہاں زیادہ مشہور اور اکثر لوگوں کا خیال بھی اسی رائے کی طرف ہے۔

چہارم روایت یہ ہے کہ امام صاحب کا منصور سے اختلاف ہوا تھا جس پر بعد میں مصالحت ہوگئی تھی اور امام صاحب اپنی باعزت طبعی موت اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

اس پر سب سے مضبوط دلیل یہ ہے کہ امام صاحب کی وفات کے بعد آپ شرف واحترام کے ساتھ منصور کی بیٹی کے نام پر موسوم خلیفہ کا ذاتی قبرستان خیزران میں دفن کئے گئے؛ اور میرا گمان غالب یہ ہے کہ یہ رائے درست ہے کیونکہ امام صاحب نے علم عقائد پر مشتمل ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا تھا جو امام صاحب نے اپنی مرض وفات میں تحریر فرمایا تھا اور اس وصیت نامے کی ابتدا میں اس بات کی وضاحت موجود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

امام صاحب پندرہ شعبان کی شب ۱۵۰ھ میں اس دار فانی راہیٔ ملک عدم ہوئے اور بغداد کے معروف 'خیزران' نامی قبرستان میں دفن کئے گئے؛ اور وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک ۷۰ یا بعض روایات کے مطابق نوے برس تھی؛ اور آپ کی قبر مبارک آج بھی بغداد کے محلہ اعظمیہ میں مرجع خاص و عام ہے۔

باب دوم:

شیخ الفقہاء، ابو اسماعیل بن الامام ابو حنیفہ، امام حماد رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مختصر حالات زندگی

امام حماد کا نام ونسب:

آپ کا اسم گرامی 'حماد' والد کا نام 'ابو حنیفہ نعمان' دادا کا نام 'ثابت' تھا، اور آپ کی کنیت ابو اسماعیل تھی۔ اور آپ کی ولادت کے بارے میں وثوق سے کچھ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، آپ کے خاندان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ بن تیم اللہ بن ثعلبہ کے موالی میں سے تھے ،لیکن آپ کے بیٹے امام اسماعیل کا کہنا ہے کہ ہمارے خاندان میں کبھی غلامی داخل نہیں ہوئی ہے۔

آپ کا حصول علم:

آپ نے زیادہ تر علم اپنے والد مکرم حضرت امام ابو حنیفہ سے حاصل کیا اور انہی سے تفقہ فی الدین کی منازل طے فرمائیں اور ان کی حیات میں ہی مسند افتاء پر بیٹھ گئے تھے۔

آپ کی تعلیم وتربیت:

آپ فقہاء کی صفوں میں امام اعظم کے بڑے تلامذہ امام ابو یوسف و امام محمد بن حسن شیبانی اور امام زفر اور حسن بن زیاد کے طبقے میں شمار کئے جاتے تھے۔

اور آپ بڑے اعلیٰ درجے کے زاہد و عابد تھے، اور آپ کا شمار اپنے وقت کے معروف

اہل زہد میں ہوتا تھا، اسی لئے آپ کی جلالت شان پر تبصرہ کرتے ہوئے امام کردری فرماتے ہیں:

ان الغالب علی حماد ، الدین والورع والفقه وکتابة الحدیث
المناقب: ۲۱۲ ج ۲

کہ امام حماد پر علم دین، وتقوی، علم فقہ کے ساتھ ساتھ کتابت حدیث کے شوق کا اچھا خاصا غلبہ تھا۔

اور اسی بات کو مؤرخ کبیر علامہ صمیری رحمہ اللہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

وکان الغالب علیه الدین والورع والزهد مع علم بالفقه وکتابة الحدیث (اخبار ابی حنیفۃ ۱۵۱)

کہ امام حماد کے مزاج میں علم دین، وتقوی وپرہیز گاری اور علم فقہ کے حصول کے ساتھ ساتھ کتابت حدیث کے شوق کا بہت زیادہ غلبہ تھا۔

واضح ہو کہ اس زمانے میں علم دین سے مراد علم توحید یا اصول الدین یا علم عقائد مراد لئے جاتے تھے یہ تینوں ایک ہی علم کے نام ہیں جو مختلف زمانوں میں مختلف استعمال ہوتے رہے ہیں۔

آپ کی اولاد وامجاد:

امام حماد کے اولاد میں کل چار بیٹے تھے جن میں سب سے بڑے امام اسماعیل تھے اور آپ کی وجہ سے ہی امام حماد اپنی کنیت ابو اسماعیل کرتے تھے، اور باقی بیٹوں کے اسمائے گرامی امام ابوحیان، امام عمر اور امام عثمان تھے اور یہ سبھی بیٹے اپنے وقت کے علمائے اعلام میں شمار کئے جاتے تھے اور سبھی سے اللہ تعالیٰ نے علم دین کی اشاعت اور اپنے والد کے فیوضات کو عام کرنے والے باخلف جانشین ثابت ہوئے تھے اور اللہ تعالے نے ان سب سے دین کی اشاعت کا خوب کام لیا تھا۔

آپ کی تعلّم واشاعت دین کی کوششیں:

امام حماد کے معروف تلامذہ میں آپ کا حقیقی بیٹا اسماعیل بھی شامل ہے علاوہ ازیں کثیر جماعت علماء نے آپ سے حصول علم کے ساتھ کسب فیض فرمایا تھا۔

امام حماد کی عملی زندگی بھرپور انداز کی تھی اس لئے کوئی بد مذہب آپ کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا اور اگر ایک بار کوئی شخص اس قسم کی جرأت کا مظاہرہ کرلیتا تو آپ اس کی خوب اور بروقت خبر لیا کرتے تھے، آپ کی عملی زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے بشر بن ولید فرماتے ہیں:

کان حماد شدیداً علی اهل الهواء ، یکسر علیهم اقاویلهم ، ویحتج علیهم بحجج ، لم یکن تیسر ذلک لحذاق المتکلمین

(مناقب کردری: ۲۱۲ ج ۲)

امام حماد اہل ہواء کی مخالفت اور ان کی خبر لینے میں بڑے مستعد تھے اور ان کی طرف سے کئے جانے والے مشکل سے مشکل اعتراضات کا چٹکیوں میں جواب دے دیا کرتے تھے ،اور ان کی مخالفت میں ایسے دلائل قائم کیا کرتے تھے جو علم کلام کے بڑے سے بڑے ماہرین کے لئے بھی ان سوالات کا جواب دینا آسان نہ ہوتا تھا۔

آپ کی عملی زندگی:

امام حماد اپنے والد مکرم کی وفات کے بعد عملی زندگی میں اپنے علوم فقہ کی مہارت کی بناء پر مسند قضاء پر فائز کردئے گئے تھے لہذا دوران قضاء آپ اپنی فقاہت کے خوب جوہر جگاتے رہے تھے اور یوں اس میدان میں آپ کی دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی ہوتی چلی گئی۔

اسی لئے محمد بن مروان خفاف فرماتے ہیں:

استقضی حماد علی الکوفة بعد قاسم بن معن ، ثم علی بغداد کلّها ، ثم علی البصرة ، فلم یزل علی ذلک حتّی أصابه الفالج ، فاستأذن فی الانصراف فأذن له .

امام حماد کو امام قاسم بن معن کی وفات کے بعد پہلے تو کوفہ کا قاضی مقرر کیا گیا اور اس کے بعد آپ کو سارے بغداد کا قاضی مقرر کر دیا گیا، اس کے بعد بصرہ کا قاضی بھی انکو مقرر کر دیا گیا، اور آپ اسی منصب پر فائز ہو کر عدل و انصاف کے فیصلے فرماتے رہے، یہاں تک کہ آپ پر فالج کا حملہ ہوا، جس کی بناء پر آپ نے مسند قضائت سے معذرت چاہی جو قبول کر لی گئی، اور یوں آپ نے ریٹائرڈ ہونے کا فیصلہ فرمالیا۔

امام حماد اور ائمہ جرح و تعدیل:

آئمہ حدیث کے ہاں علمائے احناف کے خلاف شروع سے ایک خاص قسم کا عناد پایا جاتا تھا جس کی وجہ سے تمام ائمہ رجال کی کتب میں امام اعظم سمیت بڑے بڑے ائمہ اعلام پر لایعنی اور مبہم قسم کی جرح وقدح کو بھی روا رکھا گیا ہے، اسی طرح علم حدیث کی معروف کتب میں احناف کے ائمہ حدیث سے روایت نقل کرنے میں جس کنجوسی کا مظاہرہ کیا گیا ہے شائد ہی تاریخ کے صفحات میں اس طرح کا ماحول کسی اور اہل علم کے طبقہ کے لئے پیدا کیا گیا ہو۔

میری ان باتوں سے ہوسکتا ہے بعض اہل علم کو ناگواری محسوس ہو کہ میں بڑے اعلیٰ درجے کے لوگوں پر تنقید کر رہا ہوں، لیکن واللہ العظیم ان باتوں سے کسی شخص پر تنقید یا تنقیص مقصود نہیں بلکہ حقیقت حال سے نقاب کشائی مطلوب ہے، اس سلسلے میں سب سے بڑی ناانصافی یہ ہے کہ طبقہ احناف کے سرخیل امام اعظم بذات خود اس قسم کی جرح وقدح سے محفوظ نہ رہ سکے کجا یہ کہ امام اعظم کے صاحبزادے امام حماد اس سے بچ جاتے؟

ذیل میں پیش کئے جانے والے پیراگراف میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ امام ابن ابی حاتم نے کہنے کو تو انصاف کا خون کرنے کی غرض سے امام حماد کو اپنی کتاب 'جرح تعدیل' میں نقل کرنا اپنی مہارت علمی کا ایک حصہ سمجھا، لیکن بعد میں ان پر جرح کرنے کے لئے کوئی ایک لفظ بھی میسر نہیں آسکا؟ بھلا کوئی پوچھے کہ حضرت آپ کو اتنی دور کی کوڑی لانے کی ضرورت ہی کیا پڑی تھی؟

عجیب بالائے عجب یہ کہ امام اعظم جیسے نابغۂ روزگار ہستی کے صاحبزادے اور امام وقت امام حماد کی توثیق کے لئے بھی ابن ابی حاتم وغیرہم کی سند چاہئے؟ کس قدر تعجب ہے؟ اور اسی جرح وقدح کے باب میں شیخ عبدالرحمٰن الخمیس اپنے پی ایچ ڈی کے مقالے میں امام حماد پر جرح وقدح نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هو حماد بن ابی حنیفة النعمان بن ثابت الکوفی ، قال عنه ابن خلکان: (انّه کان علی مذهب ابیه ، وانّه کان صالحاً خیراً) وذکره ابن ابی حاتم ، فی الجرح والتعدیل ، ولم یذکر فیه جرحا ، وذکر ابن عدی فی الکامل ، فقال عنه: (لا اعلم له روایة مستویة) وقال عنه الذهبی فی المیزان : (ضعفه ابن عدی وغیره من قبل حفظه) (اصول الدین:١١٨)

امام حماد بن ابوحنیفہ کوفی وہ شخصیت جن کے بارے میں ابن خلکان نے کہا ہے: وہ اپنے والد ابوحنیفہ کے مذہب پر کاربند تھے، اور آپ بہت صالح مزاج اور لوگوں کے بہت خیر خواہ تھے، ابن ابی حاتم نے جرح وتعدیل میں آپ کا تذکرہ کیا ہے لیکن آپ کے بارے میں کوئی جرح نقل نہیں کی۔ اور ابن عدی نے الکامل میں آپ کے بارے میں کہا ہے کہ میں نے آپ کے لئے کوئی ایسی روایت نہیں دیکھی جس سے آپ کی بلندئ شان ثابت ہوسکتی ہو، اور علامہ ذہبی نے میزان میں آپ کے بارے میں فرمایا کہ آپ کو از روئے نقل روایت کے ابن عدی نے حافظے کے لحاظ سے ضعیف کہا ہے۔

مولانا احمد رضا بجنوری نے انوار الباری میں ائمہ حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے امام حماد کا تعارف مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش کیا ہے کہ امام حماد جلالت شان کا یہ عالم تھا کہ آپ:

''محدث فقیہ اور بڑے زاہد وعابد تھے، حدیث وفقہ میں آپ کے بڑے استاذ خود امام اعظم تھے، اور امام صاحب کی زندگی ہی میں بوجہ کمال مہارت، فتویٰ دینا شرع کردیا تھا، امام ابویوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد وغیرہ کے طبقے میں تھے، اور تدوین فقہ میں

شریک رہے، امام صاحب کی وفات پر ان کی ساری امانتیں (جن میں ان لوگوں کی بھی تھیں جو مفقود تھے) قاضی شہر کے سپرد کردیں، قاضی صاحب نے بہت اصرار کیا کہ آپ بڑے امین ہیں، خود اپنے پاس رہنے دیں، مگر آپ نے اس بار کو پسند نہ کیا، آپ سے آپ کے بیٹے اسماعیل نے بھی حدیث وفقہ حاصل کی، اور وہ بھی بڑے عالم ہوئے، حضرت قاسم بن معن کے بعد آپ کوفہ کے قاضی ہوئے (حدائق) پھر سارے بغداد کے، پھر بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے، مرض فالج سے معذور ہوکر استعفیٰ دیدیا تھا،

علامہ صمیری نے ذکر کیا ہے کہ امام حماد پر دین، فقہ اور ورع غالب تھا، اور اکثر مشغلہ کتابت حدیث تھا، حسن بن قحطبہ نے امام اعظم کے پاس ایک ہزار روپیہ امانت رکھے، کسی نے امام صاحب سے کہا کہ آپ امانتیں کیوں رکھتے ہیں؟ ان کو رکھنا خطرے سے خالی نہیں، فرمایا: جس کا بیٹا حماد جیسا ہو اس کو امانت رکھنے میں کوئی حرج نہیں، امام صاحب کی وفات کے بعد حسن آئے، اور امانت طلب کی، حماد نے خزانہ کی کوٹھری کھول کر علامت سے متعین کر کے کہا، اپنی امانت اٹھالو، حسن نے کہا: آپ اب اپنے پاس رہنے دیں، حماد نے انکار کیا، وہ کہنے لگے کہ آپ کے والد تو امانتیں قبول کر لیتے تھے آپ کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا: کہ ابا جان کو اپنے بیٹے پر اعتماد تھا، مجھے اپنے بیٹے پر نہیں ہے۔

شریک بن الولید کا بیان ہے: کہ حماد اہل ہواء و بدعت کے مقابلہ میں بہت متشدد تھے، ان کے دلائل توڑتے اور حق کی حمایت میں ایسے پختہ دلائل قائم کرتے تھے جو بڑے بڑے حاذق اہل کلام کو بھی نہ سوجھتے تھے۔ (تذکرہ محدثین: ۱۷۱ جلد اول)

امام حماد پر الزام بازی:

علم فقہ و علم عقائد میں آپ اپنے والد مکرم حضرت امام اعظم کے طریقے پر چلتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ جو الزامات حضرت امام اعظم کے سر تھوپے گئے تھے وہ سارے کے سارے من وعن امام حماد کے سر بھی تھوپ دئے گئے اور اہل تحقیق میں سے کسی نے اتنی زحمت گوارہ نہیں فرمائی کہ کچھ جستجوئے حق کی خاطر معلوم کرلیں کہ جس شخصیت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد اہل اسلام میں سب سے زیادہ اتباع کی جارہی ہے، اس کے بارے میں جو باتیں عام لوگوں میں مشہور ہوگئی ہیں ان کو نقل کر کے صداقت کا خون کرنے کی بجائے ان کی اصل حقیقت ہی معلوم کر لی جائے لیکن بعض غیر ذمہ دار علماء نے ان باتوں کو ثواب سمجھ کر اس طرح نقل کرنا ضروری سمجھا جیسے اس قسم کی باتیں لوگوں میں پھیلانے اور آگے سے آگے بیان کرنے میں ان کے لئے کوئی خاص جنت کی خوش خبری دی گئی ہے، امام حماد پر عموماً دو الزام لگائے گئے ہیں:

پہلا یہ کہ آپ کا تعلق فرقۂ مرجیہ سے تھا؟

دوسرا یہ کہ آپ مسئلہ خلق قرآن کے قائل تھے؟

پہلے الزام کی حقیقت یہ ہے کہ جس طرح امام اعظم پر الزام لگایا گیا ابو مطیع بلخی پر الزام لگایا گیا اسی طرح ان پر بھی لگایا گیا ورنہ مسئلہ ارجاء کے بارے میں ان کی رائے امام اعظم سے مختلف نہیں تھی، اور اس کی اصل حقیقت جاننے کے لئے امام اعظم کا وہ خط جو انہوں نے عثمان بتی کے نام تحریر فرمایا ہے اور اس میں مسئلہ ارجاء کی حقیقت اور آپ پر الزام لگائے جانے اور اس کے جواب میں اچھی طرح واضح کیا ہے۔

اور رہا مسئلہ خلق قرآن کا اس مسئلے کے بارے میں بھی آپ کا مؤقف بڑا واضح تھا۔ آپ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کے لحاظ سے مخلوق نہیں مانتے تھے البتہ وہ مواد جن کے ساتھ قرآن کی مادی شکل بنتی تھی مثلاً کاغذ، سیاہی، جلد، چھپائی وغیرہ اس کو مخلوق مانتے تھے اور یہ بات مبنی بر حقیقت ہے، اس لئے کہ جو چیز قدیم ذات سے وابستہ ہے وہ قدیم ہے کسی صورت میں مخلوق نہیں ہوسکتی اور جو چیز حادث اشیاء پر مبنی ہو وہ حادث اور مخلوق ہے بس کاغذ سیاہی وغیرہ قسم اشیاء کی ایک وقت تھا کہ کوئی حقیقت نہ تھی بلکہ معدوم تھیں اور بعد میں انکو پیدا کیا گیا اور عنقریب ایک وقت آئے گا جب وہ دوبارہ عدم کے پردے میں معدوم اور ختم ہو جائیں گی۔

امام حماد کی تصانیف:

امام حماد نے امام اعظم سے متعدد کتب روایت کی ہیں اور متعدد کتب کے مصنف آپ بذات خود تھے:

(۱) پہلی کتاب جو امام اعظم سے آپ نے روایت کی ہے وہ مسند امام ابوحنیفہ ہے جو ابھی تک مطبوع نہیں بلکہ مخطوط شکل میں ہے اور دنیا کی مختلف لائبریوں میں محفوظ ہے اور ترکی میں محفوظ ایک قلمی نسخے کا فوٹو کاپی شدہ نسخہ بندہ کے پاس بھی محفوظ ہے

(۲) امام اعظم کی اہم ترین کتاب فقہ اکبر ہے جس کی روایت امام حماد نے اپنے والد امام اعظم سے روایت فرمائی ہے۔

یہ وہی فقہ اکبر ہے جس کو امام اعظم سے امام حماد نے روایت کیا ہے اور ملاعلی قاری کی شرح والے نسخے کے نام سے معروف ہے: اور

(۱) سب سے معروف شرح ملاعلی قاری نے لکھی ہے جو معروف ومتداول ہے، اس میں علامہ کا مزاج یہ ہے کہ عقائد کے مسائل میں دلائل منقولیہ کے ساتھ ساتھ بعض جگہ مسائل عقلیہ کو بھی مسائل بیان کرنے میں استعمال کیا گیا ہے۔

(۲) ایک شرح علامہ ابوالمنتہی نے لکھی ہے جس کی عبارت مختصر اور مسائل متفق علیہ اور ماتریدی منہج کے ترجمان ہے، اور یہ ایک انتہائی مفید شرح ہے جو علماء کے کے طبقہ میں اور خاص طور سے علمائے احناف کے ہاں دوسرے درجے کی مقبولیت کی حامل ہے اور اس کا انگریزی زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

(۳) ایک شرح بنام "القول الفصل شرح فقہ اکبر" محی الدین محمد بن بہاء الدین ہے اس کی زبان فلسفیانہ اور مسائل دقیق اور مشکل ہیں بحمداللہ ترکی سے ۱۹۸۵ء سے پہلے کی طبع ہو رہی ہے۔

(۴) ایک شرح نور الظلم کے نام سے افغانستان کے علاقے میں مطبوع اور معروف ہے انتہائی مختصر اور جامع شرح ہے جو بچوں کو زبانی یاد کروانے کا عام رواج ہے۔

(۵) ایک شرح دکتور محمد عبدالرحمٰن الخمیس نے لکھی ہے جس میں بعض الفاظ کی بنا پر اس کے متن میں الحاقات کا دعویٰ کیا گیا ہے اور ہم نے اپنی شرح میں اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا ہے اجمالی طور پر ایک مفید شرح ہے وزارت اوقاف سعودیہ نے اس کو طبع کروا کر تقسیم کیا، انتہائی مفید رسالہ ہے مختلف فصلوں میں تقسیم کر کے ہر فصل کے آخر میں سوالات بطور مناقشہ لکھے گئے ہیں۔

(۶) ایک فارسی زبان میں شرح ہے جس کے مصنف کا نام مولانا عبد العلی فرنگی محلی لکھنوی ہے اور اس کو الرحیم اکیڈمی کراچی نے شائع کر دیا ہے، یہ مختصر اور انتہائی مفید شرح ہے۔

(۷) ایک شرح سید امیر علی نے عین الہدایہ کے شروع میں کی ہے وہ انتہائی مفید ہے اس کو اگر اردو میں نئے انداز میں دوبارہ طبع کر دیا جائے تو اس کا فائدہ کئی گنا زیادہ ہو جائے گا۔

(۸) ایک ترجمہ صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ نے کیا ہے جو انتہائی مفید زبان سادہ ہے مطبوعہ ہے اور عام دریافت ہو جاتی ہے۔

(۹) ایک ترجمہ فارسی زبان میں خواجہ فریدالدین گنج شکر نے پاک پتن میں زیارت کی غرض سے آنے کے دوران وہاں کے سالکین کے التماس پر کیا تھا اور اس کا اردو ترجمہ مکتبہ اخلاص نے شائع کیا ہوا ہے بہت مفید ہے

(۱۰) اس کا ایک انگریزی ترجمہ مولانا محمد بن یحییٰ نینوی کا ہے جو متن کے ساتھ کیا گیا ہے اور بہت مفید ہے

(۱۱) ایک انگریزی ترجمہ جو اس موضوع پر پہلا ترجمہ تھا پروفیسر الگور کا ترجمہ ہے

(۳) دو وصیتیں بھی آپ نے امام اعظم سے روایت کی ہیں

(۱) ایک وصیت تو وہ ہے جو امام صاحب سے امام حماد نے روایت کی ہے اور امام صاحب نے امت کے تمام افراد کے نام فرمائی تھی اور اس میں کل بارہ باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں اس رسالے کے ابتداء میں اسی کے بارے میں امام صاحب کا فرمان ہے کہ جو کوئی شخص

ان بارہ باتوں کو اپنے پیش نظر رکھے گا وہ کبھی اہل بدعت میں سے نہیں ہوسکتا اور وہ شخص قیامت کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ضرور مستحق ہوگا، یہ کتاب علامات اہل السنّت کے نام سے جمعیۃ پبلی کیشنز، لاہور نے شائع کر دے ہے۔

(۲) دوسری جو خاص طور سے امام اعظم نے آپ کو وصیت فرمائی تھی جس میں پانچ احادیث پر عمل کرنے کی تلقین کی تھی جو انہوں نے پانچ لاکھ احادیث میں سے چن کر آپ کے لئے انتخاب فرمائی تھیں، یہ دونوں وصیتیں ہماری کتاب امام اعظم کی وصیتیں میں منقول ہیں۔

آپ کی وفات ۱۷۶ ہجری میں ہوئی..... خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را !

باب سوم:

امام ابو مطیع حکم بن عبد اللہ بلخی کے حالات وافکار

نام ونسب اور ولادت:

آپ کا اسم گرامی: حکم، والد کا نام عبد اللہ، کنیت ابو مطیع، ولادت ۱۱۵ھ، وفات ۱۹۸ھ بمقام بلخ ہوئی، آپ کا مشہور علمی نام ابو مطیع بلخی تھا۔

امام ابو مطیع نے امام صاحب سے الفقہ الابسط روایت کی ہے جو اس کتاب کا اصل نام ہے مگر موضوع کے عام ہونے کی وجہ سے اس کو بھی علماء کے طبقے میں الفقہ الاکبر کہا جانے لگا؛ جبکہ اصل بات یہ ہے کہ امام صاحب سے جب ان کی لکھی ہوئی کتاب الفقہ الاکبر کا ان کی موجودگی میں ابو مطیع بلخی نے مطالعہ کیا تو اس دوران اس کتاب کے مضامین پر پیدا ہونے والے سوالات اور امام اعظم کی طرف سے دئے گئے ان کے جوابات کو یک جا کرلیا گیا تھا، اور اس کو بھی الفقہ الاکبر کہا جانے لگا۔

دلیل اس دعویٰ کی یہ ہے کہ اگر فقہ اکبر کے مضامین کو بنظر غائر دیکھا جائے تو اس میں اجمال ہے؛ اور ابو مطیع اسی اجمال کی تفصیل امام صاحب سے طلب کرتے اور تحریر میں لے آتے ہیں؛ گویا دونوں میں اجمال اور تفصیل کا فرق ہے اسی لئے ہم نے اپنی تصنیف مجموعہ فقہ اکبر اردو میں امام صاحب کی علم کلام پر تمام تصانیف کو جمع کردیا ہے اور نیز آپ کے ہاتھ میں موجود نسخے میں بھی دونوں فقہ اکبر موجود ہیں؛ اور اسی طرح یہ دونوں کتابیں ہماری تألیفات:

(۱): المتون المعتبرۃ، اور (۲): مجموعۃ الفقہ الاکبر عربی میں بھی یک جا کسی بھی بڑے مکتبہ سے مل سکتی ہیں؛ ان میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

آپ کے اساتذہ کرام:

امام صاحب سے فقاہت اور علم حاصل کیا اور ان سے روایت حدیث بھی کی ، امام صاحب کے علاوہ آپ کے اساتذہ میں مالک بن انس ، ابی عون ، ہشام بن حسان ، سفیان ثوری ، ابراہیم بن طہمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

آپ کے معروف تلامذہ:

امام ابو مطیع بلخی کے تلامذہ کی تعداد ویسے تو شمار سے باہر ہے لیکن ان میں سے: احمد بن منیع ، ابو جعفر رازی ، محمد بن مقاتل ، موسیٰ بن نصیر ، نصیر بن یحییٰ وغیرہم خاص طور سے قابل ذکر ہیں اور زمانے نے آپ سے علم فقہ حاصل کیا اور امام عبداللہ بن مبارک آپ کے دین میں کمال اور علم میں رسوخ کی وجہ سے بڑی تعظیم کیا کرتے تھے، اور یہ وہ زمانہ ہے جب دین یا علم دین لفظ بول کر اس سے علم عقائد مراد لی جاتی تھی۔

اور ایک لمبے زمانے تک آپ صوبہ بلخ کے قاضی رہے تھے۔

ابو مطیع بلخی پر تنقید کی نوعیت:

امام ابو مطیع بلخی امام صاحب سے حدیث روایت کرنے والے معروف راویوں میں سے ایک ہیں اور ائمہ جرح وتعدیل نے آپ کے القابات اور آپ کا مقام: حافظ، فقیہ، ثقہ، صالح للحدیث، کے القاب سے بیان کیا ہے؛ اگرچہ بعض لوگوں نے آپ پر 'مرجیہ' ہونے کا الزام بھی لگایا ہے؛ مگران کا ایسا الزام بلا وجہ کے تعصب اور حقیقت سے بہت دور ہے؛ اور اس الزام کی حقیقت صرف اور صرف یہ تھی کہ آپ کا امام اعظم کے ساتھ گہرا اور علمی تعلق ہونا تھا، اور ایسا ہی الزام امام اعظم پر بھی ان کی زندگی میں لگایا جا چکا تھا جیسا کہ ہم مجموعہ عقائد امام اعظم نامی کتاب میں اس بات کی مکمل وضاحت کریں گے اور اسی الزام کی بناء پر چونکہ ابو مطیع ہی نہیں بلکہ جس عالم دین کے امام اعظم کے ساتھ علمی تعلقات تھے ان سب پر صرف

اور صرف ان تعلقات کی وجہ سے الزام لگایا گیا ہے۔

لیکن جن احباب نے امام اعظم کی کتاب فقہ اکبر کے راوی امام ابو مطیع بلخی پر کی ہے ان کی اس جرح کا پہلی بات تو یہ ہے کہ اس جرح کی بناء پر کوئی اعتبار نہیں کہ فقہ اکبر کے امام ابو مطیع کی تصنیف ہونے سے ان کار کر دیا جائے بلکہ مؤرخین نے جو ابو مطیع کے لئے اصطلاح استعمال کی ہے وہ ہے 'صاحب الفقہ الاکبر' اور اس کا متبادر و معروف معنی یہ ہے کہ وہ امام ابو مطیع ہی ہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کتاب ابو مطیع بلخی کی ہی تالیف ہو، اور جن لوگوں نے اس کتاب کے ابو مطیع کی تصنیف ہونے میں شک کا اظہار کیا ہے ان کے دلائل میں کوئی خاص اور قابل اعتماد وزن نہیں ہے،

امام ابو مطیع بلخی پر الزامات کی چارج شیٹ:

قارئین کی سہولت کے لئے تا کہ ان کے ذہنوں میں یہ اشتباہ نہ رہ جائے کہ ابو مطیع پر کس قسم کے الزامات لگائے گئے تھے، اس بات کی وضاحت اس لئے زیادہ ضروری ہو جاتی ہے کہ موجودہ دور جرائم کا دور ہے جس میں ذہنی اور جسمانی جرائم کی بھرمار ہے اور ہر سننے والا یہ سمجھتا ہے کہ شائد ابو مطیع کوئی ہماری طرح کے جرائم پیشہ افراد میں سے تھے ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ آپ پر لگائے گئے تمام الزامات کی حقیقت صرف سنی سنائی اور بدنام کرنے کے لئے حاسدین اور معاندین کی طرف سے پھیلائی گئی باتوں کا مجموعہ ہیں۔ مثلاً

(۱) ابن حبان نے ان کے بارے میں یوں کہا:

كان من رؤساء المرجئة ممن يبغض السنن و منتحليها

یہ مرجیہ کے ایسے سرداروں میں سے تھے جو سنت کو ناپسند کرتے تھے، اور دوسروں کی کہی ہوئی باتوں کو اپنی طرف منسوب کر لیا کرتے تھے

(۲) محدث ابو حاتم نے ان کے بارے میں کہا:

كان مرجئا كذابا

کہ آپ فرقہ مرجیہ سے تعلق رکھنے والے، اور کذاب لوگوں میں سے تھے

(۳) امام بخاری، اور نسائی، اور ابن الجوزی نے ان کے بارے میں کہا:

ضعیف ، صاحب الرأی (لسان المیزان:۳۳۴ ج ۲)

یہ ضعیف تھے اور صاحب رائے تھے

(۴) ابن عدی نے ان کے بارے میں کہا:

هو بیّن الضعف عامة مایرویه ، لایتابع علیه

اس کا ضعف تو بڑا واضح اور عام تھا، اور وہ جو روایت بیان کیا کرتے تھے اس میں ان کا کوئی تابع بھی نہیں ہوا کرتا تھا۔

(۵) امام ابن معین نے ان کے بارے میں کہا ہے:

"لیس بشیء"

وہ کچھ بھی نہیں ہیں

(٦) امام احمد بن حنبل نے ان کے بارے میں کہا:

"لاینبغی ان یروی عنه شیء"

اس سے کوئی شے روایت کرنا مناسب نہیں ہے۔

(۷) ابوداود نے ان کے بارے میں کہا:

ترکوا حدیثه ، و کان جهمیا ،

ان سے حدیث کی روایت متروک ہے کیونکہ وہ جہمیہ میں سے تھے۔

(اصول الدین:۱۲۲، تاریخ بغداد:۲۲۵، لسان المیزان ۳۳۴ ج ۲)

(۸) دارقطنی نے اس کو ضعفاء اور متروکین میں شمار کیا ہے۔ (الضعفاء والمتروکین ص ۷۷)

امام ابو مطیع بلخی پر الزامات کا خلاصہ:

امام ابو مطیع بلخی پر جتنے الزامات بھی دھرے گئے تھے ان کا خلاصہ کلام پیش کر کے پھر ایک ایک الزام کی حقیقت حال قارئین کرام کے سامنے کھولتے ہیں

اس بارے میں ایک بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ میں کوئی ائمہ رجال میں سے

نہیں ہوں اور نہ ہی بہت بڑا نقاد ہوں میری صرف ایک سوچ ہے کہ جس طبقہ آئمہ کی پوری دنیا میں اسّی فیصد سے زیادہ اتباع کی جاتی ہے ان ائمہ پر مجہول قسم کی جرح وقدح نقل در نقل در نقل کر کے اپنے آئندہ زمانے کے طلباء کو ہم کیا سبق دینا چاہتے ہیں اور اس سے جو بھیانک نتائج صادر ہو رہے ہیں یا جو نتائج سامنے آنے والے ہیں ان سے ہم اپنی آنکھیں کیوں بند کر لیتے ہیں اور اسی کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ آج ایک عام سادہ سا مسلمان بھی کسی سوال کے جواب میں قرآن کریم کی آیت کا حوالہ مانگتا ہے اور کسی امام کی بڑی سے بڑی تحقیقات کو وہ کسی کھاتے میں نہیں لاتا، اور اسی وجہ سے آج ہمارے عام تو عام لوگ ہیں اہل علم کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے افکار سے بے زاری اور عدم تقلید کا بازار کے راہی بن کر دینی معاملات میں دور سے دور تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

جو الزامات ابو مطیع پر دھرے گئے ہیں وہ یوں ہیں:

پہلا الزام: یہ مرجیہ ہیں۔

دوسرا الزام: یہ ضعیف ہیں۔

تیسرا الزام: نقل روایت میں ان کا کوئی تابع نہیں ہوتا۔

چوتھا الزام: یہ جہمیہ میں سے ہیں

پانچواں الزام: یہ سنت سے بغض رکھتے تھے

چھٹا الزام: یہ دوسروں کی باتیں اپنی طرف منسوب کر لیا کرتے تھے۔

یہ وہ سارے الزامات ہیں جو ابو مطیع پر لگائے ہیں اگر تفصیلا دیکھا جائے تو ان میں سے ایک الزام بھی ایسا نہیں جس کو ائمہ فن کے ہاں کوئی خاص مقام حاصل ہو لیکن ہم ذیل میں ان الزامات کی تحقیق مختصر الفاظ میں پیش کرتے ہیں

مرجیہ ہونے کے الزام کی حقیقت:

امام ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی پر بہت سارے محدثین نے کڑی تنقید کی ہے جبکہ وہ امام اعظم کی ایک کتاب فقہ اکبر کے راوی ہیں لہٰذا یہ دعویٰ اپنے اندر کوئی خاص وزن نہیں رکھتا کہ

'اکثر محدثین نے ان پر جرح کی ہے' اور پھر محدثین کا بھی مرکزی نقطہ صرف یہ ہے کہ وہ جہمیہ اور مرجیہ کے عقیدہ پر تھے۔

بلاشک وشبہ اکثر محدثین نے ان پر جرح کی ہے اور ان کے اس قسم کے الزامات کی اسمائے رجال کی کتابوں میں اس الزام کی تصریح موجود ہے جس میں ان کی جرح وقدح کا مرکزی نقطہ صرف یہی ہے کہ ابو مطیع کا تعلق جہمیہ اور مرجیہ کے عقیدہ سے تھا۔

مگر سوال یہ ہے:

کہ اس قسم کے الزامات کی نسبت ابو مطیع کی طرف کرنا صحیح بھی ہے یا نہیں؟

اور اگر یہ نسبت صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ وہ کس معنی میں مرجیہ تھے؟

اور کیا ابو مطیع کے اس معنی میں مرجیہ ہونے سے ان کی ثقاہت پر بھی کوئی زد آتی ہے یا نہیں؟

اور کیا خود امام اعظم کو مرجیہ فرقہ میں سے ہونے کا بلاوجہ الزام نہیں دیا گیا؟

اور اس قسم کے الزامات سے اگر امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو مطیع بلخی یا دوسرے ائمہ احناف سے نقل روایت مردود ہوتی ہے، تو کیا صحیحین اور دوسری کتب احادیث میں ایسی بہت سی روایات کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی جن کے راوی صرف مرجیہ ہی نہیں، بلکہ جہمیہ اور شیعہ وغیرہ فرقوں میں سے تھے لہٰذا ان کا ثقہ ہونا، اور ان سے نقل روایت کو جائز سمجھنا کس اصول کے تحت اور کہاں تک درست ہوسکتا ہے؟

اور جن ائمہ حدیث نے ان سے روایات نقل کی ہیں ان کے بارے میں کیا احکامات صادر فرمائے جائیں گے؟ آخر یہ حنفیت کے ساتھ عناد نہیں تو اور کیا ہے؟

اور یہ کہ ابو مطیع بلخی عقیدہ مرجیہ کے علمبردار تھے، لہٰذا امام صاحب سے ایسی اہم کتاب کیوں کر نقل کر سکتے ہیں؟

اور علمائے احناف کا اس قسم کے الزامات کو من وعن نقل در نقل در نقل در نقل کرتے چلے جانا سادگی نہیں تو اور کیا ہوسکتا ہے؟

کیا دنیا میں تحقیق کا کوئی اصول اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ہم کسی شخص پر الزام لگائیں اور اس کی وضاحت ملزم سے طلب ہی نہ کریں؟

جبکہ دوسری طرف حافظ ابن حجرؒ امام ابو مطیعؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

كان بصيرا بالرأى ، علامة كبير الشان ، وكان ابن المبارك يعظّمه ويبجّله لدينه وعلمه (لسان المیزان ص۳۳۴ ج۲)

وہ صاحب بصیرت فقیہ، علامہ اور بڑی شان کے مالک تھے، اور ابن مبارکؒ ان کے دین اور علم کی بدولت ان کی تعظیم وتوقیر کیا کرتے تھے؛ اور علامہ ذہبیؒ ان کو الفقیہ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں: (عبر فی اخبار من غبر)

وہ ''کچھ نہیں ہیں'' کے الزام کی تحقیق:

اس قدر جلالت شان کے حامل فرد جسکا تذکرہ ابھی اوپر ہوا اور بعد میں جس کے بارے میں ائمہ اعلام کی توثیقات مندرج ہو رہی ہیں اس کے بارے میں، یہ کہنا کہ 'وہ کچھ بھی نہیں ہے' آخر اس کلام سے ہم امت میں کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟

حدیث تو محدثین کا شعبہ تھا، لیکن کیا علم فقہ، اور علم کلام، اور علم قضاۃ، وغیرہ میں بھی امام ابو مطیع بلخی کچھ نہیں تھے، ان کا سوائے اس کے کیا قصور ہو سکتا تھا کہ وہ امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد، علم کلام کے ماہر، امام اعظم سے نقل روایت کرنے والے، اور افکار ابو حنیفہ کے امین وماہر تھے۔

اتنی بڑی شان کی حامل شخصیت جن کے بارے میں امام ابن مبارک جیسا عظیم امام ان کے علم اور دین کی بزرگی کی وجہ سے ان کی تعظیم اور ان کی علو شان کے گن گاتا ہو اس کو یہ کہنا کہ 'وہ کچھ بھی نہیں' ہے سوائے سورج کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لینے، اور ہر طرف اندھیرے کی رٹ لگانے کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

سنت کو ناپسند کرنے اور ضعیف ہونے کے الزامات کی تحقیق:

ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ سنت کو ناپسند کیا کرتے تھے کیا تاریخ میں اس کی کوئی

بااعتماد مثال پیش کی جاسکتی ہے، اور آپ کو ضعیف قرار دینے سے آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ان سے اخذ روایت نہ کریں لیکن کیا باقی علوم میں بھی ان کا ضعف لاحق ہو جاتا ہے جبکہ اس وقت ہمارا مدعی یہ ہے کہ وہ امام اعظم سے فقہ اکبر کی روایت کرتے ہیں۔

علامہ عبدالقادر القرشی لکھتے ہیں کہ

راوی کتاب الفقه الاکبر عن ابی حنیفه اه (الجواھر المضیہ ص۲۶۵ج۲)

امام ابو مطیع نے کتاب فقہ اکبر حضرت امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے.

غرضیکہ یہ کتاب ابو مطیع کی نہیں بلکہ امام صاحب ہی کی تالیف ہے، امام ابو مطیع تو صرف اس کتاب کے راوی ہیں.

اس لئے جب ان کی روایت کردہ کتاب پر ائمہ اجلہ اعتماد کرتے ہیں اور اس کی لاتعداد شروحات لکھتے ہیں، تو اس کی کوئی تو اہمیت ہے یا نہیں؟

کیا یہ بات تعصب نہیں ہے! کہ ایک شخص کو ایک فن میں کمزور جان کر اس کو مکمل طور پر بے اہمیت کر دیا جائے، اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ جو شخص ایک علم نہ جانتا ہو وہ جاہل سمجھ لیا جائے یا اس کو کہا جائے کہ 'وہ کچھ بھی نہیں' اس کا مطلب یہ ہے ہر عالم کو تمام علوم کی کامل دسترس لازم قرار دی جائے۔ اور اس اصول کو اگر الٹ دیا جائے تو کیا محدثین بھی اہل علم کے زمرے میں شمار کئے جانے کے قابل رہیں گے جبکہ ان ہی محدثین کے ہاں فقہاء کو یوں کہا جاتا ہے:

انتم الاطباء و نحن الصیادله

اور اسی مناسبت سے امام شعبی کا قول بڑا معروف ہے جس کو محمد علی کاندھلوی نقل کرتے ہیں:

امام شعبی (جنکے بارے میں ان کے تلامذہ ہی نہیں اس وقت کے عام لوگوں میں بھی یہ بات مشہور تھے کہ

"ما كان بالعراق أعلم بالسّنة"

عراق میں ان سے زیادہ علم حدیث کو جاننے والا کوئی نہ تھا)

بذات خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہم تمام علوم کے ماہر نہیں ہیں بلکہ ہمارا میدان تو نقل روایت ہے اور اس میں اخذ مسائل ہمارا کام نہیں ہے۔

لہٰذا آپ فرماتے ہیں:

انا لسنا بالفقهاء ولكنا سمعنا الحديث فروينا الفقهاء

ہم فقہاء میں سے نہیں ہیں ہم تو احادیث سن کر فقہاء کرام کے سامنے پیش کرنے والے ہیں۔(امام اعظم اور علم حدیث:۱۶۹)

یہ وہ زمانہ ہے جب اہل علم مختلف علوم میں مہارت رکھنے والے احباب کو احترام کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے، لیکن بعد میں جب علم اسمائے رجال وغیرہ سامنے آئے اور اس علم کے ماہرین کو علماء میں پذیرائی ملی تو ایک نئی طرح پڑگئی، اور وہ یہ کہ یہ حضرات خود یا ان کی طرف منسوب کرکے بعض احباب کے بارے میں سنی سنائی باتوں کو اس قوت کے ساتھ بیان کیا جاتا کہ وہ دوسرے لوگوں کے سامنے سند کا درجہ حاصل کر لیتے تھے۔

امام ابو مطیع بلخی بھی اسی زد میں آئے ہوئے لوگوں میں سے ہیں اس پر مزید تفصیل بڑی کتب میں معلوم کی جاسکتی ہے

جہمیہ ہونے کے الزام کی حقیقت:

امام ابو مطیع پر جو الزامات لگائے گئے ان میں ایک تو یہ کہ آپ جہمیہ میں سے تھے عبداللہ بن احمد بن حنبل فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے حکم بن عبداللہ ابو مطیع کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب دیا:

لاينبغي ان يروى عنه ؛حكوا عنه انه كان يقول :"الجنّة والنّار خُلقتا وسيُفنيان" (تاریخ بغداد:۲۲۵ج۸)

ان سے روایت نقل کرنا مناسب نہیں کیونکہ ان کے بارے میں یوں کہا جاتا ہے کہ وہ

کہتے تھے ''جنت اور دوزخ دونوں پیدا کئے گئے ہیں اور عنقریب دونوں فنا ہوجائیں گے''**لاحول ولا قوۃ الاباللہ العلی العظیم**

اس الزام کی حقیقت سوائے سنی سنائی باتوں یا الزامات کے اور کچھ بھی نہیں ہے، کاش امام احمد بن حنبل کے پاس ان کی روایت کردہ کتاب فقہ ابسط (فقہ اکبر) پہنچی ہوتی یا انہوں نے امام شافعی کی طرح تھوڑا تردد فرمالیا ہوتا اور یوں انہوں نے امام اعظم کی کتب سے استفادہ کرلیا ہوتا، تو آج ان سے اتنا بڑا مسئلہ نہ بنتا۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے کاملین کی منہ سے نکلی ہوئی بات کو دوام نصیب فرمادیا کرتے ہیں چاہے وہ غلط ہو یا درست؟

اس لئے اہل اللہ کو زبان کھولنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا چاہئے کہ ہماری اس بات کا انجام کیا ہوگا؟

اسی الزام کو دیکھا جائے تو صدیاں بیت جانے کے بعد بھی امام ابومطیع بلخی موردالزام ،وموجب طعن ٹھہرے ہوئے ہیں۔

یہ رائے تو امام احمد بن حنبل کی تھی جو ان کے بیٹے نے ان سے نقل کی ہے اور اگر امام ابو مطیع سے بھی اس مسئلے کے بارے میں جان کاری کرلی جائے تو مفید بھی ہوگا اور اس مسئلے کے تجزیہ کرنے میں بہت آسانی بھی ہوجائے گی۔

امام ابومطیع سے فقہ ابسط المعروف فقہ اکبر میں منقول ہے آپ فرماتے ہیں:

''قلتُ من قال ان الجنّة والنّار ليستا بمخلوقتين !

قال الامام : فقل هما شيء ، او ليستَا بشيء ؟

فان قال شيءٌ . فقل : قال الله تعالىٰ (اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ)

وقال الله تعالىٰ: (اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ) . وقال الله تعالىٰ:

(اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا)

فان قال : انهما تفنيان؟ فقل له : وصف الله تعالىٰ لنعيمهما (لاَ

مَقْطُوْعَةٍ وَلاَ مَمْنُوْعَةٍ)

ومن قال انهما تفنيان بعد دخول اهلها فيها ، كفر بالله تعالىٰ لانّه انكر الخلود فيها " (الفقہ الابسط:۸۰)

میں نے کہا: اگر کوئی شخص کہے کہ جنت اور جہنم مخلوق نہیں ہیں تو اس کو کیا جواب دیا جائے گا؟

امام اعظم نے کہا: اس سے پوچھو کہ کیا وہ شےء کے حکم میں ہیں یا نہیں ہیں؟

اگر جواب ملے کہ وہ شےء کے حکم میں ہیں تو اس سے کہو کہ! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (اللہ تعالیٰ ہر شےء کے خالق ہیں) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (بے شک ہم نے ہر شےء کو ایک اندازے کے مطابق پیدا کیا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (جہنم کی آگ ان کے اوپر ہر صبح اور ہر شام کو پیش کی جاتی ہے) جہنم اور جنت کی موجودگی پر اس آیت سے استدلال کیا جا رہا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اگر جہنم موجود نہیں ہے تو ہر صبح اور ہر شام اہل قبور پر کیا پیش کیا جاتا ہے؟

اور اگر وہ یہ کہے کہ وہ فنا ہو جانے والی ہے۔ تو آپ اس کو جواب دیں: اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا تعارف ان الفاظ کے ساتھ کروایا ہے (وہ نہ تو ختم ہونگی اور نہ ہی رکیں گی)۔

اور جو شخص یہ کہے کہ جنت اور جہنم میں جنہوں نے داخل ہونا ہے ان کے داخلے کے بعد وہ فنا ہو جائیں گی تو ایسا شخص کافر ہے کیونکہ اس نے جنتی یا جہنمی لوگوں کے اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہونے کا انکار کر دیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے 'خالدین' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اور اس کے بعد حضرت امام اعظم نے ایک نصیحت فرمائی اور کہا:

"قال لی ابو حنيفة ان اتكلم مع الخصم حتى يهدى وليس لى ان اتكلم حتى يخرس لان الاخراس معجزة والمعجزة للانبياء لا لغيرهم ، فاذا الجنة والنار موجودتان عندنا "

مجھے امام ابوحنیفہ نے کہا کہ مخالف کے ساتھ ایسے انداز سے بات کرنی چاہئے جس سے سائل کو ہدایت ملے اس انداز میں بات نہ کرنی چاہئے کہ اس کو لاجواب کردیا جائے کیونکہ مخاطب کو لاجواب کرنا معجزہ ہے اور معجزہ صرف انبیا کے ساتھ خاص ہے اور کسی کو نہیں دیا گیا؛ لہذا جنت اور جہنم کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ موجود ہیں۔

اب آپ خود فیصلہ کرسکتے ہیں کہ جو الزام حضرت امام احمد بن حنبل نے نقل در نقل کی صورت میں آپ کی طرف منسوب کیا ہے کیا وہ درست بھی ہے یا نہیں؟

ابو مطیع کے بارے میں ائمہ عظام کی رائے:

امام ابو مطیع بلخی کے بارے میں بعض ائمہ کی طرف سے کہے گئے تعریفی کلمات یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین کو یہ بھی معلوم ہوجائے کہ ابو مطیع پر صرف تنقید ہی نہیں کی گئی بلکہ ان کی توثیق کرنے والے ائمہ کرام بھی بدرجہا بلند و برتر مقام کے حامل ہیں مثلاً:

(۱) امام عبداللہ بن مبارک امام ابو مطیع بلخی کے بارے میں فرماتے ہیں:

ابو مطیع له المَنّة علی جمیع اهل الدنیا (تاریخ بغداد:۲۲۴)

ابو مطیع کا ساری دنیا کے لوگوں پر بہت بڑا احسان ہے۔

(۲) خطیب بغدادی ابو مطیع کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

و کان فقیهاً بصیراً بالرأی (تاریخ بغداد:۲۲۳)

آپ فقیہ تھے اور اہل رائے میں بڑے صاحب بصیرت تھے۔

(۳) علامہ ذہبی اور ابن حجر نے ان کے بارے میں کہا:

کان ابن مبارک یعظّمه و یجلّه لدینه و علمه

(لسان المیزان:۳۳۴ج ۲)

علامہ ابن مبارک ان کی دین اور علم کی وجہ سے ان کی تعظیم اور بڑائی کے قائل تھے۔

(۴) ابن حجر عسقلانی ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

و کان بصیرا بالرأی علامة کبیر الشان (لسان المیزان:۳۳۴ج ۲)

اور اہل رائے میں آپ بڑے صاحب بصیرت تھے اور بڑی شان والے علامہ تھے

(۵) اور امام مالک بن انس نے کسی آدمی سے پوچھا کہاں سے آئے ہو اس نے جواب دیا بلخ سے آیا ہوں جس کے جواب میں امام مالک نے فرمایا:

. قاضیکم ابو مطیع قام مقام الانبیاء (تاریخ بغداد:۲۲۴ج۸)

تمہارے قاضی ابو مطیع، انبیاء کے قائم مقام ہیں۔

(۶) موسیٰ بن نصیر اور محمد بن مقاتل جو آپ سے نقل روایت کرتے تھے ان کے بارے میں ابن حجر عسقلانی کا کہنا ہے کہ وہ دونوں ان کی بڑی تعظیم کیا کرتے تھے

(لسان المیزان:۳۳۶ج۴)

(۸) علامہ ذہبی کتاب العبر میں فرماتے ہیں کہ ابوداود کہا کرتے تھے:

بلغنا انه من كبار الامّارين بالمعروف والنّاهين عن المنكر

(الفوائد البھیہ، حاشیہ لسان المیزان:۳۳۵ج۴)

ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ابو مطیع امر معروف اور نہی منکر کرنے کے بہت اعلی درجے پر فائز تھے۔

عادتاً امام صاحب بڑے درجہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے لوگوں میں سے تھے:

امام کا شمار صاحب بصیرت ائمہ میں سے ہوتا ہے اور اپنے زمانے اور علاقہ میں علم کی پختگی کی علامت سمجھے جاتے تھے:

علامۃ ذہبی کی رائے ہے کہ ابو مطیع صائب الرائے فقیہ اور بڑے عالم تھے:

(۷) اور علامہ خلیلی امام ابو مطیع بلخی کے ساتھ علماء کی ناراضگی سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

كان على القضاء بلخ، وكان الحفّاظ من اهل العراق وبلخ لا يرضونه (لسان المیزان:۳۳۶ج۴)

ابو مطیع بلخ کے منصب قضاء پر فائز تھے، اور عراق و بلخ کے حفاظ حدیث آپ سے راضی نہ تھے۔

جو شخص امر معروف اور نہی منکر کا عادی ہو، اور اس میں وہ حاکم وقت کی بھی پرواہ نہ کرتا ہو، اور ہو بھی حنفی اس کو برداشت کرنا آسان کام نہیں تھا اس لئے لوگوں نے ان کے بارے میں رنگا رنگ کی باتیں پھیلانا شروع کردیں، یہ عادت اہل علم سے مخفی نہیں ہے کہ ایسا ہوتا رہتا ہے۔

(۹) شوذب اپنے ساتھی حمویہ سے کہتے ہیں:

ایک رات میں نے خواب میں ابو مطیع کو دیکھا گویا کہ میں ان سے پوچھ رہا ہوں کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیسا معاملہ ہوا؟ آپ نے کوئی جواب نہ دیا تو میں اصرار کیا، تو آپ نے جواب دیا

انّ اللّٰہ قد غفر لی ، وفوق المغفرۃ (تاریخ بغداد:۲۲۴ج ۸)

بے شک اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی ہے اور بہت اونچی بخشش فرمائی ہے۔

شروح الفقہ الابسط

۱- شرح الفقہ الاکبر ابواللیث سمرقندی المتوفی ۳۷۳ھ شائع شدہ دائرۃ معارف نعمانیہ حیدرآباد دکن۔

اس کا جدید انداز میں عربی متن پوری تحقیق کے ساتھ کاتب الحروف نے تیار کیا ہوا ہے ان شاء اللہ جلد ہی اللہ تعالیٰ اس کی طباعت کے اسباب مہیا فرمائیں گے۔

۲- نظم الدرر فی شرح الفقہ الاکبر؛ مؤلفہ قاضی عبید اللہ العلوی متوفی ۱۳۴۷ھ شائع شدہ مجلس علمی کراچی، ۱۹۸۵ء

اس نسخہ میں تخریج احادیث کو خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے اور اپنے نسخے میں تخریج احادیث عموماً اسی سے منقول ہیں؛ اور امام صاحب کی سوانح حیات پر مشتمل ایک مقدمہ حضرت قاضی صاحب اور بعض مفید معلومات پر مشتمل ایک مقدمہ استاذ مکرم مفتی عیسیٰ گورمانی دامت برکاتہم کا لکھا ہوا ہے اور مجلس علمی کراچی نے اس کو طبع کیا ہے۔

۳- فارسی شرح شیخ محمد الحسینی المعروف گیسودراز شائع شدہ برقی پریس حیدرآباد دکن، ۱۳۶۷ھ۔

یہ نامکمل شرح ہے اس میں بعض مباحث کو خاص کر کے اس پر فارسی زبان میں آسان اور آزاد ترجمہ ہے اور بعض مقامات پر امام نے عربی میں کلام کیا ہے عربی نسخے میں اس کو نام کی وضاحت کرتے ہوئے نقل کیا گیا ہے اور باقی فارسی حصہ الگ سے تیار کیا گیا ہے البتہ اس کا اردو ترجمہ عربی اور اردو دونوں کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے؛ اس کا ایک قلمی نسخہ حضرت العلام سید نفیس الحسینی خانوادۂ حضرت خواجہ گیسودراز کے کتب خانہ میں موجود ہے اور اس کا مطبوعہ نسخہ بھی حضرت سے ملا؛ اور اس کام کی تکمیل کا سہرہ بلا کسی رو رعایت حضرت کے سر ہے؛ اور انہوں نے ہی اپنے قلم زریں رقم سے ایک قلمی نسخ مرقومہ ۱۰۹۵ھ سے مقابلہ اور تصحیح فرمائی تھی جو ۱۹۶۰ء کو پایۂ تکمیل کو پہنچی تھی؛ یہ دونوں نسخے میرے پیش نظر رہے؛ اور اللہ جل وعلی حضرت

کی قبر کو منور فرمائے آمین

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

۴- شرح شیخ زاہد الکوثری باسم الفقہ الابسط یہ نسخہ سفر امریکہ میں کولمبیا یونیورسٹی کی لائبریری میں ملاحظہ کرنے کا اتفاق ہوا تھا اور اب الرحیمیہ اکیڈمی کراچی سے دوبارہ چھپ چکا ہے۔

۵- ایک شرح بندہ بھی مکمل کر رہا ہے، جو ان شاء اللہ جلد کی طبع ہو جائے گی۔

۶- ایک شرح جس میں امام ابو اللیث سمرقندی اور خواجہ محمد الحسینی المعروف گیسو دراز کی شروحات کو جمع کر دیا گیا ہے اور ان سب کا اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے

۷- ترجمہ آثار الامام کے نام سے دیوبند سے مولانا سیّد حسین احمد مدنی کی نگرانی میں مولانا عبدالحفیظ رحمانی نے مکمل فرمایا تھا جو مطبوع لیکن اب اس کا ملنا مشکل ہے۔

اس میں علامہ رحمانی نے طالب علمی کے زمانہ میں امام صاحب کی چند تصانیف کا اردو ترجمہ کیا ان میں الفقہ الابسط، العالم والمتعلم اور رسالہ الی عثمان البتی خاص طور سے قابل ذکر ہیں اور مکتبہ شہاب دیوبند سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی تھی۔

باب چہارم:

علم عقائد کے متعلق دس بنیادی امور کا بیان

اس باب میں وہ اہم باتیں بیان کی جائیں گی جن کا جاننا کسی بھی طالب علم کے لئے کوئی علم شروع کرنے سے پہلے جاننا ضروری ہے تا کہ اس کے تعلیمی عمل میں آسانی ہو اور فہم مسائل میں اس کے لئے سہولت ہو اور حصول علم کا مقصود اصلی اس کے لئے آسان ہو جائے

امام قاسم نانوتوی کا فرمان ہے:

''کسی علم کا حاصل کرنا بذات خود کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ وہ تو کسی اور مقصد کے لئے ایک سیڑھی کا کام دیتا ہے اور طبیعتوں میں استعداد پیدا کرنے اور دوسرے علوم کے حصول کا بنیادی ذریعہ ہوتا ہے''

ہر طالب علم کے لئے لازم ہے کہ وہ کوئی بھی علم شروع کرنے سے پہلے دس باتوں کو جان لے اس سے اس علم کی افادیت زیادہ ہو جائے گی اور علمی استفادہ بھی آسان ہو جائے گا۔

انہی دس باتوں کا تذکرہ امام ابن ذکری رحمہ اللہ مقاصد تحصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فأوّلُ الابواب فی المبادی
و تلک عشرۃٌ علی المراد
ألحدُّ ، وَالْمَوضُوعُ ، ثُمّ الْوَاضِعُ
وَالْاِسْمُ ،وَاستِمْدَادُ، حُكْمُ الشَّارِعُ
تَصَوَّرِ الْمَسَائِلِ ، الْفَضِيلَةُ
وَنِسْبَۃٌ ، وَفَائِدَۃٌ جَلِيلَۃٌ

اورانہی دس باتوں کوتذکرہ علامۃ صبان نحوی ایک شعر کی صورت میں یوں بیان فرماتے ہیں:

اِنَّ مَبَادِیَّ کُلِ فَنٍّ عَشَرَۃُ
اَلْحَدُّ ، وَالْمَوْضُوْعُ ، ثُمَّ الثَّمَرَۃُ
وَ فَضْلُہٗ ، وَنِسْبَۃٌ ، وَالْوَاضِعُ
وَالْاِسْمُ ، اِسْتِمْدَادُ ، حُکْمُ الشَّارِعُ
مَسَائِلٌ وَالْبَعْضُ بِالْبَعْضِ اکْتَفِیْ
وَمَنْ دَرَیٰ الْجَمِیْعَ حَازَ الشَّرَفَاء

کسی بھی علم کے شروع کرنے سے پہلے جن دس باتوں کو جاننا از حد ضروری ہے ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

(۱) اس علم کی تعریف (۲) اس علم کا موضوع
(۳) اس علم کے حصول کے نتائج (۴) اس علم کی فضلیت
(۵) اس علم کی نسبت یعنی وہ کس کی طرف منسوب ہے
(۶) اس علم کا واضع یا بانی کون ہے (۷) اس علم کا نام کیا ہے
(۸) اس علم کے حصول کے لئے کیا شرائط ولوازمات ہیں
(۹) اس علم میں بیان کئے جانے والے مسائل
(۱۰) اور اس علم کے فضائل کیا ہیں

۱۔علم عقائد کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

علم عقائد دولفظوں کا مجموعہ ہے ایک علم اور دوسرا عقائد۔
شیخ انور شاہ کشمیری فیض الباری میں فرماتے ہیں ،علم کی تعریف آئمہ ماتریدیہ کے نزدیک یوں بیان کی جاتی ہے:

ھو صفة مودعة فی القلب کالقوۃ الباصرۃ فی العین من شأنھا

الانجلاء بالشروط اللائقة بها، فالعلم واحد مع تعدد المعلومات:

علم ایک ایسی صفت ہے جو دل میں ودیعت کی گئی ہے جیسے بصارت آنکھوں میں ودیعت کی گئی ہے اور علم کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تمام ضروری شرائط کے پورا ہونے کے بعد معاملے کو روشن کر دیتا ہے، اس لحاظ سے معلومات کی کثرت کے باوجود علم ایک ہی ہوتا ہے۔

اور عقیدہ کی تعریف یوں بیان کی جاتی ہے:

و العقيدة من العقدة لغة؛ وهو الاعتقاد الجازم بالقلب ؛والمراد به نفس العقائد دون العمل

لغوی طور پر عقیدۃ کا لفظ عقدہ سے نکلا ہے اور اس سے مراد دل کے ساتھ یقین مستحکم ہو جائے، اور اس سے مراد صرف عقائد ہیں نہ کہ عمل اور متکلمین کی اصطلاح میں:

والكلام هو علم يقتدر به على اثبات العقائد الدينية بايرادالحجج القاطعة ودفع الشبهات الواردة عليها.

اور علم کلام سے مراد ایسا علم ہے جس میں یقینی دلائل کے ذریعے دینی عقائد کو ثابت کیا جاتا ہے اور ان عقائد پر وارد ہونے والے اعتراضات کو زائل کیا جاتا ہے۔

۲- موضوع علم کلام اور علم عقائد:

موضوع کو بیان کیا جانا اور متعین کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس کی وجہ سے مختلف علوم میں امتیاز ہو جاتا ہے۔

اور اس سے مراد ایسی معلومات کو یک جا جمع کرنا ہے جس سے دینی عقائد کو ثابت کیا جاتا ہے چاہے اس کا علم عقائد سے قریبی تعلق ہو یا دور کا تعلق ہو۔

علم عقائد میں ایسے مسائل بیان کئے جاتے ہیں جن کا اصول الدین سے تعلق ہوتا ہے اور وہ مسائل ایمان کی بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں، اور ان مسائل کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے جیسے: اللہ تعالیٰ کا اپنی تمام صفات کمالیہ کے جامع ہونے کے لحاظ سے تعارف کیا جانا۔ اور اس

کا ہر نقص وزوال سے پاک ہونا، اور اللہ تعالیٰ کے ملائکہ؛ اس کی طرف سے نازل شدہ کتب ،اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں، اور قیامت کے دن کا تعارف اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر وشر کے ہونے کا تذکرہ، اور میتوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا اور ان کے نیک اعمال پر انکو ثواب اور برے اعمال پر انکو سزا دیئے جانے کا تذکرہ، اور اس طرح کے دوسرے مسائل کا تذکرہ بیان کیا جاتا ہے اور اس کے موضوع کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

هو ذات الله تعالىٰ اذ يبحث فيه عن صفاته وافعاله فى الدنيا ، كحدوث العالم ، و ما فى الآخرة كالحشر للاجساد ، واحكامها فيهما كبعث الرسل ونصب الامام .

اس کا موضوع اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے لحاظ سے بحث کرنا، اور دنیا کا اس کے حادث یا قدیم ہونے کے لحاظ سے اور وہ معاملات جو مرنے کے بعد پیش آنے والے ہیں ان کا بیان کرنا اور انبیاء کی بعثت اور امام کی تعیین کے حوالے سے بحث کرنا اس علم کا موضوع ہے۔

۳۔علم کلام اور علم عقائد کے بانی اور مدوّن:

سب سے پہلے علم کلام کی بنیاد رکھنے کا شرف جس عظیم شخصیت کو حاصل ہوا تھا وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

سب سے پہلے اس علم کو احاطۂ تحریر میں لانے اور اس کو مدوّن کرنے کا شرف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کو حاصل ہوا تھا۔

(۱) علم عقائد میں سب سے پہلے عام مسلمانوں کی راہنمائی کے لئے ایک کتاب بنام ''الفقہ الاکبر'' تحریر فرمائی ہے جو آج بھی مسلمانوں میں بہت زیادہ معروف ہے۔

(۲) علم کلام میں امام اعظم نے چار کتابیں تحریر فرمائی ہیں:

۱۔ اہل السنّت والجماعت کی حقانیت پر سب سے پہلے علم کلام میں ایک کتاب ''اَلرد علی القدریۃ'' لکھی۔

۲- دوسری کتاب فقہ ابسط ہے جس میں امام ابو مطیع بلخی کے اعتراضات کے جوابات دئے گئے ہیں۔

۳- تیسری کتاب جس میں امام ابو مقاتل کے اعتراضات کے جوابات دئے گئے ہیں اس کا نام عالم و متعلم ہے۔

(۳) علم مجادلہ میں سب سے پہلی کتاب امام اعظم نے اپنے شاگرد عثمان بتی کے سوال کے جواب میں خط و کتابت کو بطور تعلیم و تربیت کے عمل کو شروع کرنے والے اور آپ پر کئے گئے اعتراضات کا بذریعہ خط و کتابت جواب لکھنے والے بھی سب سے پہلے حضرت امام ابو حنیفہ ہیں انہوں نے مسئلہ ارجاء کے بارے میں آپ پر کئے گئے اعتراضات کا جواب ایک رسالے کی شکل میں تحریر فرمایا تھا جو رسالہ الی عثمان البتی کے نام سے معروف اور چھپا ہوا ہے۔

(۴) علم نصائح میں بطور وصیت کے تمام امت کے افراد کے نام سب سے پہلے آپ نے ایک وصیت علم عقائد میں تحریر فرمائی۔

اسی لئے امام ابوالیسر بزدویؒ کا فرمان ہے کہ

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ، اپنے شاگردوں کو پہلے پہل سب سے پہلے علم عقائد اور علم کلام کی تعلیم؛ اور باقاعدہ مناظرہ کرنے کا طریقہ اور اس کی تربیت دیا کرتے تھے؛ اور آپ بذات خود اس زمانے کے سب سے مضبوط علمی فرقہ معتزلہ اور دیگر اہل بدعت کے ساتھ مناظرے کیا کرتے تھے۔

۴-علم عقائد کی وجہ تسمیہ:

۱: الفقہ الاکبر: اس کا ایک نام ہے؛ کیونکہ فقہ کہتے ہیں

(هُوَ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَالَهَا وَمَاعَلَيْهَا)

فقہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ نفس اور لوازمات نفس کی معرفت اور پہچان حاصل ہوتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کے بیان کرنے میں تمام علوم میں سے سب

سے افضل علم یہی علم عقائد ہے؛ کیونکہ اس علم کے ذریعے سب سے افضل معلوم (اللہ تعالیٰ کی ذات) کو معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے؛ اسی لئے اس سے افضل اور اعلیٰ درجے کا کوئی اور علم نہیں ہے؛ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف اسکے علاوہ کسی اور علم کے حصول پر اس سے زیادہ اجر وثواب ہوسکتا ہے؛ اسی لئے اس علم کا نام: علم عقائد اور فقہ اکبر رکھا جاتا ہے۔

۲-علم الٰہی: اس علم کا نام علـم الهی اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ اس علم میں اللہ تعالیٰ کے عظیم ترین امور کا تذکرہ کیا جاتا ہے؛ اور اس کے بعض اسرار ورموز اور ایسے چھپے ہو بھیدوں سے پردہ اٹھایا جاتا ہے جس میں اپنی طرف سے نہ دخل اندازی ہوسکتی ہے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کا تغیر وتبدل ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری مادی اور غیر مادی کائنات ہر لحاظ سے کامل ومکمل ہے۔

۳-علم مابعد الطبعیات: اس کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ جو امور اس دنیا کے حسی نظام سے تعلق رکھتے ہیں انکو علوم طبعیہ کہا جاتا ہے لیکن اس علم میں جو باتیں زیر بحث لائی جاتی ہیں وہ عقائد سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ عموماً حس سے وراء ہوتی ہیں اسی لئے اس کو علم مابعد الطبعیہ کہا جاتا ہے۔

۴-علم الکلام: اس علم کو علم کلام کہنے کی وجہ یہ ہے، کہ اس علم میں اپنے مخاطب سے ایسے طریقے سے بات کی جاتی ہے جو اس کی سمجھ میں آسکے، اسی بناء پر امام صاحب نے اسی کتاب میں ایک مقام پر ابو مطیع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

ان اتكلم مع الخصم حتى يهدى وليس لى ان اتكلم حتى يخرس

مدمقابل کے ساتھ ایسے طریقے سے کلام کرو کہ اس کو ہدایت نصیب ہو ایسے طریقے سے بات نہ کرو کہ وہ لاجواب ہوکر خاموشی اختیار کرلے؛

کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے

كَلِّمِ الناس على قدر عقولهم

لوگوں سے ان کے عقلی معیار کے مطابق کلام کرو؛ اور لوگوں کا معیار عقل مختلف ہوتا ہے لہذا رہبر کو چاہئے عقل معاش کو ذریعہ بناتے ہوئے مخاطب کو عقل معاد کی مشکل وادی کی سیر کروائی جائے۔

اور اسلام پر وارد ہونے والے شبہات کا ازالہ ایسے طریقے سے کیا جائے جو بالعموم اصول اسلام کا طریقہ جواب نہ ہو؛ کیونکہ انسان کے بس میں یہ بات نہیں کہ اپنی عقل نارسا کے ذریعے تمام معقولات کو سمجھ سکے؛ اس لئے کہ آنکھ سے تمام (visebal) اشیاء کو محسوس بھی نہیں کیا جاسکتا۔

۵-علم عقائد: اس کو اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور ملائکہ ورسل کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے اور دنیا میں اعمال اور آخرت میں اس کی جزاء یا سزاء کے بارے میں بحث کی جاتی ہے تو گویا ایک لحاظ سے یہ گرہ لگانا ہوتا ہے اور وہ بھی ایمان سے بھرے ہوئے دل کو گرہ لگا دینا۔ اور اس میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور امت محمدیہ کے ائمہ کے اجماع جو باتیں مستحکم ہوچکی ہیں ان کو بیان کیا جاتا ہے۔

۶-علم امور عامہ: اس کو علم امور عامہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس میں ایسے مسائل زیر بحث لائے جاتے ہیں جن کا تعلق عموماً موجود اس معنوں میں کہ وہ واجب جوہر یا عرض کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتے۔

۵-علم عقائد کی مختلف شاخیں:

علم عقائد تو ایک ایسا علم ہے جس کا تعلق خالص عقائد اور اللہ تعالیٰ کی شناخت پر مبنی ہے اور اس کی مختلف شاخیں ہیں جن کا اجمالی خاکہ مندرجہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

۱-علم توحید: اس علم میں وہ تمام مسائل جو کسی فرد کے مسلمان بننے کے لئے ضروری ہیں ان کو بیان کرنے اور اسکے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا اور اپنی سوچ اور فکر کو اس کے مطابق بنانا علم توحید کہلاتا ہے۔

۲-علم کلام: جب کسی ناسمجھ کے ساتھ دین کے تعارف کی بات کی جاتی ہے اور اس کی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جاتا ہے اس کو علم کلام کہا جاتا ہے کیونکہ اس پورے شعبے میں ساری بات کی بات چیت پر مبنی ہوتی ہے اور اس بات چیت کو کلام اور اس کلام کو منظم کر کے بیان کرنے کا نام علم کلام ہے۔

۳-علم مناظرہ: اگر عقائد کے کسی مسئلے کے بارے میں اس انداز میں بات چیت کی جائے کے دونوں طرفین راہ حق پر ہوں لیکن کسی جزوی مسئلہ کے توضیح وتشریح میں اختلاف رائے پیدا ہو جائے تو اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے طرفین آپس میں بات چیت کریں اور ان دونوں کا مقصد تلاش حق ہو اور سچائی تک رسائی مقصود ہو اس کو علم مناظرہ کہا جاتا ہے۔

۴-علم مجادلہ: جب کسی باطل فرقے کے ساتھ بات چیت کی جائے اور ان کے سامنے حقیقت حق کو عیاں کرنا اور ان کے بطلان کو بیاں کرنا مقصود ہو تو اس کو علم مجادلہ کہا جاتا ہے اس میں مخاطب کی بات کو نہ ماننے کا اصول پیش نظر ہوتا ہے۔

۵-علم مکالمہ: اگر مختلف مذاہب ملکر آپس میں اپنے مذہب کی نمائندگی کرتے ہوئے معلومات کا تبادلہ اور اپنے مذہب کا تعارف لوگوں کے سامنے بیاں کریں اور اس میں نہ قبول حق یا تسلیم مقابل مقصود ہوتی ہے اس کو علم مکالمہ کہا جاتا ہے۔

۶-علم مباحثہ: جب مکالمہ کے دوران بعض مسائل کی توضیح وتشریح مقصود ہو تو اس کی وضاحت بیان کرنے اور اس پر پیش آنے والے سوالات کی وضاحت بیان کرنے اور دوسرے مذاہب کے عقائد میں مطابقت پیش کرنے کے عمل کا نام مباحثہ ہے۔

۶-حصول علم کے اصول:

جو شخص اس علم کو حاصل کرنا چاہتا ہو اس کو چاہیۓ کہ ہر ایک شخص کے سامنے زانوئے تلمذ نہ طے کرے بلکہ دیکھ لے کہ جس شخص سے یہ علم حاصل کرنے لگا ہے وہ اس علم میں معروف ہو اور درجہ کمال رکھتا ہو، اور اہل السنّت والجماعت کے اصول وفروع سے مکمل آگاہی رکھتا ہو اور اس علم میں شہرت کے بلند مقام پر فائز ہو، بعض علماء کی کسی ایک مسئلہ میں تو

مہارت ہوتی ہے لیکن بعض دوسرے مسائل میں وہ بالکل کورے ہوتے ہیں اسی وجہ سے آج اہل السنّت والجماعت انتشار اور افتراق میں مبتلاء ہیں اور ایک ایک مسئلے کی بنا پر ایک نئی نئی جماعتیں معرض وجود میں آرہی ہیں جو دوسرے سب لوگوں کو فاسق وفاجر اور بدعتی تو کجا کافر تک کہنے سے گریز نہیں کرتے اس لئے ضروری ہے کہ اس شخص سے یہ علم حاصل کیا جائے جو اس علم میں بلند ترین درجے پر فائز ہو۔

۷-شرع میں اس علم کے حصول کا حکم:

حضرت امام اعظم نے اپنی کتاب 'العالم والمتعلم' میں فرمایا ہے کہ اس علم کے حصول میں کوئی حرج نہیں ہے اس علم کے بارے میں چونکہ اس زمانے کے بعض محدثین میں طرح طرح کی برائیاں مشہور تھیں اس لئے ابو مقاتل نے حضرت امام صاحب سے اس کے بارے میں تفصیل چاہتے ہوئے سوال کیا:

ابو مقاتل: میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے جو اس علم کو نہ تو خود سیکھتے ہیں اور نہ ہی اس کے سیکھنے کو جائز سمجھتے ہیں، اور اپنے اس عمل پر وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ صحابہ کرام اس علم کے سیکھنے میں جب نہیں لگے تو ہمیں بھی اس کے سیکھنے کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے لہذا اس مشقت میں ان کے لئے کیسے وسعت پیدا کی جائے گی اور اس کا ان کو کیا جواب دیا جائے گا؟

امام اعظم: نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: آپ ان کو جواب دیتے ہوئے یوں کہو کہ اگر ہم ان کے زمانے میں ہوتے تو ہمیں بھی وہی طریقہ اختیار کرنا لازم تھا جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا تھا۔

لیکن جو معاملہ ہمیں درپیش ہے وہ ان حضرات کو درپیش نہیں تھا کیونکہ ہمیں تو ایسے لوگوں کا سامنا ہے جو ہمیں طعن وتشنیع کرتے ہیں اور ہمارے خون بہانے کو بھی جائز سمجھتے ہیں تو کیا ہم پر یہ بات لازم نہیں کہ ہم آپس میں یہ واضح کریں کہ کون غلطی پر ہے اور کون راہ حق پر ہے؟

اور دوسری بات یہ ہے کہ ہم امام ابوحنیفہ کی اتباع کرتے ہیں اور جس طرح وہ ہمارے فروعی مسائل میں امام ہیں اسی طرح وہ ہمارے اصولی مسائل میں بھی ہمارے امام ہیں اور

جب انہوں نے اس علم کے سیکھنے اور سکھانے کو جائز قرار دیا ہے اور اس میں تصانیف کا نہ صرف یہ کہ حکم دیا بلکہ خود بھی تحریر فرمائی ہیں۔

لیکن انہوں نے اپنی آخر عمر میں خود بھی مناظرہ کرنا چھوڑ دیا تھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس سے منع فرمادیا تھا کہ وہ دوسرے لوگوں سے مناظرہ نہ کیا کریں"

اور اس علم عقائد کا حکم بقدر ضرورت تو فرض عین کے حکم میں ہے اور جو اس سے زیادہ ہو وہ فرض کفایہ کے حکم میں ہے اور اس علم میں احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے جتنی اور جس انداز میں بھی کوشش کی جائے وہ مباح ہے۔

۸-علم کلام کی تصویر مسائل:

اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات کو ایک خاص مقصد کے پیش نظر تخلیق کیا ہے؛ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا؛ لہذا ہر انسان پر لازم ہے کہ اپنے مقصود اصلی کے حاصل کرنے کے لئے انسانی طاقت میں ممکن حد تک اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حصول کی کوشش کرے؛ اور دنیا کی زندگی اللہ تعالیٰ کے خوف میں اور اس کی محبت میں گزارے؛ اور اسکے احکامات صحت پر دل وجان سے یقین رکھے؛ اور اس کے اوامر کی اتباع کا عزم مصمم کئے رہے؛ اور ان تمام باتوں کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور ملائکہ اور اس کی طرف سے نازل شدہ کتب ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اس بات کی ذمہ دار ہے اپنی ذمہ داری پوری کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو 'مالک یوم الدین' ہے اور اس نے ہر شخص سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھنا ہے اور جو درست جواب دینے میں کامیاب نہ ہوگا اس کو عذاب اور کامیاب ہونے والے کو دائمی اور ابدی کامیابی کی نوید کے ساتھ جنتی قرار دے دیا جائے گا؛ اللہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس نعمت سے نوازے

۹-اس علم کی فضیلت اور غرض وغایت:

۱- یہ بات آپ کے علم میں ہونی چاہئے کہ جب اصولی مسائل کا علم حاصل کیا جائے تو ضروری ہے کہ اس کے باقی لوازمات کا علم بھی حاصل کیا جائے؛ اور خاص طور پر

موجودہ زمانے میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ موجودہ زمانے میں اصولی مسائل میں سب سے مشکل مسائل اصول توحید کے متعلقہ مسائل ہیں۔

اوراب اس علم کے مسائل کے بارے میں کسی امام کا قول بغیر دلیل کے قابل قبول نہیں ہوتا تو یہ لازم اور ضروری ہے کہ اصولی مسائل کے جاننے کے ساتھ ساتھ اس کے لئے ضروری دلائل بھی جانے جائیں تا کہ یہ بات معلوم ہو سکے کہ ہم میں سے کوئی شخص کس نوعیت اور کس درجے کا مسلمان ہے۔

۲- اسی طرح جب ہم کسی ایسے مقام پر ہوں جہاں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کفار بھی رہتے ہوں اور وہاں کوئی کافر یا ہمارے اپنے ملک میں رہنے والا کوئی کافر دین کے اصولی مسائل کی تفصیلات جاننے کے لئے کسی شخص سے سوال کر دے تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس قابل ہو کہ وہ اپنے دین کے اصولی مسائل سے آگاہی مہیا کر سکے اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جواب دے سکے؛

اور علامہ عضد الدین: رحمہ اللہ کے بقول:

اس علم کی اہمیت اس لئے بھی بہت زیادہ ہے تا کہ اس کی صحیح قدر و قیمت جانی جا سکے اور اس کے لئے جو حقوق لازمہ ہیں ان کو بھرپور طریقے سے ادا کیا جا سکے؛ جیسا کہ آپ اس علم کے موضوع کو جان چکے ہیں اور یہ اہم ترین اور اعلیٰ ترین کام ہے؛ اور اس کی غرض وغایت ،نفع مندی کے لحاظ سے بلند ترین غرض ہے؛ اور اس کے دلائل یقینیہ عقل کے ساتھ مستحکم ہوتے ہیں اور کبھی کبھی نقل کی قوت بھی ان کے ساتھ اس میں اور زیادہ وثوق پیدا کر دیتی ہے، اور یہ مضبوط ترین اغراض میں سے ایک غرض ہے؛ اور اسی وجہ سے اس علم کی سب سے بلند و برتر مقام حاصل ہو جاتا ہے، اس لحاظ سے علم کلام کو ہم سب سے افضل علم قرار دیتے ہیں اور تمام علوم کی تمام برانچوں میں سب سے بہتر اسی علم کو قرار دیتے ہیں۔

۱۰- علم کلام کے حصول کا فائدہ:

اس موجودہ زمانے میں علم کلام کے حصول میں بہت زیادہ فائدے ہیں؛ کیونکہ اس

موجودہ زمانے میں لوگوں کے افکار منتشر اور عقائد بھول بھلا چکے ہیں لہذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس علم کو حاصل کرے اور سیکھے؛ جیسا کہ اس کی تفصیلات ارشاد فرماتے ہوئے امام عضد الدین عبد الرحمٰن بن احمد لائجیؒ نے کہا ہے علم کلام کی وضاحت شرح عضدیہ میں فرمائی ہے۔

۱- اس علم کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ: تقلید کی لذت سے ترقی کرتے ہوئے یقین کے اعلیٰ ترین درجات تک رسائی حاصل کرنا؛

تا کہ اللہ تعالیٰ کے قول:

ویرفع اللهُ الّذین آمَنُوا مِنکُم وَالّذِینَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَات

اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایمان والے لوگوں کا درجہ بلند کیا ہے؛ اور جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا ہوا علم ہے ان کے درجات اور بھی زیادہ بلند ہیں' اس آیت کا حقیقی معنوں میں مصداق بن سکے؛ جس میں ایک عام شخص کی نظری قوت کو مدنظر رکھتے ہوئے بیان کیا گیا ہے اور اہل یقین علماء کو باوجود اس کے کہ وہ مؤمنین کے لفظ میں مذکور ہو چکے تھے خاص طور سے ذکر کرنا اس وجہ سے ہے کہ وہ اس میدان کے صحیح معنوں میں شہسوار ہوتے ہیں۔

۲- اس علم کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ واضح دلائل کے ذریعے ہدایت کے طالبین کی راہنمائی کرنا اور دلائل ظاہرہ باہرہ کے ذریعے معاندین ومخالفین کے الزامات کا رد کرنا؛ تا کہ مخالف کے شکوک شبہات دور ہو کر ان کے ایمان کی تکمیل ہو سکے؛

۳- اس علم کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ: دین اسلام کے اصول وفروع کی ایسے شکوک وشبہات سے حفاظت کرنا جو متبعین کو راہ ہدایت سے متزلزل کر کے راہ حق سے گمراہ کر دیں؛

۴- اس علم کا چوتھا فائدہ یہ ہے کہ: اس کو سمجھنے کے بعد علوم شرعیہ کی بنیاد اس پر رکھی جا سکتی ہے؛ کیونکہ اصول اسلام کے تاویل وتشریح اس علم کے فروعات کے ذریعے سمجھنا مفید اور آسان ہے۔

۵- اس علم کا پانچواں فائدہ یہ ہے کہ انسان اپنے اعتقاد کی درستی کے ساتھ نیت کو درست کرسکتا ہے؛ اور نیت ایسی چیز ہے جو عمل کی قبولیت کے لئے معیار ہے اور اس کی درستی کے بعد کسی شخص کے قوت عملیہ کے پیش نظر ابدی کامیابی کی امید کی جاسکتی ہے۔

یہ تمام اس علم کی غایات اور اس کے مقاصد اور بنیادی فائدے ہیں: اور ان میں اہم ترین یہ ہے جو سب کا مرکزی نقطہ ہے کہ: آدمی کو دارین کی سعادت اور خوش بختی اور فوز وفلاح میسر آجاتی ہے؛

۱۱-فضائل العلم:

۱- اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اتوا العلم درجات(المجادلة: ۱۱)

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کا درجہ بلند کر دیا ہے اور ان میں سے جن کو علم دیا گیا ہے ان کے بلندی تو کئی مراتب کے لحاظ سے ہے۔

۲-: اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء(الفاطر)

اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں لیکن ان میں سے علماء کا اللہ تعالیٰ کے ڈرنے کے لحاظ سے وہ بندے بہت بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں۔

۳- اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون انما یتذکر أولوا الألباب (الزمر:۹)

اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ کیا جاننے والے اور انجان برابر ہوتے ہیں بے شک نصیحت صرف عقل والوں کے لئے ہے۔

۴- اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

والراسخون فی العلم یقولون آمنابہ کل من عند ربنا وما یذکر الاأولوالألباب (العمران:۷)

اور جو لوگ میدان علم میں مضبوط ہیں وہ کہہ دیتے ہیں ہم تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے سب کچھ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہوتا ہے اور ان باتوں سے صرف اور صرف عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

۵- اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

لکن الراسخون منھم ....أولئک سنؤتیھم اجرا عظیما

(النساء:۱۶۲)

لیکن وہ لوگ جو علم میں رسوخ رکھتے ہونگے ...... یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔

تیسرا حصہ

فقہ اکبر پر کیے گئے اعتراضات کا علمی جائزہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمدللّٰہ ربّ العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی من کان نبیّا و رسولاً و آدم منجدلٌ بین الماء و الطین و علی آلہ اجمعین برحمتک یا أرحم الرّاحمین

امابعد:

بلاحدودوقیاس تعریفیں اس خالق ہر دوسراء کو سزاوار ہیں جو کل کائنات کے پیدا کرنے والے ہیں، اور تمام موجودات کے موجد مخلوقات کے خالق، اور تمام معدومات کے عدیم ہیں، اوران سب کے گزران حیات کیلئے شریعت کا کامل و مکمل اور پاکیزہ راستہ متعین کرنے کے بعد انسانوں کو اس راستے کا راہی بنایا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاتعداد و بے حساب رحمتوں، برکتوں کا نزول وجود اور ہستی کے مظہر ہستی محمد مصطفٰے پر ہوں جو ہدایت کے راستوں کے راہی اور گمراہی اور فساد کے ماحی ہیں۔

ابتدائے ابتدا سے آخراً واخر تک ان پر ایسے درود وسلام ہوں جو انسانوں کی مشکلات ،اور آپ کی پاکیزہ آل ،اہل بیت پر بھی نازل ہوں جو قیامت کے روز گناہ گاروں کے شفاعت کرنے والے ہوں گے۔

اُمت کے ائمہ اعلام میں اس مسئلے پر اختلاف چلا آ رہا ہے کہ فقہ اکبر کون سی فقہ اکبر ہے؟ اوراسکے مصنف کون سے ابوحنیفہ ہیں، اور کون سی فقہ اکبر درست ہے جس کے راوی ابو اسماعیل حماد بن ابوحنیفہ (۱۷۶ھ) ہیں؟ یا جس کے مصنف ابومطیع حکم بن عبداللہ بن مسلم بلخی خراسانی (۱۹۹ھ) ہیں؟

بعض احباب نے امام حماد بن ابوحنیفہؒ (۱۷۶ھ) والی فقہ اکبر کو امام صاحب کی تصنیف

ماننے سے ان کار کردیا ہے، اور وہ اس کو ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف قرار دیتے ہیں، اور وہ حضرات اپنے اس دعویٰ کے حق میں کئی دلائل، اور اس سے اختلاف کرنے والوں پر کئی اعتراضات کرتے ہیں۔

ان کے اس اختلاف کی نوعیت اور ان پر دلائل پیش کرنا تو ایک مفید عمل ہے جس کی مخالفت کرنا بے معنی اور لایعنی ہے جبکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان اعتراضات کا یک جا تفصیلی تذکرہ کرنے کے بعد ان کا اجمالی انداز میں علمی تجزیہ کیا جائے اور اس کے بعد حق کو واضح اور باطل کو عیاں ہو جانے کے بعد راہ حق کی روانی کی دعا اور باطل سے روگردانی اور رب کی پناہ مانگی جائے۔ وما توفیقی الا باللہ

ویا اللّٰهم افتح لنا الخير ، وانشر لنا الرّحمة ، يادليل المتحيّرين ، و يا رب العالمين.

تعارفِ امام ابوحنیفہ اور ان کی کتاب فقہ اکبر:

فقہ اکبر امامِ اعظم کی تصنیف ہے اور اور امام اعظم وہ ہستی ہیں جو اماموں کے امام اور استاد ہیں. اور امت کیلئے گمراہی کے اندھیروں میں چراغ ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی منہاج ہیں۔

اسمِ گرامی نعمان بن ثابت الکوفی ہے آپ تابعین کی جماعت میں سے ہیں، اپنی جوانی میں اللہ کی عبادت میں مصروف اور تزکیہ باطن کیلئے زہد و ریاضت میں مشغول رہتے تھے. یہاں تک کہ ایک دن خواب دیکھتے ہیں کہ "ریاض الجنۃ" میں تشریف فرما ہیں اور وہاں سید الاولین والآخرین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ مبارکہ اوپر سے کھلا ہوا ہے.

اور اس قبر مبارکہ میں کچھ چھوٹی اور کچھ بڑی ہڈیاں ہیں، اور ان میں سے امام اعظم چھوٹی ہڈیوں کو الگ کرتے ہیں اور بڑی ہڈیاں چن کر اپنے پاس جمع کرتے جاتے ہیں،

یہ خواب بڑا پریشانی والا تھا اس لئے اس کی تعبیر معلوم کرنے کی طرف متوجہ ہوئے لہٰذا اس وقت خوابوں کی تعبیر کے سب سے بڑے امام محمد بن سیرین کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے اس کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ایک عظیم اشارے اور ایک مخفی عبارت میں یہ خوشخبری فرما رہے ہیں کہ

آپ نئے نئے مسائل کے اجتہاد اور ان کے حل دریافت کرنے میں مشغول ہوں گے ، اور صحیح احادیث پر عمل کرنے اور ضعیف احادیث، یا ان باتوں پر جن میں محدثین نے قیل و قال اور شک وشبہ ظاہر کیا ہے ان روایات پر عمل چھوڑ دیں گے۔

(یہی وجہ ہے کہ جب امام نے اپنے اصولِ حدیث ترتیب دیئے تو اس میں بہت زیادہ سختی کی)

اسی لئے معروف ہے:

" کا ن ابو حنیفة شدیدُ الفحص عنِ الناسخِ و المنسوخِ منَ الحدیثِ ، فیعمل بالحدیث اذا ثبتَ عنده عنِ النبیّ صلی الله علیه وسلم وعن اصحابه ، و کان عارفاً بحدیث اهل الکوفة "

(موفق ص۲۲ ج۱)

امام ابوحنیفہ ناسخ ومنسوخ احادیث کے بارے میں بہت زیادہ تحقیق اور تفتیش کرتے ،جب نبیؐ اور اصحاب النبی کے پاس سے کوئی حدیث ان کے نزدیک ثابت ہوجاتی تو اسپر عمل کرتے تھے،اور اہل کوفہ کے ائمہ اور صحابہ کرام کی احادیث کو کثرت سے جاننے والے تھے.

اسی لئے امام صاحب کے اصول حدیث کو ایک جگہ جمع کرکے ہم نے امام اعظم کے اصول حدیث کے عنوان سے الگ ایک رسالہ مرتب کیا ہوا ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بارگاہ اقدس میں قبول فرمائے اور عام وخاص کے لئے علمی راہنمائی واستفادہ کا باعث بنائے۔

یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوجاتا ہے کہ امام صاحب نے جو کچھ فرمایا اس سے یہ بات تو معلوم ہوگئی ہے کہ صحیح احادیث عمل کے لئے اختیار کر لی جائیں لیکن اس بات کا علم عقائد سے کیا تعلق ہے جو یہاں علم عقائد کے شروع میں یہ صحیح حدیث والی بات بیان کی جارہی ہے؟؟؟

توضیح: اس سوال کی توضیح کو ہم تین درجات میں بیان کریں گے:

پہلی بات: حضرت امام اعظم کے نزدیک صحیح حدیث وہ ہے جو عام محدثین کی نظر میں درجہ تواتر تک پہنچ جاتی ہے کیونکہ عام محدثین صحیح حدیث کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں:

فالصحیح ما ثبت بنقل عدل تام الضبط ، غیر معلل و لا شاذ

(مقدمۃ المشکوۃ)

صحیح وہ حدیث ہوتی ہے جس کو نقل کرنے والے عادل وضبط تام والے افراد ہوں اور ان میں کوئی راوی کسی قسم کی تعلیل یا انفرادیت سے محفوظ ہو۔

لیکن حضرت امام اعظم کے نزدیک اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں جس کی امام صاحب کے پاس سو سے زیادہ اسناد موجود ہوں،اور عام محدثین کے نزدیک متواتر وہ حدیث ہوتی ہے۔

وان بلغت رواته فی الکثرة الی ان یستحیل العادة تواطئهم علی الکذب (مقدمہ المشکوۃ:۶)

''جس کے روایت کرنے والے ہر زمانے میں اس قدر کثیر ہوں کہ ان سب کے جھوٹ پر اتفاق کر لینے کو عقل سلیم محال سمجھے'' (خیر الاصول:۳)

دوسری بات: علم عقائد کے اصول میں سے دوسرا اصول یہ ہے کہ وہ عقیدہ حدیث متواترہ سے ثابت ہوتا ہو، بس جب کوئی بات کسی حدیث متواتر سے معلوم ہوجائے وہ عمل کے لئے کافی ہے۔

تیسری بات: عمل دو قسم کا ہوتا ہے یا وہ عمل از قسم عمل جسمانی ہوگا اور یا وہ عمل از قسم اعتقادی و اذعانی باطنی ہوگا پس حدیث صحیح ہمارے نزدیک عمل کے لئے بنیاد یا سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں، تفصیل بیان کرنے کا یہ موقعہ نہیں ہے مزید وضاحت کے لئے ہماری کتاب اصول الدین از امام ابوحنیفہ ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے ایک اہم ترین مسئلہ درپیش ہے جس کو حل کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ امام اعظم کی فقہ اکبر کون سی کتاب ہے؟ کیونکہ فقہ اکبر نام کی دو کتابیں ہیں اور دونوں کا انتساب حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف ہے ان میں سے ایک کے راوی امام اعظم کے صاحبزادے حضرت حماد بن ابی حنیفہ ہیں اور اس کی شرح کرنے والوں میں سب سے معروف نام ملا علی قاری ہروی کا ہے جبکہ دوسری فقہ اکبر کے راوی حضرت امام ابومطیع حکم بن عبداللہ بلخی ہیں اور اس کی سب سے معروف شرح ابواللیث سمرقندی کی ہے جس کو غلطی سے بعض علماء نے امام ابومنصور ماتریدی کی طرف منسوب کردیا ہے۔

ایک طبقے کا یہ دعویٰ ہے ''وہ فقہ اکبر جس کے راوی حماد بن ابوحنیفہ ہیں اور جس کی شرح ملا علی قاری نے کی ہے وہ امام اعظم کی کتاب نہیں ہے'' اور اس مسئلے کی شدت اس وقت اور بھی زیادہ ہوجاتی ہے جب ہم اس میں اپنے ہی اکابر کو مختلف الخیال دیکھتے ہیں اور موافق ومخالف دونوں اطراف میں ہم خود ہی کھڑے نظر آتے ہیں، اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اُلجھتے نظر آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دست بستہ دعا ہے کہ میرے اس عمل کو خالص اپنی ذات کے لئے قبول فرمائے اور امت محمدیہ میں اتفاق اور یگانگت پیدا کئے جانے کا سامان بنائے آمین

کیا فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف ہے

۱- کیا فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف ہے یا نہیں؟

۲- اگر امام اعظم کی تصنیف ہے تو وہ کون سی فقہ اکبر ہے آیا امام حماد والی جس کی شرح ملا علی قاری کی ہے یا ابو مطیع بلخی والی جس کی شرح ابو اللیث سمرقندیؒ نے کی ہے؟

اس کے بارے میں ہمارے سامنے چار رائے آتی ہیں جن کو ہم قارئین کی سہولت کے لئے مختصر انداز میں پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد اصل مدعا کی طرف متوجہ ہوں گے۔

پہلی رائے: یہ ہے کہ کوئی بھی فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف نہیں ہے۔

دوسری رائے: یہ ہے کہ امام حماد والی فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف ہے لیکن اس سے زیادہ کی وضاحت نہیں ہے۔

تیسری رائے: یہ ہے کہ امام ابو مطیع والی فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف ہے لیکن امام حماد والی فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف نہیں ہے۔

چوتھی رائے: یہ ہے کہ فقہ اکبر چاہے امام حماد والی ہو یا امام ابو مطیع بلخی والی دونوں امام اعظم کی تصانیف ہیں۔

مندرجہ بالا اجمال کی تفصیل یوں ہے:

نوٹ: اس موقعہ پر یہ بات واضح ہونا از حد ضروری ہے کہ امام حماد والی فقہ اکبر کا نام کبھی تو فقہ اکبر حمادی اور کبھی فقہ اکبر ملا علی قاری کا نام لے کر بیان کی جائے گی اسی طرح فقہ اکبر امام ابو مطیع بلخی والی کبھی تو فقہ اکبر مرویہ اور کبھی فقہ اکبر ابو مطیع بلخی اور کبھی فقہ اکبر سمرقندی والی اور کبھی فقہ ابسط کے نام سے ذکر کی جائے گی اس لئے پہلے سے یہ بات ذہن نشین ہو جانی چاہیے تا کہ بعد میں الجھن پیدا نہ ہو)

پہلی رائے: فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف نہیں ہے۔

اس رائے کے حاملین افراد میں سب سے معروف ایک تو فرقہ معتزلہ کے لوگ تھے ،دوسرے علامہ شبلی نعمانی،اور تیسرے اکثر مستشرقین یورپ ہیں:

فرقہ معتزلہ کا ان کتابوں کے امام صاحب کی تصنیف ہونے سے ان کار کرنے پر جو پس منظر ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔

جس کی تفصیلات علامہ کردری یوں بیان فرماتے ہیں:

فان قلت : ليس لابی حنيفةؓ كتاب مصنف؟

قلتُ : هذا كلام المعتزلة ، ودعواهم انه ليس له فی علمِ الكلامِ تصنيف ، و غرضهم بذلک نفی ان يكون الفقه الاكبر و كتاب العالم و المتعلم له. (الکردری المناقب صفحہ:١٠٨مطبوعہ حیدرآباددکن)

گرتو یہ سوال کرے کہ امام ابوحنیفہؒ کی تصنیف شدہ کوئی کتاب نہیں ہے؟

تو میں جواب دیتے ہوئے کہتا ہوں کہ یہ رائے معتزلہ کی ہے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف شدہ کتاب نہیں ہے،اور اس دعویٰ کے پیچھے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ الفقہ الاکبر اور العالم والمتعلم کی امام صاحب کی تصنیف ہونے سے نفی کی جائے کہ یہ کتب امام صاحب کی نہیں ہیں،

ان کے اس دعوے کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب نے اہل السنۃ والجماعت کے اکثر اصول وضوابط کی تفصیل ان کتب میں ذکر فرمادی ہے اور معتزلہ کے دعویٰ کی اصل یہ ہے کہ چونکہ امام صاحب خود معتزلہ تھے لہٰذا اس قسم کی کوئی کتاب امام صاحب نے تحریر نہیں فرمائی بلکہ بقول ان کے یہ ابوحنیفہ البخاری کی تصنیف ہے جبکہ یہ دعویٰ غلط اور باطل ہے .کیونکہ بقول علامہ کردری ''میں نے علامہ براتقینی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ دونوں کتب اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں اوران پر یہ بھی لکھا ہوا دیکھا ہے یہ دونوں امام ابوحنیفہ کی تصنیف شدہ ہیں،اور اس بات پر امت کے علماء کی ایک کثیر جماعت کا اجماع چلا آرہا ہے جس کا خلاف کرنا ممکن نہیں ہے۔

اور علامہ شبلی فقہ اکبر کے تعارف میں فرماتے ہیں:

''فقہ اکبر عقائد کا ایک مختصر رسالہ ہے مسائل اور ترتیب قریب قریب وہی ہے جو عقائد نسفی وغیرہ کی ہے، یہ رسالہ چھپ گیا اور ہر جگہ مل سکتا ہے لوگوں نے اس پر شرح بھی لکھی ہیں، مثلا محی الدین محمد بن بہاء الدین المتوفی ۹۳۵ھ، مولی الیاس بن ابراہیم السنیوبی، مولی احمد بن محمد المغنیساوی، حکیم اسحاق، شیخ اکمل الدین، ملا علی قاری، ملا علی قاری کی شرح متداول ہے یعنی اور شرحوں کے نسخے بھی جابجا قلمی پائے جاتے ہیں، حکیم اسحاق کی شرح کو ابوالبقاء احمد نے ۹۱۸ھ، میں نظم کیا اور اصل کتاب کو ابراہیم بن حسام نے جو شریفی کے نام سے مشہور ہیں''

اس دعویٰ کے بعد علامہ شبلی نعمانی ہی چند صفحات پر مشتمل بحث میں یہ ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف نہیں ہے، اور اپنے اس دعوے کے اثبات میں جو دلائل آپ نے پیش فرمائے ہیں ان کا خلاصہ یوں ہے:

آپ فرماتے ہیں فقہ اکبر کو اگرچہ فخر الاسلام بزدوی، عبد العلی بحر العلوم، وشارحین فقہ اکبر نے امام صاب کی طرف منسوب کیا ہے لیکن مشکل سے ہم یقین کر سکتے ہیں:

(۱) فقہ اکبر جو امام حماد بن ابو حنیفہ کی روایت سے ہے اس کے رد میں علامہ شبلی کی تحقیقات کا خلاصہ یوں ہے:

۱- یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف بیان کی جاتی ہے اس وقت تک یہ طرز تحریر پیدا نہیں ہوا تھا۔

۲- یہ کتاب بطور ایک متن کے ہے اور اس اختصار اور ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے جو متاخرین کا خاص انداز ہے۔

۳- ایک جگہ اس میں جوہر وعرض کا لفظ آیا ہے حالانکہ یہ فلسفیانی الفاظ اس وقت تک زبان میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

(۲) وہ اکبر جو امام ابو مطیع حکم بلخی کی روایت سے ہے اس کے رد میں فرماتے ہیں:

۱- اصول روایت کے لحاظ سے بھی یہ امر ثابت نہیں ہوتا...... ابو مطیع بلخی جو اس کتاب کے راوی ہیں حدیث و روایت میں چنداں معتبر نہیں کتب رجال میں ان کی نسبت محدثین نے نہایت سخت ریمارک (تنقید) کی ہے۔ اگرچہ میں ان کو کلیتاً تسلیم نہیں کرتا تاہم ایک ایسی مشتبہ کتاب جس کا ثبوت صرف ابو مطیع بلخی کی روایت پر منحصر ہو محدثانہ اصول پر قابل تسلیم نہیں ہو سکتی، میرا خیال ہے کہ ابو مطیع نے ایک رسالہ میں بطور خود عقائد کے مسائل قلم بند کئے تھے رفتہ رفتہ وہ امام صاحب کی طرف منسوب ہو گیا۔

۲- میرا یہ بھی خیال ہے فقہ اکبر کی موجودہ ترتیب و عبارت ابو مطیع کے زمانہ سے بھی بہت بعد کی ہے۔

۳- بلاشبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔

(سیرۃ النعمان: ۸۶،۵۲: اسلامی کتب خانہ لاہور (و) ۱۴۱، ۱۴۹: مطبوعہ کتب خانہ انجمن حمایت اسلام لاہور)

دکتور محمد بن عبدالرحمٰن الخمیس اصول الدین عند ابی حنیفہ کے حاشیے میں رقم طراز ہیں:

"ممن تکلم فی نسبة هذه الکتب الی الامام ابی حنیفة من الکتاب المعاصرین 'کارل بروکلمان' ،فقد نفی نسبة هذه الکتب کلها الی ابی حنیفة ،وتبعه علی ذلک 'فؤاد سیزکین' ،حیث یری ان هذه الکتب من عمل تلامذة الامام ابی حنیفة رحمة الله تعالیٰ سوی رسالته الی عثمان البتی ، فانها من عمل یده ،اما' ارنذجان ونشنک' فقد نفی صحة کتاب الفقه الاکبر وصحح نسبة الفقه الابسط الیه ،وتابعه 'محمد ابوزهره' فی تشکیک فی نسبة الفقه الاکبر الی الامام ابی حنیفة ، اما 'احمد امین' فیری ان الفقه الاکبر الذی بین ایدینا اساسه

صحيح النسبة الى ابى حنيفة و انه زيد عليه؛
انظر تاريخ الادب العربى لبروكلمان ٢٣٧ ج ٣، وتاريخ التراث لفؤادسيزكين ٣١، ٣٢ ج ٢ وعقيدة الاسلام ١١٦، ١٢٣ وكتاب ابو حنيفة وآراؤه الفقهية لابى زهرة ١٨٦، ١٨٧ وضحى الاسلام لاحمد امين ١٩٨ ج ١"

(اصول الدین:۱۱۵)

مستشرقین میں سے جن لوگوں نے امام اعظم کی طرف ان کتب کی نسبت سے بحث کی ہے ان میں کارل بروکلمان وہ شخص ہے جس نے تاریخ الادب العربی ۲۳۷ج ۳ میں ان کتب کی امام صاحب کی طرف نسبت سے انکار کیا ہے، اور اس کی پیروی کرتے ہوئے 'فؤادسزگین' نے تاریخ التراث ۳۱، ۳۲ ج ۲ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ کتب امام صاحب کے تلامذہ کی مرتب کردہ ہیں سوائے عثمان البتی کے نام لکھے ہوئے خط کے، کیونکہ وہ امام صاحب کا اپنا لکھا ہوا ہے۔ اور 'ارنڈ جان ونسک' کے بارے میں صاحب عقیدۃ الاسلام ۱۱۶، ۱۲۳ انے لکھا ہے کہ اس نے فقہ اکبر کی امام صاحب کی طرف نسبت کرنے سے انکار کیا ہے لیکن فقہ ابسط کو امام صاحب کی تصنیف مانا ہے اور استاد 'ابوزہرہ' نے اپنی کتاب ابوحنیفہ وآراؤہ الفقہیہ ۱۸۶، ۱۸۷ میں فقہ اکبر کے امام صاحب کی طرف منسوب کرنے کے بارے میں شک ظاہر کر کے انہی کی تقلید کی ہے، البتہ 'احمد امین' مصری نے ضحیٰ الاسلام ۱۹۸ ج ۱ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ فقہ اکبر جو ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ امام صاحب کی تصنیف ہے۔

دوسری رائے، دونوں فقہ اکبر امام اعظم کی تصانیف ہیں:

دوسری رائے اس رائے کہ دو حصے ہیں:

پہلا حصہ یہ ہے کہ فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف ہے لیکن اس دعوے میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ وہ کون سی فقہ اکبر ہے؟

دوسرا حصہ یہ ہے کہ دونوں فقہ اکبر چاہے امام حماد کی روایت کردہ ہو یا امام ابو مطیع بلخی

کی روایت کردہ ہو دونوں امام اعظم کی تصانیف ہیں۔

دوسری رائے کا پہلا حصہ:

شیخ ابن ندیم نے اپنی معروف زمانہ کتاب بنام فہرست میں فرمایا:

وللامام رحمه الله تعالیٰ الفقه الاكبر ، وكتاب رسالة البتی، وكتاب العالم والمتعلم رواه عنه ابو مقاتل ، وكتاب الرد علی القدریه ، والعلم براً وبحرًا ، شرقاً وغرباً وقرباً وبعداً ، تدوينه رضی الله عنه

اور امام اعظم کی تصانیف میں سے 'فقہ اکبر' 'رسالہ بنام عثمان البتی' 'عالم ومتعلم' 'رسالہ ردعلی قدریہ' ہیں، اور بر و بحر، مشرق ومغرب، دور ونزدیک، ہر طرف پھیلا ہوا علم آپ ہی کی تدوین کا ثمرہ ہے۔

ان دونوں فقہ اکبر نامی کتب میں حضرت امام اعظم نے اہل السنّت والجماعت کے عقائد ونظریات کی توضیح وتشریح کی ہے، اور اس زمانے میں موجود بعض فرق باطلہ کے عقائد ومزعومات کی تردید وتنقید کی ہے۔ اور ان کے بارے میں یہ رائے دینا کہ

''امام اعظم کی کوئی کتاب نہیں ہے یہ دراصل معتزلہ کی اڑائی ہوئی بات ہے، اس امر میں ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ حضرت امام اعظم کی تمام تصانیف سے اعتماد ختم کرنا چاہتے تھے۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ امام اعظم نے کوئی کتاب ہی نہیں لکھی''

علامہ عبدالقادر قرشی فرماتے ہیں:

هذا كلام المعتزلة ودعواهم انّه ليس له فی علم الكلام له تصنيف (الجواہر المضیۃ: ۴۶۱ ج ۲)

یہ معتزلہ کی طرف سے اڑائی ہوئی بات ہے اور ان کا یہ دعویٰ ہے کہ امام اعظم کی علم کلام میں کوئی تصنیف نہیں ہے۔

اور ان کے اس دعوے کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام اعظم کے نام کو اپنے مزموم مقاصد کی

اشاعت کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے۔

اسی طرح کی بات علامہ بیاضی نے بھی ارشاد فرمائی:

آپ فرماتے ہیں:

"وانما انکرھا المعتزلة ونسبوھا الی محمد بن یوسف البخاری المعروف بابی حنیفة لما فیھا من ابطال اصولھم الزائغة"

(اشارات المرام:۲۳)

اور اس بات کا معتزلہ نے انکار کیا ہے کہ فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف ہے اور انہوں نے اس کو محمد بن یوسف بخاری کی تصنیف قرار دیا ہے جن کی کنیت ابوحنیفہ تھی۔ اور معتزلہ کی طرف سے اس طرح کی حرکت کے وجہ یہ تھی ان کتابوں سے ان کے مزعومات کا رد ہوتا تھا اس لئے انہوں نے دعویٰ کر دیا کہ امام صاحب نے کوئی کتاب ہی نہیں لکھی تاکہ 'نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری'۔

اور اسی طرح کی بات علامہ کردری نے بھی کہی ہے ان کے الفاظ یوں ہیں:

فان قلتَ لیس لابی حنیفة کتاب مصنف ؟ قلتُ ھذا کلام المعتزلة ، ودعویھم انه لیس له فی علم الکلام تصنیف ، وغرضھم بذلک نفی ان یکون الفقه الاکبر وکتاب العالم والمتعلم له (المناقب للکردری:۱۰۸)

اگر یہ کہے کہ امام صاحب کی تصنیف کہ کوئی کتاب نہیں ہے؟ تو میں یوں کہوں گا کہ یہ معتزلہ کا کلام ہے کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ امام اعظم کی علم کلام میں کوئی تصنیف نہیں ہے۔ معتزلہ کے اس قول کی وجہ یہ ہے وہ فقہ اکبر اور العالم والمتعلم کی امام صاحب کی تصنیف شدہ کتاب ہونے سے نفی کرنا چاہتے تھے

......☆......☆......

دوسری رائے کا دوسرا حصہ اور یہی ہماری رائے بھی ہے اور وہ یہ کہ 'دونوں فقہ اکبر امام

ابو مطیع بلخی والی اور امام حماد بن امام ابو حنیفہ والی ہو امام اعظم کی تصانیف میں سے ہیں۔

ہمارے اس دعوے کے پس منظر میں علامہ عبد الرشید نعمانی، مولانا محمد حسن خان ٹونکی ،علامہ زاہد الکوثری، علامہ عبد المعز حنفی، علامہ بیاضی اور دکتور محمد بن عبد الرحمٰن الخمیس، علامہ محمد علی کاندھلوی، وہبی سلیمان غاوجی، اور علامہ ظفر احمد عثمانی کے خیالات قابل ذکر ہیں:

ہم نے اس موضوع پر دیکھا ہے کہ جتنے حضرات نے بھی ایک فقہ اکبر کو امام اعظم کی تصنیف مان کر دوسری کا انکار کیا تھا ان کی بنیادی طور پر درج ذیل وجوہ میں سے کوئی ایک وجہ تھی:

(۱) بعض حضرات نے ایک کتاب سے آگہی اور دوسری تک نارسائی کی وجہ سے ایک کتاب کا امام اعظم کی تصنیف ہونے سے انکار کیا اور دوسری کا اقرار کیا ہے۔

(۲) بعض حضرات نے ان کتب میں مذکور ایک مسئلے سے اتفاق یا عدمِ اتفاق کی وجہ سے ایک کا امام اعظم کی تصنیف ہونے سے اقرار اور دوسری کا انکار کیا ہے۔

(۳) بعض حضرات نے ان نسخوں کی اسناد کو دیکھ کر ایک کی نسبت امام اعظم کی طرف جائز خیال کی اور دوسری کی ناجائز سمجھی۔

(۴) بعض حضرات نے تقلید محض کی وجہ سے ایک کتاب کے امام اعظم کی تصنیف ہونے کا اقرار اور دوسری کا انکار کیا ہے۔

• ہمارا موقف جن حضرات کے خیالات سے ثابت ہوتا ہے انہوں نے ہر دو کتب کو سامنے رکھا اور ان کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام اعظم کی تصانیف ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل میں پیش خدمت ہے

(۱) علامہ زاہد الکوثری نے اپنی تصانیف میں متعدد جگہ اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ یہ تمام کتب حضرت امام اعظم کی ہی ہیں لہذا 'العالم والمتعلم' کی تحقیق کے ساتھ مقدمہ میں آپ نے ان کی اسناد سے بحث کی ہے جس کو یہاں ذکر کرنا موضوع کو طویل کرنے کے مترادف ہے۔ اس کا خلاصہ یوں ہے کہ فقہ اکبر حمادی ہو یا فقہ اکبر مطیعی،

یا العالم والمتعلم ہو یا رسالہ بنام عثمان البتی ، یا وصیت عامہ تمام حضرت امام کی تصانیف ہیں اس میں ان کے مضامین کے پیش نظر کوئی ایسی بات نہیں جس سے ایک کا ان کار اور دوسری کا اقرار کیا جائے۔

علامہ زاہد الکوثری ایک جگہ فرماتے ہیں:

ومما يذكر من مؤلفات الاقدمين من كتب ابی حنيفة رحمه الله تعالیٰ 'كتاب الرأی 'ذكره ابن ابی العوام و كتاب 'اختلاف الصحابه' ذكره ابو العاصم العامری ومسعود بن ابی شيبة و'كتاب الجامع'ذكره العباس بن مصعب فی تاريخ مروو'كتاب السير'و'كتاب الاوسط' و'الفقه الاكبر' و 'الفقه الابسط' و 'كتاب العالم والمتعلم' و 'كتاب الردعلى القدرية' و ' وله رسالة الى عثمان البتی فی الارجاء، وعدة وصايا كتبها لعدة من اصحابه 'وهذه الكتب المشهورة (سیرۃ امام الشیبانی:۱۸)

قدیم احباب میں سے امام اعظم کی کتب کی فہرست جن لوگوں نے مرتب کی ہے اس میں ابو العوام کے بقول 'کتاب الرأے' ابن ابو العاصم کے بقول 'اختلاف الصحابہ' اور عباس بن مصعب کے بقول 'کتاب الجامع' اور علاوہ ازیں 'کتاب سیر' 'فقہ اکبر' 'فقہ ابسط' 'کتاب عالم و متعلم' 'کتاب رد قدریہ' مسئلہ ارجاء میں امام صاحب کا عثمان البتی کے نام ایک 'رسالہ' اور متعدد احباب کے نام متعدد 'وصیتیں' امام اعظم نے تحریر فرمائی ہیں، یہ امام صاحب کی مشہور کتب ہیں۔

علامہ زاہد الکوثری اشارات المرام کے مقدمے میں فرماتے ہیں:

"ومن الكتب المتوارثة عن ابی حنيفة فی العقيدة كتاب الفقه الاكبر رواية .... وكتاب الفقه الابسط رواية .... والعالم والمتعلم رواية .... ورساله ابی حنيفة الى البتی

روایة .... ولابی حنیفة وصایا اخری لعدة من اصحابه"

(اشارات المرام:٦)

امام ابو حنیفہؒ سے علم عقاید میں ہمیں بطور علمی وراثت جو کتب ملی ہیں، ان میں سے ایک تو فقہ اکبر ہے...... دوسری کتاب فقہ ابسط ہے...... اور العالم والمتعلم ہے...... اور ایک رسالہ ہے جو عثمان بتی کے نام آپ نے تحریر فرمایا تھا اور اس کے علاوہ بھی کچھ وصایا ہیں جو آپ نے اپنے مختلف تلامذہ کو تحریر فرمائی تھیں۔

اس عبارت میں جو خالی جگہیں ہیں اس مقام پر علامہ کوثری نے ان کتب کی اسناد اور ان کے مخطوط دنیا میں جہاں محفوظ ہیں ان کے بارے میں تفصیلات ذکر کی ہیں۔

اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہوئے علامہ کوثری فرماتے ہیں:

شرحه بعض الحشویة ، ودست کلمة من الشرح فی روایة عبد اللہ الهروی المجسم فی (الفاروق)باسم الفقه الاکبر ، فتناقلها الحشویة مدی الدهور ، وهی مدرجة فی الروایة ، کما یظهر من شروح اهل السنة للکتاب

اس کی بعض اہل حشو نے شرح لکھی ہے، اور عبداللہ ہروی جو اہل مجسمہ میں سے ہے اس نے الفاروق نامی کتاب میں الفقہ الاکبر کے الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے اور ایک زمانے سے اسی عبارت کی نقل در نقل ہوتی چلی آ رہی ہے اور یہ بات اہل السنّت کی شروح سے صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے

(۲) دکتور محمد بن عبدالرحمٰن الخمیس: ان احباب میں سے ہیں جنہوں نے اسناد کی بنا پر ان رسائل کو قبول یا رد کرنے کا معیار مقرر فرمایا ہے آپ نے جامعہ ملک سعود سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے 'اصول الدین عند الامام ابی حنیفة' کے عنوان پر مقالہ لکھا ہے، اور انہوں نے اس مقالے میں بادل نخواستہ ان کتب کو امام اعظم کی تصانیف ہونا ہی تسلیم کیا ہے اور جن لوگوں نے ان کو امام اعظم کا تسلیم نہیں کیا ان میں زیادہ تر مستشرقین ہیں جن کی

تفصیل انہوں نے حاشیے میں تحریر فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں:

"ینتسب الی الامام ابی حنیفة الکتب التالیة : ۱ .الفقه الاکبر بروایة حماد بن ابی حنیفة . ۲ .الفقه الاکبر بروایة ابی مطیع البلخی ویسمی بالفقه الابسط. ۳.العالم والمتعلم بروایة ابی مقاتل السمرقندی. ۴.رسالة الامام ابی حنیفة الی عثمان البتی بروایة ابی یوسف ۵.الوصیة بروایة ابی یوسف.'والیک التعریف بکل کتاب مع بیان نسبة الی مؤلفه لنستخرج منه. النتیجة وهل هی صحیحة النسبة الی ابی حنیفة ام هی باطلة غیر صحیحة " (اصول الدین:۱۱۵)

امام اعظم کی طرف جو کتب منسوب کی جاتی ہیں وہ یہ ہیں ا:فقہ اکبر حماد ابی ابوحنیفہ کی روایت کے ساتھ،۲:فقہ اکبر ابومطیع بلخی کی روایت کے ساتھ اوراس کو فقہ ابسط کا نام بھی دیا جاتا ہے،۳:العالم والمتعلم ابومقاتل سمرقندی کی روایت کے ساتھ،۴:امام ابوحنیفہ کا عثمان بتی کے نام خط امام ابو یوسف کی روایت کے ساتھ،۵:اور وصیت امام ابو یوسف کی روایت کے ساتھ اور آپ کے سامنے ہر ایک کتاب کی حقیقت بیان کرتے ہیں تا کہ معلوم ہو سکے کہ کس کا انتساب امام اعظم کی طرف درست ہے اور کس کا درست نہیں ہے

دکتور صاحب فقہ اکبر کا تعارف پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وهی رسالة تشتمل علی اصول الدین ، کمسائل الصفات والایمان والقدر والنبوة والمعاد بعبارة سهلة وجیزة من غیر ادلة تفصیلیة .... ونالت هذه الرسالة شهرة واسعة وتصدی لشرحها غیر واحد من اهل العلم حتی بلغ عدد شروحها حوالی خمسة عشر شرحا لازال کثیرا منها مخطوطا ما عدا شرحی القاری والمغنساوی فهما مطبوعان (اصول الدین:۱۱۶)

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جو اصول دین کے مسائل پر مشتمل ہے جس میں مسائل صفات باری، ایمان، تقدیر، نبوت، معاد یوم المیعاد، کو مختصر لیکن آسان عبارت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور اس میں تفصیلی دلائل نہیں بیان کئے گئے ....اور اس رسالے کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوگئی ہے اور بہت سارے اہل علم نے اس کی شروحات بھی لکھی ہیں جن کی تعداد پندرہ کے قریب ہے اور ان میں سے اکثر مخطوط ہیں البتہ ان میں ملا علی قاری اور علامہ مغنساوی کی شرح طبع ہوگئی ہے

یہ تو دکتور صاحب کی تحقیق ہے لیکن اب تو اور بھی شروح چھپ چکی ہیں جن میں القول الفصل ترکی سے اور نور الظلم پشاور علامہ عبد العلی فرنگی محلی المعروف بحر العلوم کی شرح کراچی سے چھپ گئی ہیں

اور مصنفین میں سے جس نے اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے ان کے نام بھی دکتور نے پیش کئے ہیں جن کی تفصیل یوں ہے

ابن ندیم اپنی کتاب الفہرست: ۲۵۶ میں

عبد القادر بغدادی الشافعی نے اپنی کتاب الفرق بین الفرق: ۲۲۰، اور اصول الدین: ۳۰۸ میں

ابوالمظفر اسفرائنی نے اپنی کتاب، التبصرۃ فی الدین: ۱۱۳ میں

بزدوی نے اپنی کتاب، اصول الدین میں اور کشف الاسرار: ۷ ج ۱ میں

ابن تیمیہ نے اپنے مجموعہ فتاوی: ۴۶ ج ۵ میں

ابن القیم نے اپنی کتاب اجتماع جیوش الاسلامیہ: ۱۳۸ میں

علامہ ذہبی نے اپنی کتاب المشتبہ: ۱۲۷ ج ۱ میں

ابن ابی العز نے اپنی کتاب شرح عقیدۃ طحاویہ: ۴، ۵۰، ۱۰۸، ۱۵۳ میں

اسماعیل بغدادی نے اپنی کتاب ھدیۃ العارفین: ۴۹۵ ج ۲ میں

حاجی خلیفہ نے اپنی کتاب کشف ظنون: ۱۲۸۷ ج ۲ میں

محمود شکری آلوسی نے اپنی کتاب غایۃ الامانی: ۴۴۸ ج ا میں

ان تمام حضرات نے امام اعظم کی اس فقہ اکبر کا تعارف پیش کیا ہے جو امام حماد بن ابی حنیفہ کی روایت سے منقول ہے اور جس کی شرح ملاعلی قاری نے کی ہے، اور دکتور نے خود بھی الفقہ المیسر کے نام سے اس کتاب کی شرح کی ہے جو مطبوع ہے اور سعودی عرب کی وزارۃ شؤون الاسلامیہ اس کو حجاج کرام میں کئی بار تقسیم بھی کر چکی ہے۔

اور فقہ اکبر جو ابو مطیع بلخی کی روایت سے منقول ہے اس کا تعارف کرواتے ہوئے دکتور محمد الخمیس فرماتے ہیں:

وهو رسالة يجيب فيها الامام ابو حنيفة، عن اسئلة تلميذه ابى مطيع البلخى، وهى مغايرة تماما لرواية حماد بن ابى حنيفة، حيث ان هذه الرسالة عبارة عن اجوبة مفصلة لاسئلة ابى مطيع، بخلاف رواية حماد بن ابى حنيفة فهى عبارة عن عرض مجمل وسهل لمسائل اصول الدين، والآراء التى تحتويها هذه الرسالة لا تختلف غالبا عن الآراء الموجودة فى رسائله الاخرى المنسوبة اليه، غير انّه اسهب فى مسائل القضاء والقدر وبعض مسائل الايمان، ويظهر .والله اعلم. انها ليست من تاليف الامام مباشرة، بل من تاليف تلميذه ابى مطيع البلخى، جمع فيها امالى الامام واقواله .لذا يقول الذهبى عن ابى مطيع البلخى :(صاحب كتاب الفقه الاكبر)، فهى اشارة منه الى ان الكتاب ليس من تاليف الامام رحمه الله تعالىٰ، وانما هو تاليف ابى مطيع البلخى .وكذا قال اللكنوى : (ابو مطيع صاحب ابى حنيفة وصاحب كتاب الفقه الاكبر) (اصول الدين:۱۲۰)

یہ ایک ایسا رسالہ ہے جس میں امام ابو حنیفہ اپنے شاگرد ابو مطیع کے سوالات کے

جوابات دیتے ہیں، اور یہ فقہ اکبر حماد بن ابوحنیفہ والی فقہ اکبر سے بالکل مختلف ہے، اس لئے کہ اس رسالے میں سوال وجواب ہیں جبکہ حماد والے رسالے میں عقائد سے متعلق ایک سادہ اور مختصر تحریر ہے، ہاں اتنی بات ہے کہ ان رسائل میں عقائد کے لحاظ سے کوئی آپسی اختلاف نہیں ہے، البتہ اس رسالے میں قضاوقدر اور ایمان کے بارے میں بعض مسائل گہرائی سے بیان کئے گئے ہیں، اس سے یوں معلوم ہوتا ہے .اللہ تعالیٰ حقیقت کو جانتا ہے. کہ یہ امام ابوحنیفہ کی براہ راست تصنیف نہیں ہے بلکہ ابو مطیع کی تصنیف ہے، اور انہوں نے امام ابوحنیفہ کی امالی تیار کی ہے جس میں امام صاحب کے اقوال کو جمع کر دیا ہے۔

اسی وجہ سے علامہ ذہبی جب ابومطیع کا تعارف کرواتے ہیں ابومطیع کو 'صاحب کتاب فقہ اکبر' کہتے ہیں اس سے بھی یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ کی تالیف نہیں ہے بلکہ ابومطیع کی تالیف ہے۔

اور اسی طرح لکھنوی نے بھی ابومطیع کے تعارف میں لکھا ہے کہ 'ابومطیع جو امام ابوحنیفہ کا ساتھی اور صاحب فقہ اکبر ہے'

قبل ازیں کہ ہم دکتور صاحب کی اس کتاب کو امام اعظم کی کتاب نہ ماننے کی وجوہات کا جواب دیں انہوں نے اسی عبارت کے حاشئے میں ایک پیراگراف لکھا ہے، جو قارئین کی نظر کرنا بہت مفید ہے دکتور فرماتے ہیں۔

وهو المطبوع باسم الفقه الابسط تمييزاً له عن الفقه الاكبر برواية حماد بن ابى حنيفة ، ولم يعرف باسم الفقه الابسط الا عند بعض الحنفية المتأخرين ، كالبياضى فى اشارات المرام: ۲۸ ؛ والزبيدى فى اتحاف سادات المتقين ۱۴ ج ۱ ؛ وقد نقل منه ابن تيمية فى الحموية ضمن مجموعه الفتاوى ۴۶ ج۵ ؛ وابن قدامة فى العلو: ۱۰۱ ؛ وابن القيم فى اجتماع الجيوش :۷۳.

والذهبی فی العلو: ۱۰۱ ؛وسموه الفقه الاکبر ؛هذا وقد نشره محمد زاهد الکوثری فی القاهرة سنة :۱۳۶۸ھ ؛وطبع فی الهند مع شرح محمد بن محمود الحنفی السمرقندی سنة :۱۳۲۱ھ ؛ وله کذلک شرح آخر بعنوان نظم الدرر فی شرح الفقه الاکبر تالیف عبید الله المفتی طبع :۱۴۰۵ھ

(اصول الدین:۱۱۹)

یہ رسالہ فقہ ابسط کے نام سے بھی چھپا ہوا ہے اور اس کے اس نام سے حماد بن ابی حنیفہ والی فقہ اکبر سے فرق کیا گیا ہے، اور فقہ ابسط کا نام بعض متاخرین ائمہ احناف نے استعمال کیا ہے، ان میں علامہ بیاضی ، اشارات المرام :۲۸ میں ؛ اور علامہ زبیدی ، اتحاف سادات المتقین ۱۴ج ۱ میں ؛ اور انہی سے امام ابن تیمیہ نے الحمویہ میں مجموعہ الفتاوی ۴۶ ج ۵ کے ضمن میں نقل کیا ہے؛ اور امام ابن قدامہ اپنی کتاب العلو:۱۰۱ میں ؛ اور امام ابن القیم نے اپنی کتاب اجتماع الجیوش :۳۷ میں نقل کیا ہے ،اور علامہ ذہبی نے اپنی کتاب العلو:۱۰۱ میں ؛اسی کو فقہ اکبر کے نام سے نقل کیا ہے؛

یہ تو ائمہ قدیم کی بات ہے لیکن جدید ائمہ و اکابر میں سے اسی کتاب کو علامہ محمد زاہد الکوثری نے قاہرہ سے سنۃ :۱۳۶۸ھ میں فقہ ابسط کے نام سے شائع کیا ہے؛ اور ہندوستان کے حیدر آباد دکن میں محمد بن محمود حنفی سمرقندی کی شرح کے ساتھ سنۃ :۱۳۲۱ھ میں طبع ہوئی ہے؛ اور اس کی ایک اور شرح ہے جو 'نظم الدرر فی شرح الفقہ الاکبر' کے عنوان سے عبید اللہ المفتی کی تالیف ہے۔

دکتور محمد الخمیس اس کتاب سے دو وجہ سے اپنا اعتماد کھو دیتے ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ ان کے خیال میں یہ امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں ہے؟ ہم اس کا جواب تو بعد میں مفصل دیں گے لیکن فی الوقت اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ یہ بات صدر اوّل میں کتب کی انداز تالیف سے دکتور صاحب کی ناآشنائی کا نتیجہ ہے کیونکہ مسند احمد بن حنبل بھی تو

ان کے بیٹے اور کئی دوسرے تلامذہ کی خامہ فرسائیوں کا نتیجہ ہے اسی طرح بخاری بھی تو کئی تلامذہ کے نسخوں کو سامنے رکھ کر اس مقام تک پہنچی ہے اسی طرح مؤطا امام مالک بھی تو پندرہ مختلف تلامذہ کی محنت کا ثمرہ ہے اور امام اعظم کو اگر ایسے تلامذہ میسر نہیں آئے جو ان کی سترہ مسانید کو جمع کرتے۔ اس سے یہ تو نہیں اخذ جاسکتا کہ وہ مسانید یا وہ کتب جو امام اعظم کی صحبت سے فیض یابی کا نتیجہ ہیں وہ امام اعظم کی تصنیف ہی نہیں ہیں۔ اصل میں صدر اول میں تمام اساتذہ اپنے تلامذہ کو ان کا سبق املاء ہی کروایا کرتے تھے۔ بعد میں کوئی صاحب فن اس کو مرتب کرلیا کرتا تھا اس طرح کتاب وہ اسی مصنف کی ہوتی تھی جس نے اس کو لکھوایا ہوتا۔ اسی طرح فقہ اکبر یا فقہ ابسط حضرت امام ہی کی کتاب ہے اس کو جمع کرنے یا مرتب کا کام ابو مطیع بلخی کے حصے میں آیا ہے۔

اور دوسری وجہ یہ کہ ابو مطیع بلخی پر جو تنقید کی جاتی ہے:

"فاهل العلم متفقون على انه لايحتج به في الرواية لكونه متهما ، بل كذبه ابو حاتم ، وتتابع اهل العلم على تضعيفه ، فمثله لا يعتمد عليه ' (اصول الدین:۱۲۳)

کہ اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ ان کی روایت کو قابل اعتماد نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ ان کو متہم راوی کہا گیا ہے اور ابو حاتم نے ان کی تکذیب کی ہے۔ اکثر اہل علم نے ان کی تضعیف کی ہے

اگر اس تنقید کو مبنی بر حقیقت مان بھی لیا جائے تو یہ ساری تنقید ان کے روایت حدیث کے حوالے سے ہے جبکہ علم فقہ میں انکو امام قرار دیا جاتا ہے اور ان کے اس رسالے میں مذکور مسائل کو تو دکتور صاحب خود فرما چکے ہیں

"والآراء التي تحتويها هذه الرسالة لا تختلف غالبا عن الآراء الموجودة في رسائله الاخرى المنسوبة اليه ،غير انّه اسهب في مسائل القضاء والقدر وبعض مسائل الايمان" (اصول الدین:۱۲۰)

اس رسالے میں جتنے مسائل مذکور ہیں وہ دوسرے رسائل میں مذکور مسائل سے مختلف نہیں ہیں اگر چہ اس رسالے میں قضا وقدر اور بعض مسائل ایمان کو وسعت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں دکتور صاحب تنقید کس بنا پر فرما رہے ہیں۔ اگر ان کے بیان کردہ مسائل امام صاحب کی طرف منسوب دوسری کتب سے مختلف نہیں ہیں، بلکہ بعض مسائل میں ابو مطیع نے زیادہ وضاحت کی ہے تو یہ شخصیت قابل اعتماد ہونی چاہئے۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ ائمہ رجال نے ان پر تنقید کی ہے تو اس سلسلے میں مقدمے میں حضرت الاستاذ سرفراز صفدر کی تحقیقات قابل دید اور تبرید نواظر ہیں۔

(۳) علامہ وہبی سلیمان غاوجی امام اعظم کی سوانح 'ابوحنیفۃ النعمان' میں آپ کی تالیفات کا تذکرہ کرتے ہوئے مقدمہ تعلیم کی تعلقات مصنفہ علامہ عبد الرشید نعمانی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

> لقد ثبت انه رحمه الله تعالیٰ الف فی علم الکلام الفقه الاکبر والفقه الابسط وکتاب العالم والمتعلم وکتاب الرساله الی مقاتل بن سلیمان صاحب التفسیر ، وکتاب الرساله الی عثمان فقیه بصرة ، وکتاب الوصیة وهی وصایا عدة لاصحابه رحمهم الله تعالیٰ (ابوحنیفۃ النعمان:۲۸۲)

یہ بات ثابت ہے کہ امام اعظم نے علم کلام میں فقہ اکبر، فقہ ابسط ، کتاب العالم والمتعلم ،ایک رسالہ مقاتل بن سلیمان صاحب تفسیر کے نام اور ایک رسالہ فقیہ بصرہ عثمان بتی کے نام اور اپنے متعدد احباب کے نام مختلف وصیتیں تحریر فرمائی ہیں۔

(۴) علامہ یوسف عبد الرزاق محقق اشارات المرام اپنی اسی تحقیق کے مقدمے میں تحریر کناں ہیں:

> شرح به مختصره الموسوم "بالاصول المنیفة للامام ابی حنیفة

" الـذی جمعه من نصوص کتب الامام ابی حنیفة رضی الله عنه ، التـی امـلاهـا عـلـی اصـحابه من الفقه الاکبر روایة ابنه حماد ،والـفـقـه الابسـط روایة ابی مطیع الحکم بن عبد الله البلخی ، والـوصیة ، والرسالة الی ابی عثمان البتی فی الارجاء ، کلتاهما روایة الامـام ابی یوسف الانصاری ، والعالم والمتعلم روایة ابی مقاتل حفص بن سلم السمرقندی. (اشارات المرام:۱۲)

علامہ بیاضی نے اپنے اس مختصر رسالے موسوم ''اصول منیفہ'' کی شرح لکھی یہ رسالہ انہوں نے امام صاحب کی کتب کی عبارات میں سے جمع کیا تھا جس کو خود امام صاحب نے اپنے تلامذہ کے ذریعے لکھوایا تھا، اس میں امام صاحب کی کتب میں سے ایک تو فقہ اکبر ہے جس کو امام صاحب کے بیٹے حماد نے روایت کیا تھا؛ اور فقہ ابسط جس کو امام ابو مطیع بلخی نے روایت کیا ہے؛ اور وصیت اور رسالہ بنام عثمان بتی جو مسئلہ ارجاء پر لکھا تھا یہ دونوں امام ابو یوسف کی روایت کے ساتھ منقول ہیں؛ اور العالم والمتعلم جو ابو مقاتل کی روایت کے ساتھ منقول ہے۔

(۵) شارح عقیدہ طحاویہ کا دعویٰ:

شارح عقیدہ طحاویہ علامہ عبدالمعز (حنفی مذہبا، حنبلی عقیدتاً) نے اپنی کتاب شرح عقیدہ طحاویہ میں چار مقامات پر اسی ملا علی قاری والے نسخے سے استدلال کیا ہے اور ایک مقام پر ابو مطیع والے نسخے سے استدلال کیا ہے:

پہلا مقام:

" فـانـه لما کان علم اصول الدین اشرف العلوم اذ شرف العلم بشـرف الـمـعـلوم ، وهو الفقه الاکبر بالنسبة الی فقه الفروع ، ولهـذا سمّی الامام ابو حنیفة رحمه الله تعالیٰ ما قاله وجمعه فی اوراق من اصول الدین الفقه الاکبر " (شرح عقیدۃ الطحاویہ ص۴)

لٰہذا جب علوم میں سے افضل ترین علم اصول الدین کا علم ہے اور وجہ یہ ہے کہ کسی علم کی فضیلت اس کے ذریعے جانے والی شخصیت کے لحاظ سے ہے اسی لئے فروعات کی فقہ کے مقابلے میں اس کو فقہ اکبر کہا گیا ہے، اور اسی لئے امام اعظم نے جو کچھ کہا ہے، اور جو کچھ ان کے تلامذہ نے ان کے کہے ہوئے کو اوراق میں جمع کیا ہے اس کو اصول دین کے نام سے جمع فرمایا ہے، اور یہی وہ کتاب ہے جو بعد میں فقہ اکبر کہلاتی ہے"

اس عبارت میں چونکہ کسی خاص مسئلے کی وضاحت نہیں ہے اسلئے یہاں سے کوئی مخصوص نسخہ مراد لینا درست نہیں ہے۔

دوسرا مقام: "امام ابوحنیفہؒ کا فقہ اکبر میں اس طرح کلام ہے:

لا یشبہ شیئا من خلقہ....وصفات کلھا خلاف صفات المخلوقین "یعلم لا کعلملنا ویقدر لا کقدرتنا ویری لا کرؤ یتنا..." (شرح عقیدۃ الطحاویہ ص۵۰)

اس کی مخلوقات میں سے اس کے مشابہ کوئی چیز نہیں ہے ---اور اس کی ساری صفات اس کی مخلوقات کی صفات کے خلاف ہیں، وہ جانتا ہے لیکن ہمارے جاننے کی طرح نہیں جانتا، اور وہ قدرت رکھتا ہے لیکن ہماری طرح کی قدرت نہیں رکھتا، اور وہ دیکھتا ہے لیکن ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں دیکھتا۔

یہ مسئلہ ابومطیع والی فقہ اکبر میں موجود نہیں ہے البتہ حماد بن ابوحنیفہ میں یہ مسئلہ موجود ہے۔

تیسرا مقام:

شارح عقیدہ طحاویہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی حقیقت بیان کرنے کے دوران ارشاد فرماتے ہیں:

"بل کلام اللہ محفوظ فی الصدور، مقروء بالالسن، مکتوب فی المصاحف" (شرح عقیدۃ طحاویہ:۱۰۸)

بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام سینوں میں محفوظ ہوتا ہے زبانوں سے تلاوت کیا جاتا ہے، اور مصاحف میں لکھا جاتا ہے۔

یہ عبارت بھی امام اابوحنیفہ کی ملاعلی قاری والی فقہ اکبر میں ہے ابومطیع بلخی والی فقہ اکبر میں نہیں ہے۔

چوتھا مقام:

شارح عقیدہ طحاوی اس مقام پر جہاں اللہ تعالیٰ کے اعضاء کا تذکرہ ہے وہاں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں" امام ابوحنیفہؒ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں

"لہ ید ووجہ ونفس کما ذکر تعالیٰ فی القرآن من ذکرِ الید والوجہ والنفس فھو لہ صفة بلا کیف ولایقال ان یدہ قدرتہ ونعمتہ' لان فیہ ابطال الصفة (شرح عقیدۃ طحاویہ:۱۵۳)

اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ ہیں چہرہ ہے نفس ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہاتھ چہرے اور نفس کے بارے میں بیان کیا ہے، اور یہ تمام اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات ہیں جو بلا کسی کیفیت کے ہیں، اس کے بارے میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس سے مراد ان کی قدرت یا نعمت کا ہاتھ ہے کیونکہ ایسا گمان کرنے سے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کا بطلان لازم آتا ہے۔

یہ مذکورہ مسئلہ اگر چہ فقہ اکبر اور فقہ ابسط دونوں میں منقول ہے لیکن الفاظ صرف امام حماد والی فقہ اکبر میں مذکور ہیں؛ یہی رائے ہماری طرف سے ہے اب اور اگر کوئی صاحب اتنی واضح بات کو بھی تسلیم نہ کرے تو اپنی ہٹ دھرمی کا جواب دینا اسکا حق ہے؟

پانچواں مقام:

ایک مقام پر شیخ عبدالمعز نے فقہ اکبر ابومطیع بلخی سے استدلال کیا ہے، آپ شرح عقیدہ طحاویہ میں باری تعالیٰ کے استوی علی العرش کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انہ سأل ابا حنیفة عمن قال : لا اعرف ربی فی السماء ام فی

الارض فقال قد کفر لان اللہ یقول ﴿الرحمن علی العرش استوی ﴾وعرشہ فوق سبع سماواتہ . قلت : فان قال انه علی العرش ولکن لا ادری العرش فی السماء ام فی الارض قال ھو کافر لانه انکر انه فی السماء فمن انکر انه فی السماء فقد کفر ، وزاد غیرہ : لان اللہ فی اعلی العلیین وھو یدعی من اعلی لا من اسفل (شرح عقیدہ طحاویہ:۲۲۰)

ابو مطیع فرماتے ہیں: میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا: اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو یہ کہتا ہے 'مجھے نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں ہے'؟

آپ نے جواب دیا کہ ایسا شخص کافر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ﴿رب رحمٰن عرش بریں پر مستوی ہوا﴾ اور اللہ تعالیٰ کا عرش ساتویں آسمان سے اوپر ہے۔

ابو مطیع فرماتے ہیں: میں نے پوچھا: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں یہ تو جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں ہے تو اس کے بارے میں کیا رائے ہونی چاہئے؟

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ایسا شخص بھی کافر ہے۔ کیونکہ اس نے عرش کے آسمانوں پر ہونے سے ان کار کیا ہے۔ اور جو شخص عرش کے آسمانوں میں ہونے سے ان کار کرتا ہے وہ بھی کافر ہے۔ (بعض نسخوں میں عبارت کا مزید اسطرح اضافہ ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ اعلی العلیین میں ہیں اور ان سے دعا بھی اوپر کی طرف منہ کر کے مانگی جاتی ہے نہ کہ نیچے کی طرف منہ کر کے۔

یہ عبارت فقہ اکبر مرویہ میں مذکور ہے لیکن فقہ اکبر ملا علی قاری میں نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ شیخ دونوں فقہ اکبر کو امام اعظم کی تصنیف مانتے ہیں

(۶) علامہ بیاضی نے امام اعظم کی علم کلام پر جن کتب کی نشان دہی کی ہے وہ تعداد میں پانچ ہیں اور انہی پانچ کتابوں کو سامنے رکھ کر انہوں نے ایک نیا متن مرتب کیا تھا جسکا نام

'الاصول المنیفۃ للامام اعظم ابی حنیفۃ' ہے اور وہ بھی مطبوعہ ہے اور اس کے بعد اس کی خود ہی ایک شرح لکی جسکا نام 'اشارات المرام من عبارات الامام' اور علامہ یوسف عبد الرزاق کی تحقیق کے ساتھ مصر سے ۱۹۴۹ء علامہ زاہد الکوثری کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوئی ہے جس میں تینوں احباب نے اس بات کا اصرار کیا ہے کہ

امام اعظم نے علم کلام کے موضوع پر متعدد کتب تحریر فرمائی ہیں جن میں سے (۱): فقہ اکبر، (۲): فقہ ابسط، (۳): العالم والمتعلم، (۴): رسالہ بنام عثمان بتی، (۵): الوصیۃ، خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

علامہ بیاضی اصول منیفہ میں لکھتے ہیں:

"فهذا ما سئلت جمعه وترتيبه وتهذيبه عن المكررات ، وتقريبه من الاصول المنيفةللامام ابى حنيفة ، جمعتها من نصوص كتبه التى املاها على اصحابه من الفقه الاكبر ،والفقه الابسط ،وكتاب العالم ، والوصية، برواية الامام حماد بن ابى حنيفة ، وابى يوسف الانصارى ،وابى مطيع الحكم بن عبد الله البلخى ،وابى مقاتل حفص بن سلم السمرقندى" (الاصول المنیفۃ:)

یہ وہ رسالہ ہے جس کو جمع کرنے اور مرتب کرنے کے بارے میں اور ان میں سے مکررات کو ختم کر کے ایک نیا رسالہ مرتب کرنے کے بارے میں مجھے بہت لوگوں نے کہا تھا ،اور امام اعظم کے مختلف رسائل کو جمع کر کے جو رسالہ بنام اصول منیفہ میں نے مرتب کیا تھا اور اس میں امام صاحب کی وہ کتب جن کو انہوں نے اپنے اصحاب کو املاء کروایا تھا ان میں فقہ اکبر، فقہ ابسط ،عالم و متعلم ،اور وصیت جنکو امام حماد بن ابو حنیفہ، ابو یوسف انصاری ابو مطیع بلخی ابو مقاتل نے روایت کیا ہے۔

ایک بہت بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ان کتب کو ائمہ احناف میں سے کسی نقل نہیں کیا جس کی وجہ سے ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اس کے لئے علامہ بیاضی کی کتاب میں ایک طویل

پیراگراف ہے جس کا ترجمہ ہم یہاں ہدیہ قارئین کرتے ہیں:

''امام بزدوای نے 'اصول' کے ابتدا میں فقہ اکبر کا اور کتاب العالم، اور رسالہ کا ایک جملہ نقل کیا ہے، اسی طرح مذکورہ کتب میں سے بعض مسائل اور حسام الدین سغناقی نے 'الکافی' میں؛ اور قوام الدین اتقانی نے 'الشامل' میں؛ اور جلال الدین کرلانی نے 'الشافی' میں؛ اور قوام الدین الکاکی نے 'بیان الاصول' میں؛ بخاری نے 'البرھان' میں؛ علاء الدین بخاری نے 'الکشف' میں؛ اکمل الدین بابرتی نے 'التقریر' میں نقل کیا ہے۔

(۱) امام ہمدانی نے پورا رسالہ 'خزانہ الاکمل' میں نقل کیا ہے؛ اور امام ناطفی نے 'الاجناس' میں نقل کیا ہے۔

(۲) کتاب العالم کے بہت سارے مسائل علامہ نسفی نے 'المناقب' میں؛ اور خوارزمی نے 'مناقب' اور 'کردری نے مناقب' میں اور امام سبذمونی نے 'الکشف' میں؛ اور اس کے بعض مسائل 'محیط برہانی' کے باب نکاح اہل الکتاب میں۔

(۳) اور فقہ اکبر کے بعض مسائل محمد بن الیاس نے اپنے 'فتاوی' میں؛ اور ابن ہمام نے 'المسایرہ' میں۔

(۴) اور فقہ ابسط کے بعض مسائل امام نسفی نے 'التبصرہ' کی فصل التقلید میں؛ نور الدین بخاری نے 'الکفایہ' کی فصل التنزیہ میں؛ حافظ الدین نسفی نے 'الاعتماد' میں؛ اور 'شرح العمدہ'؛ اور 'کشف المنار'؛ میں ابوالعابد الناطفی نے 'الاجناس' میں؛ قاضی ابوالعلاء الصاعدی نے 'کتاب الاعتقاد' میں؛ ابوشجاع الناصری نے 'برہان ساطع' میں؛ اور امام طحاوی نے 'شرح عقائد' میں؛ محمود القنوی نے اپنی 'شرح عقائد' میں؛ عطاء بن علی جوزجانی نے اپنی 'شرح عقائد' میں۔

(۵) امام اعظم کی وصیت تمام کی تمام صارم مصری نے اپنی نظم 'الجمان' میں نقل کی ہے؛ اور تقی الدین مصری نے 'طبقات السنیۃ' میں؛ محمد بن شحنہ حلبی نے 'شرح الہدایہ' کے ابتدا میں؛ اور اس کے بعض مسائل ابن ہمام نے 'المسایرۃ' میں اور اکمل الدین بابرتی نے اس کی شرح

لکھی ہے۔

یہ تمام ائمہ جنکی تعداد تقریباتیس کے قریب بنتی ہے انہوں نے امام اعظم کی علم عقائد پر لکھی گئی کتب کا اپنی تصانیف میں تذکرہ کیا ہے اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے ائمہ دین ہیں۔ ان کو یہاں اگر ذکر کیا جائے تو بات بہت طویل ہو جائے گی ،لہذا علامہ بیاضی کے کلام کا ترجمہ کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے" (اشارات المرام:۲۲،۲۳)

امام اعظم کی علم کلام پر کتب کی دریافت:

امام اعظم کی تصانیف کی تعداد تو بیسیوں بنتی ہے لیکن علم کلام وعقائد میں ان کی کتب کی تعداد چھ ہے: (۱): الفقہ الاکبر (۲): الفقہ الاکبر معروف الفقہ الابسط (۳): العالم والمتعلم (۴): الوصیۃ لجمیع الامۃ (۵): الرد علی القدریہ (٦): الرسالہ الی عثمان البتی ان میں سے پانچ تو مطبوعہ حالت میں مل جاتی ہیں مثلا

(۱): فقہ اکبر (۲): فقہ ابسط ، (۳): عالم ومتعلم اور (٦): رسالہ بنام عثمان بتی ان میں سے ۲ سے ٦ تک ایک جزو میں "الرحیم اکیڈمی لیاقت آباد کراچی" سے طبع شدہ ہیں ،اور مجموعہ الفقہ الاکبر کے نام سے فقہ اکبر، فقہ ابسط ، عالم ومتعلم ،اور الوصیۃ لجمیع الامۃ راقم کی تحقیق سے طبع ہوئی تھی ،اور اس کی طباعت ثانیہ کے لئے مذکورہ چار کتب کے علاوہ رسالہ بنام عثمان بتی اور اس کے مقدمہ کے طور پر اصول منیفہ از علامہ بیاضی تیار کیا جا رہا ہے اور دعا ہے کہ کوئی عربی میں کتب شائع کرنے کا شائق میسر آجائے تو اس کی طباعت بھی آسان ہو جائے۔

اس کے علاوہ ازیں امام حماد والانسخہ الفقہ الاکبر کے نام سے ۱۳۲۳ھ میں قاھرہ سے طبع ہوا ،اور ۱۳۴۲ھ میں حیدرآباد دکن سے طبع ہوا اور دہلی میں ۱۲۸۹ھ میں اردو میں ترجمہ کیا گیا ،اور پنجابی زبان میں اس کا ترجمہ ۱۸۹۰ء میں لاہور سے طبع کیا گیا ،ایک اردو ترجمہ سید امیر علی نے عین الھدایہ کے شروع میں کیا ،اور ایک اردو ترجمہ جو فارسی ترجمے سے کیا گیا تھا جو مکتبہ اخلاص ترکی سے عقائد نظامیہ کے نام سے طبع ہوا ہے اور ایک اردو ترجمہ مفتی محمد سعد اللہ کے مطبع محمدی لاہور سے طبع ہوا جس کے آخر میں وصیت نامہ بھی ہے اور الوصیۃ لجمیع الامۃ

کو بنام 'علامات اہل سنت' کے نام سے جمعیۃ پبلی کیشنز نے بڑے خوبصورت انداز میں طبع کر دیا ہے اور فقہ اکبر کو ملا علی قاری کی شرح کے علاوہ بھی کئی شروحات کے ساتھ طبع شدہ، البتہ الرد علی قدریہ پر امام صاحب کا رسالہ نامعلوم ہے، بعض حضرات نے تو فقہ ابسط یعنی فقہ اکبر ابو مطیع کو ہی الرد علی قدریہ کہا ہے۔

هذا ماعندی والله تعالیٰ اعلم بالصواب

تیسری رائے امام حماد والی فقہ اکبر امام صاحب کی ہے:

یہ رائے اگر چہ زیادہ واضح نہیں لیکن گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو زیادہ واضح ہو کر سامنے آتی ہے،

خاص طور پر استاد ابو زہرہ کی تصنیف 'ابوحنیفہ' کا مطالعہ کریں یا ڈاکٹر محمد الخمیس کی 'اصول الدین' دیکھیں اس میں ان کی تحریرات اس بات کی شکایت کرتی ہے کہ یہ صاحبان امام اعظم کی تصانیف میں دونوں فقہ اکبر کو شامل تو کرتے ہیں لیکن حوالہ دینا ہو یا علم عقائد میں امام صاحب کی رائے بتانا ہو تو فقہ اکبر مرویہ بروایت امام ابو مطیع کی بجائے امام حماد والے نسخے سے استدلال کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں حضرات اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ امام اعظم کی علم کلام پر متعدد کتب ہیں لیکن سند میں سقم اور ضعف کے پیش نظر فقہ ابسط یعنی فقہ اکبر مرویہ کو اپنے استدلال میں لانے کی بجائے صرف فقہ اکبر امام حماد کو وہ اپنے دعوں میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں متعدد عرب اہل علم کا بھی ایسا ہی حال ہے کہ وہ امام حماد والے نسخے کو امام اعظم کا نسخہ مانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ملا علی قاری والا نسخہ آپ کو اکثر عربی ویب سائٹس پر مل جائے گا اور عرب ممالک میں زیادہ تر مطبوعہ نسخہ امام حماد والا نسخہ ہی ملتا ہے اگر اس نام سے آپ نیٹ میں سرچ کریں تو اسی فیصد سے زیادہ نتائج میں وہ امام حماد والا نسخہ ہی سامنے آئے گا اور امام حماد والا نسخہ دنیا میں جن مخطوطات کی بناء پر دنیا میں رائج ہے وہ مندرجہ ذیل تاریخوں کے اس وقت دنیا میں پائے جاتے ہیں۔

اس فقہ اکبر کے نسخہ مخطوط ۱۰۰۰ھ ، اور ۱۰۶۴ھ، اور ۱۰۹۸ھ، ۱۱۵۵ھ، ۱۲۳۵ھ، ۱۲۴۴ھ، علاوہ ازیں کچھ مخطوط ایسے بھی ہیں جو بارہویں صدی اور تیرھویں صدی میں لکھے گئے تھے اور آج تک بھی دنیا کے مختلف مکتبوں میں محفوظ پڑے ہوئے ہیں،

اسی طرح امام حماد والے نسخے جو شرح سمیت دنیا کے مختلف مکتبوں میں محفوظ ہیں وہ دسویں صدی گیارھویں صدی بارھویں صدی اور تیرھویں صدی کے نسخے ہیں ان میں خاص طور سے ۹۲۰ھ، اور ۹۲۵ھ، اور ۱۰۱۲ھ، ۱۰۱۹ھ، ۱۰۷۱ھ، ۱۰۷۸ھ، ۱۰۸۰ھ، ۱۰۸۱ھ، ۱۰۸۶ھ ، ۱۰۸۷ھ، ۱۰۹۴ھ، ۱۱۱۲ھ، ۱۱۱۴ھ، ۱۱۱۶ھ، ۱۱۲۸ھ، ۱۱۳۷ھ، ۱۱۳۹ھ، ۱۱۴۱ھ، ۱۱۴۲ھ، ۱۱۵۰ھ، ۱۲۱۲ھ، ۱۲۱۳ھ، ۱۲۵۳ھ، ۱۲۷۴ھ، وغیرہ کے نسخے امام حماد کی روایت کے ساتھ مختلف شراح کی شروحات کے ساتھ دنیا کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ پڑے ہوئے ہیں اور علامہ ابوالمنتہی کی شرح کے ساتھ تو پروفیسر عبدالجبار سابق پروفیسر اسلامیہ یونیورسٹی اسلام آباد کی ذاتی لائبریری میں بہت سارے نسخے جو مختلف زمانوں میں لکھے گئے ہیں محفوظ پڑے ہوئے ہیں۔

اس کے بارے میں استاد ابو زہرہ نے بڑے اعتدل میں رہتے ہوئے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ امام اعظم کی طرف اس فقہ اکبر کی نسبت کرنے کے حوالے سے کیا حکم ہے۔آپ فرماتے ہیں:

> هـذا ، ويـجـب التنبيـه الـى ان نسبة الفقه الاكبر الى ابى حنيفة موضع نظر عند العلماء فلم يتفقوا على صحة نسبة هذا الكتاب اليـه ، ولـم يدع احد الاتفاق على صحة هذه النسبة ، حتى اشد الناس تعصّبا له ورغبة في زيادة آثاره و كتبه (ابوحنیفہ:۳۳۲ پیرا۱۰۱)

ترجمہ:صورت حال یہ ہے کہ اس بات پر ہمیں متنبہ رہنا چاہئے کہ فقہ اکبر کی امام ابو حنیفہ کی طرف نسبت کرنے کے بارے میں اختلاف ہے اور تمام علماء اس بات پر متفق نہیں ہیں کہ وہ فقہ اکبر کے امام اعظم کی طرف نسبت کرنے کو درست سمجھتے ہوں اور نہ ہی تمام علماء

اس نسبت کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں حتی کہ وہ لوگ جو امام اعظم کے آثار وکتب کی تلاش وجستجو کے بارے میں بہت محنت کرتے ہیں ان میں سے بھی کسی نے اس بات پر اتفاق کا دعویٰ نہیں کیا۔

باوجود اس کے کہ استاد ابوزہرہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کتب کی امام صاحب کی طرف نسبت کے بارے میں اتفاق نہیں ہے لیکن جب امام اعظم کی رائے کو ظاہر کرنے کی بات آتی ہے تو اسی فقہ اکبر کو امام اعظم کی تصنیف قرار دیتے ہوئے اسی سے اپنے اندلالات نقل کرتے ہیں، جو امام حماد کی روایت سے ہے اور جس کی تشریح ملا علی قاری نے کی ہے۔

اور اس خیال کے لوگوں پیش نظر اصل محل نظر امام ابومطیع بلخی کی ذات ہے انہی کو وہ مورد طعن ٹھرا کر ان پر جرح وقدح کرتے ہیں اور اپ کا خال یہ ہے کہ اگر اصل راوی کو مجروح قرار دے دیا جائے تو اصل بنیاد ہی ختم ہوجائے گی اس لئے انہوں نے امام ابومطیع بلخی پر زیادہ سے زیادہ الزامات لگانے کی بھرپور کوشش کی ہے ہم نے بڑی محنت سے امام ابومطیع کی شخصیت کو نکھار کر آئندہ صفحات میں پیش کردیا ہے اور امام ابومطیع کو جرح وتعدیل کے سمیت پیش کردیا ہے لہذا اب فیصلہ کرنا وقت کے ہاتھ میں ہے کہ آئندہ وقت ان کے بارے میں کیا ثابت رکھتا ہے اور کیا زائل کرتا ہے۔

چوتھی رائے: فقہ اکبر، ابومطیع بلخی والی امام اعظم کی تصنیف ہے

اس بارے میں چوتھی رائے یہ ہے کہ صرف ابومطیع بلخی والی فقہ اکبر جس کو فقہ اکبر مرویہ بھی کہا جاتا ہے امام اعظم کی تصنیف ہے، اور وہ فقہ اکبر جس کو امام حماد نے اپنے والد امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے اور ملا علی قاری نے جس کی شرح لکھی ہے وہ امام اعظم کی تصنیف نہیں ہے۔

یہ نسخے اگر دنیا کی مختلف لائبریریوں میں دیکھا جائے تو قدیم نسخے اسی کے دستیاب ہوتے ہیں مثلاً:

اس کا سب سے نادر اور قدیم نسخہ ۷۶۱ھ کا لکھا ہوا ہے ایک نسخہ ۹۹۶ھ کا لکھا ہوا ہے اور

بعض اس سے بھی قدیم نسخے قاہرہ، لیڈن، لندن اور دوسرے کئی مقامات پر محفوظ ہیں:

اور اس نسخے کی شروحات والے نسخے ۶۸۷ھ اور ۷۶۱ھ ۹۹۶ھ ۱۰۷۳ھ ۱۱۴۲ھ اور بعض اس سے بھی قدیم نسخے ہیں جو دنیا کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں

اور اس رائے کے قائلین میں زیادہ تر ہمارے ہند و پاکستان کے بعض علماء ہیں۔ جن میں سے خاص طور سے علامہ وکیل احمد سکندر پوری نے 'مہر انور شرح فقہ اکبر' میں اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن نے اپنی تصنیف 'امام اعظم ابوحنیفہ' میں، حضرت مفتی محمد عیسیٰ نے 'النظم الدرر شرح فقہ اکبر' میں اور قاضی سجاد بخاری نے 'بلغۃ الحیر ان' میں اس بات پر بڑا زور دیا ہے کہ حضرت امام کی طرف ملا علی قاری والی فقہ اکبر کا انتساب بالکل غلط ہے اور یہ کہ یہ سرے سے امام صاحب کی کتاب ہی نہیں ہے۔

اس دعوے میں ان حضرات نے جتنے دلائل بھی دیئے ہیں، اس باب میں ہم ان کا جواب دینا چاہتے اور اس سلسلے میں ہماری کوشش ہوگی کہ ان کے اعتراضات کا تحقیقی جواب پیش کریں اور ہمارا موقف 'یہ دونوں فقہ اکبر امام صاحب کی تصانیف ہیں' کو واضح کریں، واللہ الموفق والمعین

......وباللہ التوفیق......

فقہ اکبر پر اعتراضات اور جوابات

پہلا اعتراض

امام ابومطیع کی شخصیت کا تنقیدی مطالعہ:

اس اعتراض کے سب سے بڑے مدعی حضرت مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے اپنی کتاب 'امام اعظم' میں اس پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے اور انہوں اپنی اس تحقیق کی بنیاد علامہ شبلی نعمانی کی تحقیق پر رکھی ہے،

اگر چہ قبل ازیں علامہ شبلی کی پوری تحقیقات کا خلاصہ تو بیان ہو چکا ہے اور اس میں وہ تمام اعتراضات جو فقہ اکبر کے امام اعظم کی طرف انتساب کے حوالے کئے جاتے ہیں، ایک جگہ جمع کر دئے گئے ہیں۔

اس ساری تحقیق میں عجیب بات یہ ہے' جس عبارت کو بنیاد بنا کر حضرت مفتی صاحب بلخی والی فقہ اکبر کو امام صاحب کی تصنیف قرار دیتے ہیں' علامہ شبلی کی اس عبارت سے اپنا مدعا ثابت تو کیا کرتے بلکہ اسکا سرے سے ان کار ثابت ہو رہا ہے کیونکہ 'فقہ اکبر بلخی' کے امام صاحب کی طرف انتساب کیلئے سند کو بنیاد بنایا گیا ہے اور اسی سند کی وجہ سے فقہ اکبر بلخی کو حجت و برہان مانتے ہیں جبکہ علامہ شبلی نے اس سند کے راوی اوّل ابو مطیع پر عام محدثین کی تنقید کا سامنا نہ کرتے ہوئے اس پر مہر توثیق ثبت کر دی ہے، اور یوں فقہ اکبر بلخی کے امام صاحب کی طرف انتساب کو سرے سے غلط قرار دے دیا ہے۔

علامہ شبلی فرماتے ہیں:

''اس کے علاوہ ابو مطیع بلخی جو اس کتاب کے راوی ہیں حدیث و روایت میں چنداں مستند نہیں کتب رجال میں ان کی نسبت محدثین نے نہایت سخت تنقید کی ہے۔ اگر چہ میں ان کو کلیتا تسلیم نہیں کرتا تاہم ایک ایسی مشتبہ کتاب جس کا ثبوت صرف ابو مطیع بلخی کی روایت پر منحصر ہو محدثانہ اصول پر قابل تسلیم نہیں ہو سکتی'' (سیرۃ نعمان ۱۴۸)

اس سے بھی زیادہ تلخ نوائی دکتور محمد الخمیس کرتے ہیں: ملاحظہ ہو:

"اما رواية ابي مطيع للفقه الاكبر و كتاب العالم والمتعلم لابي مقاتل السمرقندي ، فهما الكذّابين والوضاعين جزم غير واحد من اهل النقد بذلك" (اصول الدین:۱۴۳)

وہ فقہ اکبر جس کو ابو مطیع نے یا عالم و متعلم جس کو ابو مقاتل نے روایت کیا ہے یہ دونوں احباب تو (معاذ اللہ) کذّاب اور وضاع لوگوں میں سے تھے، اور اہل تنقید میں سے کئی لوگوں نے یہ بات بڑے وثوق سے کہی ہے۔

ابو مطیع بلخی پر تنقید کی نوعیت:

بعض محدثین نے امام ابو مطیع بلخی پر جرح کرتے ہوئے بہت سارے الزامات لگائے ہیں ان الزامات کی چارج شیٹ قارئین کی خدمت میں پیش نظر ہے قبل ازیں امام ابو مطیع کے حالات میں اس پر سیر حاصل گفتگو کی جا چکی ہے اور اس تحقیق کے بعد ہم قارئین سے انصاف کے خواہاں ہیں کہ بلا وجہ ایک عظیم ہستی پر الزامات لگا کر آخر میدان تحقیق میں کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

امام ابو مطیع بلخی پر الزامات کی چارج شیٹ

پہلا الزام: یہ مرجیہ ہیں۔

دوسرا الزام: یہ ضعیف ہیں۔

تیسرا الزام: نقل روایت میں ان کا کوئی تابع نہیں ہوتا۔

چوتھا الزام: یہ جہمیہ میں سے ہیں

پانچواں الزام: یہ سنت سے بغض رکھتے تھے۔

چھٹا الزام: یہ دوسروں کی باتیں اپنی طرف منسوب کرلیا کرتے تھے۔

ان الزامات کے تفصیلی جوابات امام ابو مطیع بلخی کے حالات میں گزر چکے ہیں اور اگر مزید ضرورت ہو تو اسی کتاب کے تیسرے حصے میں باب سوم میں دوبارہ ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں۔

خلاصہ کلام:

اہل تحقیق جب تاریخ بغداد، یا لسان المیز ان کے حوالے سے امام ابومطیع پر نقد کرتے ہیں، اوراس تنقید کو صاحب اصول الدین محمد الخمیس، یا دوسرے علمائے تحقیق من وعن نقل کردیتے ہیں، توان کو کم ازکم ان سطروں کی طرف بھی ایک نظر ڈال لینی چاہئے جو تاریخ بغداد اورلسان المیز ان والے احباب نے ان کی توثیق کے حوالے سے نقل کی ہیں، اورہم ان کو ابو مطیع کے حالات میں نقل کر چکے ہیں، لیکن مطالعہ کی کمی، یا تحقیق کی عدم جستجو، اوریا بغض باطن، اوریا اندھی تقلید، کی وجہ سے ہمیں اتنی توفیق نہیں ملتی کہ جہاں سے ایک حوالہ نقل کیا جارہا ہے اس سے پہلے ایک یا دو صفحات کو بھی دیکھ لیں جن میں امام ابن مبارک اورامام مالک جیسے نابغہ روزگار ہستیاں امام ابومطیع کا کس شاندارانداز سے تعارف کرواتی ہیں اوران کو خراج عقیدت پیش کرتی ہیں، اس سے ہمارے اس روایتی الزامات سے بھی جان چھوٹ سکتی ہے۔

وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

دوسرا اعتراض:

علامہ براتقی کے ہاتھ سے تحریر کا مسئلہ

اس اعتراض کے سب سے بڑے مبلغ مفتی عزیز الرحمٰن ہیں جنہوں نے اپنی کتاب میں اس پر بڑی مفصل گفتگو فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں

علامہ کردری نے مناقب کے صفحہ: ۱۰۸ پر تحریر فرمایا ہے:

فان قلت : ليس لابى حنيفةؓ كتاب مصنف ؟

قلتُ : هذا كلام المعتزلة ، ودعواهم انه ليس له فى علمِ الكلامِ تصنيف ، وغرضهم بذلك نفى انْ يكون الفقه الاكبر وكتاب العالم والمتعلم له . لانّه صرح فيه باكثر قواعد اهل السنة والجماعة، ودعواهم انّه كان من المعتزلة ، وذلك الكتاب لابى حنيفة البخارى ، وهذا غلط صريح ، فانى رايت بخط

العلامة مولانا شمس الملة والدين الكردري البرانيقي العمادي هذين الكتابين ، وكتب فيهما انهما لابي حنيفة، وقد تواطأعلى ذالک جماعة كثيرة من المشائخ .

علامہ کردری صاحب مناقب کہہ رہے ہیں کہ میں نے ان دونوں کتابوں (یعنی فقہ اکبراز ابوحنیفہ بخاری، اورفقہ اکبراز امام ابوحنیفہ) کوعلامہ برانقی عمادی کے پاس دیکھا ہے کہ ان کتابوں پر موصوف کے قلم سے لکھا ہوا تھا ''الفقہ الاکبر لابی حنیفۃ'' علامہ برانقی عمادی صاحب ہدایہ کے شاگرد ہیں، سن وفات ۵۵۹ ہے۔ایک معتبر فقیہ اور محدث ہیں، ان کی غرض ان دونوں کتابوں پر الفقہ الاکبر لکھنے سے ہرگز یہ نہیں ہوسکتی کہ یہ دونوں کتابیں امام ابو حنیفہ کی ہیں یا یہ دونوں کتابیں ابوحنیفہ بخاری کی ہیں، بلکہ غرض ان کی ظاہر ہے کہ ایک فقہ اکبر کے مصنف ابوحنیفہ بن یوسف بخاری ہیں اور ایک فقہ اکبر کے مصنف امام ابوحنیفہ الکوفی ہیں، اور اس بات پر کہ فقہ اکبر دو ہیں جس کے مصنف علیحدہ علیحدہ ہیں مذکورہ دونوں صاحب اور مشائخ کی ایک جماعت کثیر نے اتفاق کیا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں اور فقہ اکبر کے متعلق اختلاف آراء کو دیکھنے کے بعد ایک خلجان پیدا ہوتا ہے کہ حقیقت کیا ہے، کوئی فقہ اکبر کو ابوحنیفہ بخاری کی کتاب بتاتا ہے، اور کہتا ہے کہ دونوں کتابیں علیحدہ علیحدہ مصنفوں کی ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ایک فقہ اکبر ابوحنیفہ بن یوسف کی ہے اور ایک ابومطیع بلخی کی ہے، اور ہر ایک کے پاس کچھ دلائل اور قرائن ہیں،

(امام اعظم ابوحنیفہ:۳۶۱)

اس کے بعد حضرت مفتی عزیز الرحمٰن فرماتے ہیں:

فقہ اکبر دو ہیں اور اتفاق سے دونوں کے مصنف کا نام ابوحنیفہ ہے، فرق اتنا ہے کہ ایک ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی المعروف بالامام الاعظم صاحب مسلک حنفیہ، اور دوسرے ابوحنیفہ محمد بن یوسف البخاری المعروف بابی حنیفہ ہیں، ان دونوں حضرات کی کتاب کا نام بھی فقہ اکبر ہے، اور دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، امام صاحب کی فقہ اکبر کا طرز عبارت قدیم ہے، یعنی تمام مسائل اس کے حدثنا کہہ کر بیان کئے گئے ہیں جس کے راوی ابومطیع بلخی

ہیں جنہوں نے ہر مسئلہ کو امام صاحب سے روایت کیا ہے، چنانچہ علماء نے اس کی تصدیق کی ہے۔ (امام اعظم ابوحنیفہ: ۳۶۳)

(۲) بہت سارے علماء ملا علی قاری والے نسخے کو محمد بن یوسف بخاری کا نسخہ قرار دیا ہے جنکا لقب ابوحنیفہ بخاری تھا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ نسخہ امام ابوحنیفہ کا نہیں ہے بلکہ ابوحنیفہ بخاری کا ہے؟

کچھ انہی سے ملتے جلتے اعتراضات علامہ وکیل احمد سکندر پوری نے مہر انور میں، اور انہی اعتراضات کو حضرت مفتی محمد عیسی گورمانی نے نظم الدرر کے صفحہ: ۱۵ پر نقل کیا ہے، اس اعتراض میں جو مسائل اٹھائے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

خلاصہ اعتراض:

(۱) ابوحنیفہ نام کے دو افراد ہیں اور دونوں کی کتاب کا نام فقہ اکبر ہے

(۲) دونوں فقہ اکبر میں زمین و آسمان کا فرق ہے

(۳) طرز عبارت قدیم ہے۔

(۴) تمام مسائل حدثنا کہہ کر امام صاحب سے بیان کئے گئے ہیں۔

الجواب

مذکورہ تمام اعتراضات کی ہم نام بنام وضاحت کریں گے۔

اعتراض کا پہلا حصہ: ابوحنیفہ نام کے دو افراد ہیں

ابوحنیفہ نام کے دو اشخاص نہیں بلکہ دو سے زیادہ ہیں، اور مؤرخین مؤرخین میں سے کسی نے بھی زیادہ کی کوئی حد یا تعداد متعین نہیں فرمائی، ہاں البتہ ایک بات بہت مشترک ہے کہ ابو حنیفہ بخاری کو مؤرخین میں سے کسی نے بھی صاحب تصنیف شمار نہیں کیا اور نہ ہی ان کی تصانیف میں فقہ اکبر نامی کسی کتاب کا تذکرہ ان کے احوال میں کسی بھی مؤرخ نے نہیں کیا ہے۔

ابوحنیفہ افراد زیادہ کتنے ہیں، یہ مسئلہ ہماری اس بحث سے خارج ہے لیکن مؤرخین نے ائمہ رجال کی کتب میں جن کے نام درج کئے ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱- ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی امام حنفیہ اور امام اعظم
۲- ابوحنیفہ جو جبیر بن مطعم کے جنازے میں شامل ہوئے، اور ان سے مغیرہ بن مقسم روایت نقل کرتے ہیں۔
۳- ابوحنیفہ یہ مسلم بن مغیرہ کے بھائی تھے۔
۴- ابوحنیفہ محمد بن حنیفہ بن ماہان، قصبی، واسطی، جنکا نام محمد اور کنیت ابوحنیفہ تھی۔
۵- ابوحنیفہ کوفی جن کا بیٹا عبدالاکرم ہے جو سلیمان بن صرد سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کا بیٹا عبدالاکرم روایت کرتے ہیں
۶- ابوحنیفہ الاندقی: جنکے بیٹے کا نام عبدالکریم، اور یہ شمس الائمہ عبدالعزیز حلوانی کے شاگرد، ائمہ احناف میں سے تھے۔ (جواہر المضیہ: ۴۶۰ ج ۲)
۷- ابوحنیفہ احمد بن داود دینوری، صاحب تاریخ الاخبار الطوال، متعدد تصانیف کے مصنف ہیں۔
۸- ابوحنیفہ نعمان بن عبداللہ امامی
۹- ابوحنیفہ نعمان بن ابی عبداللہ قاضی شافعی
۱۰- ابوحنیفہ نعمان بن محمد بن منصور مغربی قاضی مصر؛ فرقی باطنیہ سے تعلق رکھتا تھا اور امام ابوحنیفہ کے رد میں تصانیف لکھی تھیں۔ (النجوم الزاہرہ: ۱۰۷ ج ۴)
۱۱- ابوحنیفہ الاصغر بخاری معروف: بکر بن محمد بن علی، ابوجعفر، بخاری زرنجری (معجم البلدان: ۱۳۸ ج ۳؛ سیر اعلام النبلاء: ۴۱۵ ج ۱۹)
۱۲- ابوحنیفہ حسین بن علی بن نعمان، مغربی، قاضی (رافضی)
(سیر اعلام النبلاء: ۱۴۵ ج ۱۷؛ وفیات الاعیان: ۴۲۲ ج ۵)
۱۳- ابوحنیفہ صغیر، محمد بن عبداللہ بن محمد بلخی المتوفی: ۳۶۲ھ
(سیر اعلام النبلاء: ۱۳۱ ج ۱۶؛ الوافی بالوفیات: ۳۴۷ ج ۳)
۱۴- ابوحنیفہ محمد بن عبداللہ بن علی الاصفہانی المتوفی: ۵۷۱ھ (سیر اعلام النبلاء ۸۴/۲۱،)
ویسے تو یہ تمام ابوحنیفہ نامی افراد اپنی اپنی جگہ بڑی اہمیت کے حامل تھے اور ان میں سے

بعض لوگوں نے تو بہت ساری کتب بھی تحریر فرمائی ہیں لیکن آخری ابوحنیفہ ہیں جن کی وجہ سے امام اعظم کی فقہ اکبر متنازعہ بن گئی ہے، کیونکہ بعض حضرات اس کتاب کا مصنف یوسف بخاری کو بتاتے ہیں۔

اور اس میں سب سے عجیب اس لحاظ سے کہ مفتی صاحب علامہ کردری کی عبارت کا مفہوم سات سو برس کے بعد متعین کرتے ہوئے، ارشاد فرماتے ہیں:

پہلا استدلال: ''علامہ کردری صاحب مناقب کہہ رہے ہیں کہ میں نے ان دونوں کتابوں (یعنی فقہ اکبر از ابوحنیفہ بخاری اور فقہ اکبر از امام ابوحنیفہ) کو علامہ برانقی عمادی کے پاس دیکھا ہے کہ ان کتابوں پر موصوف کے قلم سے لکھا ہوا تھا:

''الفقه الاکبر لابی حنیفة''

دوسری بات: ان کی غرض ان دونوں کتابوں پر الفقہ الاکبر لکھنے سے ہرگز یہ نہیں ہوسکتی کہ یہ دونوں کتابیں امام ابوحنیفہ کی ہیں یا یہ دونوں کتابیں ابوحنیفہ بخاری کی ہیں، بلکہ غرض ان کی ظاہر ہے کہ ایک فقہ اکبر کے مصنف ابوحنیفہ بن یوسف بخاری ہیں اور ایک فقہ اکبر کے مصنف امام ابوحنیفہ کوفی ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عربی عبارت لکھ کر اس کا آسان انداز میں ترجمہ پیش کرنا تحقیق کا کونسا طریقہ ہے، اور امام صاحب پر کونسا احسان چڑھایا جارہا ہے۔ اصول تو یہ ہے کہ آپ اختلاف کے دوران جو عبارت بطور حوالہ پیش کریں تو کم از کم اس کا مفہوم تو درست بیان کریں، ہاں اس میں اختلاف کا حق استعمال کرتے ہوئے آپ جو رائے بھی قائم کرنا چاہیں اس میں کوئی پابندی نہیں ہے۔

امام کردری کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

'' فانی رأیتُ بخط العلامه مولانا شمس الملة و الدین الکردری البراتقینی العمادی، هذین الکتابین، کتب فیهما انهما لابی حنیفه''.

ترجمہ کرتے ہوئے علامہ مفتی عزیز الرحمٰن فرماتے ہیں:

''علامہ کردری صاحب مناقب کہہ رہے ہیں کہ میں نے ان دونوں کتابوں (یعنی فقہ اکبر از ابوحنیفہ بخاری اور فقہ اکبر از امام ابوحنیفہ کو علامہ برانتقی عمادی کے پاس دیکھا ہے کہ ان کتابوں پر موصوف کے قلم سے لکھا ہوا تھا ''الفقہ الاکبر لابی حنیفۃ''

[ان کی غرض ان دونوں کتابوں پر الفقہ الاکبر لکھنے سے ہرگز یہ نہیں ہوسکتی کہ یہ دونوں کتابیں امام ابوحنیفہ کی ہیں یا یہ دونوں کتابیں ابوحنیفہ بخاری کی ہیں، بلکہ غرض ان کی ظاہر ہے کہ ایک فقہ اکبر کے مصنف ابوحنیفہ بن یوسف بخاری ہیں اور ایک فقہ اکبر کے مصنف امام ابوحنیفہ الکوفی ہیں]

سوال یہ ہے کہ بین قوسین جو مفتی صاحب نے امام کردری اور علامہ براتقینی کی غرض بیان فرمائی ہے بھلا کوئی ذی علم شخص یہ واضح کرسکتا ہے کہ وہ کس عبارت، یا عبارت کے کس جملے، یا جملے کے کس حرف، یا کس حرف کے بین سطور میں مندرج ہے؟

کیا محققین اس کو تحقیق کے ساتھ ستم، اور انصاف کا خون کرنا نہیں کہیں گے؟

جبکہ خود علامہ کروری کا مقصد ان کی اپنی زبانی یوں ہے:

اگر تو یہ سوال کرے کہ امام ابوحنیفہؒ کی تصنیف شدہ کوئی کتاب نہیں ہے؟

تو جواب دیتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ یہ معتزلہ کی اڑائی ہوئی بات ہے اور ان کی رائے ہے، کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ امام صاحب کی تصنیف شدہ کوئی کتاب نہیں ہے، اور اس دعویٰ کے پس منظر میں فرقۂ معتزلہ کے لوگوں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ الفقہ الاکبر اور العالم والمتعلم کے امام صاحب کی تصنیف ہونے سے نفی کرتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ کتب امام اعظم کی تصنیف نہیں ہیں، ان کے اس انکار کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ امام صاحب نے اہل السنۃ والجماعت کے اکثر اصول ان کتب میں ذکر فرما دیئے ہیں، جبکہ فرقۂ معتزلہ کے لوگوں کا دعویٰ اور ان کی اس بات سے غرض یہ ہے کہ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ چونکہ امام اعظم خود معتزلہ فرقہ سے تھے لہذا اس قسم کی کوئی کتاب امام صاحب نے تحریر نہیں فرمائی، بلکہ

بقول ان کے یہ ابوحنیفہ البخاری کی تصنیف ہے، جبکہ یہ دعویٰ غلط اور باطل ہے. کیونکہ میں خود علامہ برانقی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ دونوں کتب اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں، اوران پر یہ بھی لکھا ہوا دیکھا ہے یہ دونوں ابوحنیفہ کی کتابیں ہیں، اوراس بارے میں امت میں علماء کی ایک کثیر جماعت کا اجماع چلا آرہا ہے جس کا خلاف کرنا ممکن نہیں ہے.

اگر قارئین اس سیاق وسباق کو پڑھ لیں تو مفتی عزیز الرحمٰن کی رائے کی سطحیت کو اچھی طرح جان سکتے ہیں۔

کیونکہ علامہ کردری اس رائے میں درج ذیل باتیں ثابت کرنا چاہتے ہیں:

(۱) علامہ کردری نے یہ حوالہ اپنے ثبوت اور حمایت کے طور پر درج کیا ہے نہ کہ فریقِ مخالف کی حمایت کی غرض سے۔

(۲) فریقِ مخالف کا دعویٰ ہے کہ یہ کتب: الفقہ الاکبر اور العالم والمتعلم امام صاحب کی نہیں ہیں بلکہ ابوحنیفہ البخاری کی ہیں۔ اوران کا کہنا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی تو معتزلی تھے جبکہ یہ کتب اہلسنت والجماعت کی آراء پر مشتمل ہیں۔

(۳) علامہ کردری نے معتزلہ کی اس رائے کا رد کرتے ہوئے چار باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔

(۱): هذا غلط صريح.

یہ بات کہنا صریح طور پر غلط ہے۔

(۲): فاني رأيت بخط العلامه

میں نے علامہ شمس الملۃ والدین الکردری البرانقی العمادی کی ہاتھ کی لکھی ہوئی الفقہ الاکبر اور العالم والمتعلم دیکھی ہیں۔

(۳) وكتب فيهما أنهما لابی حنيفه

اوران پر یہ بھی علامہ کردری کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام ابو حنیفہ کی کتب ہیں۔

(۴)وقد تواطأ علیٰ ذلک جماعة کثیرة.

مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت کا لمبے زمانے سے اجماع چلا آ رہا ہے کہ یہ کتب امام ابوحنیفہ کی ہی ہیں۔

اگر مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی رائے مان لی جائے تو آخری پیرا جس میں علامہ کردری نے مشائخ کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے وہ تو معتزلہ کے قول کی تائید بن جائے گا، اور دعویٰ نمبر۳ بھی انہی کی دلیل بن جائے گا۔

مگر اس صورتِ حال میں یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ امام ابوحنیفہ کے معتزلہ ہونے کے قائل حضرت مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ ہیں یا علامہ کردری ہیں یا دونوں ہیں؟

لیکن اصل بات یہ ہے کہ عبارت کے معنی میں غلطی پیدا ہو رہی ہے، اگر حضرت مفتی صاحب کی نظر سے اصل کتاب المناقب گزری ہوتی تو کاتب الحروف اس بات کی قوی امید کرسکتا ہے کہ اس قسم کا تسامح نہ ہوتا۔

یہ بات تو معتزلہ کی ہے جو اس کتاب کو امام صاحب کی کتاب ماننے سے انکاری ہیں اور ہمارے لئے ہرگز یہ بات جائز نہیں ہے کہ کسی کے کہنے پر امام صاحب کی طرف کسی کتاب کے انتساب کا ختم کر دیں جبکہ اس کتاب کے مسائل اصول اور عقائد میں اہل السنّت والجماعت کی تائید کرتے ہوں اور پھر اس کو کسی ایسے شخص جو خود اس کا مدعی نہ ہو کی طرف منسوب کرنا اور بھی عجیب ہے۔

یہ تو مدعی سست اور گواہ چست والی بات بن گئی ہے

واللہ تعالیٰ اعلم

اعتراض کا دوسرا حصہ: دونوں فقہ اکبر میں زمین وآسمان کا فرق ہے

جہاں تک مذکورہ اعتراض ہے، یہ سوائے انجان پنے کے اور کچھ بھی نہیں ہے، اس لئے کہ ایک مصنف ایک ہی موضوع پر دو کتابیں لکھے تو اس کو دو لکھنے کی ضرورت تبھی پیش آتی ہے جب ایک کتاب میں وہ کچھ مسائل اور دوسری میں کچھ دوسرے مسائل بیان کرنا چاہے گا

،اس لحاظ سے تو زمین وآسمان کا فرق کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ

۱- دونوں کتابوں کا موضوع علم عقائد ہے۔

۲- دونوں میں عقائد کے اکثر مسائل مثلاً: اللہ تعالیٰ کی توحید، کلام اللہ کی حقیقت، انبیاء ورسل کی تفہیم، وغیرہ ہی بیان کئے گئے ہیں۔

۳- دونوں فقہ اکبر علمائے امت میں مقبول ومعروف ہیں۔ایک کا انکار کر کے دوسری کا اثبات یا دوسری کا انکار کر کے ایک کا اثبات ائمہ کرام میں معروف ہے۔

۴- دونوں فقہ اکبر عربی زبان میں لکھی گئی ہیں، امام حماد والی فقہ اکبر بیانیہ انداز میں ہے جبکہ امام ابو مطیع والی فقہ اکبر کا انداز تفہیمی ہے

۵- دونوں فقہ اکبر کا انتساب حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف ہے۔

اس صورت حال کے بعد یہ اعتراض کرنا کہ:

ان دونوں حضرات کی کتاب کا نام بھی فقہ اکبر ہے، اور دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔(امام اعظم ابوحنیفہ:۳۶۳)

• اس عبارت سے معلوم نہیں حضرت مفتی صاحب کیا واضح کرنا چاہتے ہیں؟ یا مفتی صاحب کی نظر میں زمین وآسمان کا فرق کچھ زیادہ نہیں ہے جیسا ان دونوں کتب میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔

اسی طرح زمین وآسمان کا فرق اسی وقت ہوسکتا ہے کہ دونوں کا موضوع بھی جدا جدا ہو اگر دونوں کا موضوع ایک ہی ہے تو زمیں آسمان کا فرق تو نہیں ہوسکتا۔ تیسری بات یہ کہ کیا دونوں کی تصانیف معترض نے دیکھی ہیں؟ جس سے جواب دیا جا رہا ہے، اور اگر دیکھے بغیر دعویٰ کیا جائے تو یہ انصاف کے عین خلاف ہے۔ کہ نام مناسبت دیکھ کر ایک کی کتاب دوسرے کے نام منسوب کردی جائے۔ یہ تو ایسا طریقہ ہے جس سے فتنہ کا دروازہ کھل جائے گا اور کوئی بھی شخص نام کی مناسبت سے ایک کتاب کو دوسرے کی طرف منسوب کردے گا۔

بات کو سمجھنے کے لیے اس بات کا جواب اگر مل جائے کہ کیا وجہ ہے امام صاحب کی

طرف الفقہ الاکبر کو منسوب نہ کیا جائے۔

۱- کیا اس کتاب کا مضمون ایسا ہے جس سے امام صاحب کے عقائد کے خلاف عقائد بیان کئے گئے ہیں؟

۲- کیا کوئی شخص اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ میں اس کتاب کا مصنف ہوں ؟

۳- کیا اس کتاب کے امام صاحب کی طرف منسوب ہونے پر کوئی نقص یا رد لازم آتا ہے؟

پہلی بات: جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے تو یہ کتاب مکمل طور پر امام صاحب کے عقائید کی مبیّن اور مؤید ہے۔ نہ کہ معارض اور مخالف ہے، اس بات کو تمام ائمہ تسلیم کرتے ہیں۔ اور جو ایک آدھ مسئلہ میں اختلاف کیا جاتا ہے اس کا جواب اور وضاحت امام ابو مطیع بلخی نے امام صاحب سے سوال کر کے فقہ ابسط میں وضاحت فرما دی ہے، اور بعض مسائل نسخوں کے اختلاف کی وجہ سے نظر آتے ہیں، وہ ہماری اسی شرح میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

دوسری بات: تاریخ اسلامی میں اس بات کا دعویٰ کرنے والا کوئی نہیں کہ یہ میری کتاب ہے۔ البتہ بعض لوگ ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے یا بعض لوگ ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ امام صاحب کی نہیں ہے مگر دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ امام صاحب کے عقائد یا فقہ وغیرہ اس کے علاوہ نہیں ہیں مگر نہ جانے وجہ کیا ہے۔؟

ایک طبقہ اس بات کا مدعی ہے کہ یہ کتاب امام اعظم کی تصنیف کردہ کتاب ہے ان کا دعویٰ بلا دلیل ہے، مگر جو لوگ اس کے منکر ہیں ان کا دعویٰ بھی بلا دلیل ہے؟

دعویٰ بلا دلیل دونوں طرف ہے جو منکرین ہیں وہ بھی حنفی ہیں اور نہ جانے وجہ کیا کہ کیوں انکار کیا جا رہا ہے اگر وجہ ابوحنیفہ البخاری کا نام ہے تو نام کی موافقت وجہ انکار کوئی وجہ دلیل نہیں ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ امام صاحب کی تصنیف ہی ہے تو اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا' سوائے چند ایک عقائد کے مگر وہ چند عقائد بھی وضاحت طلب ھیں اور یہ وضاحت بھی اس بارے میں ہے کہ آیا امام صاحب کے عقائد بیان فرمودہ درست ہیں یا کسی دوسرے امام کے مگر اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ امام صاحب کی کتاب ہے۔

آخری بات: اور امام صاحب کی طرف اس کتاب کے منسوب کرنے سے کوئی نقص یا رد لازم نہیں آتا' اس لئے جمہور امت کے ائمہ اہل سنۃ والجماعت ماتریدیہ' اشعریہ اور حنابلہ اور صوفیا اس بات کے قائل ہیں یہ امام صاحب کی تصنیف ہے اور امام کردری نے تو یہ وضاحت کر دی ہے کہ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ امام صاحب کی طرف نسبت غلط ہے وہ قول معتزلہ کا ہے کیونکہ معتزلہ اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ امام صاحب کی قلم سے ان کے عقائد کا رد معلوم ہو لہٰذا انہوں نے آسان راستہ تلاش کیا کہ سرے سے اس کتاب کی نسبت امام صاحب کی طرف غلط قرار دی جائے۔

رہا دعویٰ زمین و آسمان کے فرق کا تو اس کا ثبوت مدعی پر ہے کہ وہ ثبوت پیش کرے کہ کہاں اور کیا فرق ہے؟

اور یہ بھی بیان کرے کہ زمین و آسمان میں کس قدر فرق ہے؟ اور اس میں کیا ہے۔؟

اور اگر قارئین میں کسی صاحب کو مزید تحقیق کا شوق ہو تو راقم کی تحقیق سے مجموعہ الفقہ الاکبر میں ان دونوں نسخوں کو جمع کر دیا گیا ہے وہاں ان کا مقابلہ کرنا بھی آسان ہے اور وہاں یہ فیصلہ کرنا بھی ممکن ہے کہ زمین و آسمان کا فرق کتنا ہوتا ہے تاکہ حضرت مفتی صاحب کی اس عبارت کے مفہوم کو سمجھنا آسان ہو۔



اعتراض کا تیسرا اور چوتھا حصہ: طرز عبارت قدیم ہے۔

اور تمام مسائل حدثنا کہہ کر امام صاحب سے بیان کئے گئے ہیں۔

البتہ مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ

''امام صاحب کی فقہ اکبر کا طرز عبارت قدیم ہے، یعنی تمام مسائل اس کے حدثنا کہہ کر بیان کئے گئے ہیں جس کے راوی ابو مطیع البلخی ہیں جنہوں نے ہر مسئلہ کو امام صاحب سے روایت کیا ہے، چنانچہ علماء نے اس کی تصدیق کی ہے۔ (امام اعظم ابوحنیفۃ: ۳۶۳)

اس عبارت میں ہمارے نزدیک تو دو اعتراض بنتے ہیں:

پہلا یہ کہ: طرز عبارت قدیم ہے۔

دوسرا یہ کہ: تمام مسائل حدثنا کہہ کر امام صاحب سے بیان کئے گئے ہیں۔

جبکہ حضرت مفتی صاحب نے اس کو ''یعنی'' کہہ کر ایک ہی اعتراض بنا دیا ہے، گویا مفتی صاحب کا منشائے اعتراض یہ ہے کہ ابو مطیع بلخی والی فقہ اکبر کی عبارت کا انداز قدیم طرز کا ہے اور قدیم سے مراد یہ ہے کہ اس میں ''حدثنا'' کی تعبیر سے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

کتنا اچھا ہوتا کہ: 'حضرت مفتی صاحب قدیم کی بھی کوئی حد بندی کر دیتے' اور پھر اس حد بندی میں امام اعظم کو بھی پابند کرتے کہ آپ ان حدود کو نہ پھلانگیں؟؟؟

لیکن تقلید کے شوقین ہم لوگ یہ بھول جاتے ہیں امام ابو حنیفہ کو امام اعظم کیوں کہتے ہیں؟

کیا وہ تمام علوم عربیہ اور علوم دینیہ کے امام نہیں ہیں؟

ہمارے سے اچھی ان کے بارے میں رائے تو اہل شوافع کی ہے اور ان میں سے جو خراج تحسین ابن حجر مکی نے امام اعظم کو پیش کیا ہے وہ قابل قدر اور قابل بیان ہے، آپ فرماتے ہیں:

> احذر من ان تتوهم من ذلك ان ابا حنيفة لم يكن له خبر تام بغير الفقه ، حاشا لله ؛ كان فى العلوم الشريعة من التفسير والحديث والآلة من العلوم الادبية والمقاييس الحكمية بحرا لا يجارى وامام لا يمارى (مجموعۃ الفقہ الاکبر:۱۴)

اس وہم میں مبتلاء ہونے سے بچنا چاہئے کہ ہم یہ کہنے لگیں: امام اعظم کو فقہ کے علاوہ کسی اور علم میں کوئی خاص دسترس نہیں تھی، آپ تو امام علوم تفسیر اور علوم حدیث میں تھے۔ اور علوم ادبیہ اور علوم عقلیہ میں آپ سند کا درجہ رکھتے تھے، بلکہ آپ تو ایک علم کا بحر بے کراں تھے اور بلاشبہ آپ امام کل تھے۔

اس قدر بڑی شخصیت جو علوم ادبیہ اور علوم دینیہ کے امام اعظم ہوں ان کے بارے میں

یہ اعتراض کرنا کہ ان کی عبارت جدید انداز کی ہے قدیم نہیں ہے کس قدر تعجب انگیز بات ہے یہ امام اعظم کی شخصیت کے صحیح طور سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ حضرت امام اعظم کو اللہ تعالیٰ نے علم قراءت میں پہلا مقام دیا اور ان کی قراءت علامہ مکی نے مناقب میں اور علامہ کردری نے اپنی کتاب مناقب میں نقل کی ہے وہاں ملاحظہ کی جا سکتی ہے،

اور علم حدیث میں سب سے پہلے امام صاحب کی تصنیف ہے، علم فقہ میں سب سے پہلے امام صاحب کی تدوین ہے، اور بہت سارے دوسرے علوم عربیہ میں تدوین وتبویب کا کام سب سے پہلے امام اعظم نے کیا تھا اور آپ کے اس کام کرنے کا وہ زمانہ تھا جبکہ پوری دنیا علم کی تدوین کے لحاظ سے ابھی سو رہی تھی۔

اور یہ کہنا کہ ابو مطیع والی کتاب میں فقہ اکبر کے تمام مسائل حدثنا کہہ کر بیان کئے گئے ہیں؟

کیا اس کے بارے میں مفتی صاحب اس کتاب کو دیکھ کر کوئی مثال پیش کر سکتے ہیں پوری کتاب فقہ اکبر جو ابو مطیع بلخی نے روایت کی ہے اس میں کتنی بار لفظ 'حدثنا' استعمال کیا گیا ہے؟، اگر کوئی صاحب انصاف اس کتاب فقہ اکبر مرویہ کو دیکھ لے تو اس کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ اس کتاب کا سارا انداز: 'قلتُ ، میں نے پوچھا'؟ اور 'قال: اس نے کہا' پر مشتمل ہے، اور اس میں قلتُ کہہ کر ابو مطیع سوال کرتے ہوئے کہتے ہیں یعنی میں نے امام صاحب سے سوال کیا؟ تو جب امام صاحب کا جواب نقل کرتے ہیں تو قال کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور امام صاحب بعض اوقات اپنے جواب کو مدلل کرتے ہوئے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کرتے ہیں وہاں حدثنا کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، اور اس پوری فقہ اکبر یا فقہ ابسط نامی کتاب میں کل صرف سترہ احادیث ہیں۔

لطیفہ: لطف کی بات یہ ہے کہ جو علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو سترہ احادیث آتی تھیں انہوں نے امام صاحب کی اسی کتاب فقہ اکبر کو دیکھ کر یہ کہا ہوگا۔

جہاں تک حضرت مفتی عزیز الرحمٰن کا اعتراض ہے کہ اس سے مراد ابو حنیفہ بخاری ہیں

اور یہ ہی مراد علامہ شمس اللہ الکردری کی اسکا آسان جواب تو یہ ہے کہ صاحبِ کتاب کو ہی پوچھ لیا جائے کہ صاحب آپ کی رائے اس عبارت میں کیا ہے؟

نیز یہ کہ ہر وہ شخص جو امام صاحب کی تصانیف میں گہری نظر رکھتا ہو وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ حماد بن ابی حنیفہ والی فقہ اکبر جو ملا علی قاری کی شرح کے ساتھ معروف ہے وہ امام صاحب کی تصنیف ہونے میں زیادہ معروف اور مشہور ہے؛ بنسبت اس فقہ اکبر کے جو ابو مطیع بلخی نے روایت کی ہے؛ اس کی دلیل چاہئے تو میدان تصانیف تألیف حاضر ہے کسی زمانے کے علماء کا ذہن میں رکھئے اور ان کی تصانیف میں تلاش کیجئے کہ کس کا انتساب امام صاحب کی طرف زیادہ کیا جا رہا ہے؟

اور کیا جس کتاب کا انتساب کسی اور کی طرف ہوگا اس کو امام صاحب کی تصنیف ہونے سے ہم ان کار کر دیں گے؟ جبکہ یہ کوئی محققین کا وضع کردہ اصول اور طریقہ نہیں ہے اسی لئے علامہ کردری نے المناقب میں فرمایا:

وھذا، لیس اصل من الاصولیین

یعنی یہ اصولی علماء کا اصول نہیں ہے کہ اس طریقہ سے کوئی کتاب کسی کی طرف منسوب یا رد کی جائے۔

☆ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن مدنی بجنوری صاحب اپنی تصنیف امام اعظم ابوحنیفہ کے صفحہ نمبر: ۳۶۴ پر اس بحث کے نتائج نکالتے ہیں کہ کون سی فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف ہے؟ اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ فقہ اکبر مرویہ ہے جس کو امام صاحب سے امام ابو مطیع بلخی نے روایت کیا ہے، نہ کہ وہ فقہ اکبر جس کو امام حماد بن ابوحنیفہ نے روایت کیا ہے، ان کے یہ نتائج بڑے دل چسپ ہیں، جن کو قارئین کرام کے مطالعہ کے لئے ہم ذیل میں نقل کرتے ہوئے ان پر تبصرہ بھی کرتے ہیں:

فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے:

ا: متعصب صاحب کا یہ قول کہ (امام ابوحنیفہ کی کوئی تالیف بھی بسند صحیح ماثور نہیں اور

ایک جماعت علماء نے اس سے ان کار کیا ہے) پایۂ اعتبار سے بالکل عاری ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت میں سے کوئی ان کی تالیف سے منکر نہیں ہوا، صرف بعض معتزلہ لوگوں نے ان کار کیا ہے سوان کا ان کار قابل اعتبار نہیں، امام ابوحنیفہ کی تالیفات میں سے کتاب فقہ اکبر، کتاب العالم والمتعلم، وکتاب الاوسط، کتاب الوصیۃ، کتاب المقصود، ایسی مشہور ومعروف ہیں کہ محتاج سند نہیں، اگر ان کی سند ہی دیکھنی ہو تو قاضی ابوزید الدبوسی کی کتاب الزکوۃ کے باب زکوۃ الخراج، اور ابوسہل الغزالی کی کتاب الطہارۃ کا باب الحیض، اور ابوعلی الدقاق کی کتاب النکاح کے باب العدۃ، اور ابومنصور ماتریدی کی کتاب الزکوۃ کے باب زکوۃ السوائم، اور کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء، اور ابواللیث سمرقندی کی کتاب النکاح کے باب المہر کو دیکھو" (حوالہ اصل کتاب حدائق الحنفیہ سے نقل ہے)

تبصرہ: حضرت مفتی صاحب نے فقہ اکبر مرویہ کے ثبوت میں حدائق الحنفیہ صفحہ:۹۸ کی مندرجہ بالا عبارت پیش کی ہے بعض لفظی اختلاف کے پیش نظر ہم نے حوالہ اصل کتاب سے نقل کر دیا ہے۔ افسوس ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے یہ غور نہیں کیا کہ مذکورہ عبارت میں سے یہ بات کہیں بھی ثابت نہیں ہوتی کہ فقہ اکبر معروف امام صاحب کی کتاب نہیں ہے، البتہ عبارت میں مذکور کتاب الاوسط کے بارے میں بعض علماء کرام جیسے علامہ زاہد الکوثری وغیرہ نے یہ عندیہ دیا ہے کہ یہ فقہ ابسط یا فقہ اوسط اصل میں فقہ اکبر مرویہ کا ہی دوسرا نام ہے، نیز مرقاۃ کے حوالے سے خود مفتی صاحب نے امام محمد کی کتاب الاوسط کے بارے میں عبارت سے اس کا حجم متعین فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں:

انه استعار منّی کتاب الاوسط لابی حنیفة وحفظه فی یوم ولیلة

امام شافعی نے مجھ سے امام ابوحنیفہ کی کتاب الاوسط عاریتاً لی تھی، اور اس کو ایک دن اور ایک رات میں یاد کر لیا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا حجم زیادہ نہیں تھا اور اگر کتاب فقہ اکبر مرویہ کو دیکھا جائے تو اس کا حجم بھی اتنا ہی ہے اور جن حضرات نے اس کو فقہ ابسط یا اوسط کہا ہے عین

ممکن ہے کہ ان کی رائے درست ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲- علامہ کردری برانیقی عمادی نے ہر دو فقہ اکبر کے اوپر اپنے قلم سے لکھا تھا کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے۔ علامہ برانیقی صاحب ہدایہ کے شاگرد ہیں ۵۵۹ھ میں وفات پائی، ایک ثقہ محدث اور فقیہ ہیں ان سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے غلط لکھ دیا ہے۔

تبصرہ: حضرت مفتی صاحب نے مذکورہ عبارت میں دعویٰ تو یہ کیا کہ ''ہر دو فقہ اکبر کے اوپر اپنے قلم سے لکھا تھا کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے'' لیکن ایک فقہ اکبر کا امام صاحب کی تصنیف ہونے سے اقرار اور دوسری فقہ اکبر کا ان کار نہ جانے کس وجہ سے فرما رہے ہیں؟ کم از کم اپنے دعوے میں تھوڑی سی وسعت پیدا کر لیتے تو کتنا اچھا ہوتا اور دعویٰ اور دلیل موافق بھی ہو جاتے۔

۳- فقہ اکبر مرویہ ابومطیع کی روایت سے مروی ہے نہ کہ فقہ اکبر مشہور۔

تبصرہ: ''فقہ اکبر ابومطیع بلخی کی روایت سے مروی ہے تو فقہ اکبر مشہور امام حماد بن ابوحنیفہ کی روایت سے مروی ہے'' یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ، بھلا اس دعویٰ یہ بات کہاں سے نکل آئی ہے کہ فقہ اکبر مشہور امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے؟

۴- ''فقہ اکبر مشہور میں جہاں کہیں ''قال ابوحنیفہ قدوۃ الانام'' لکھا ہے وہ اقتباس ہے فقہ اکبر مرویہ کا، اور بعض جگہ ناسخین کا تصرف ہے''

تبصرہ: یہ بات تو حضرت مفتی صاحب فقہ اکبر مشہور سے لاعلمی کی بنا پر فرما رہے ہیں کیونکہ فقہ اکبر مشہور میں صرف ایک جگہ یہ عبارت ہے اور وہ بھی بالکل ابتداء میں اور اگر مفتی صاحب کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس عبارت کے بعد ساری فقہ اکبر مشہور فقہ اکبر مرویہ کا اقتباس ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اور فقہ اکبر مشہور کی ابتداء یوں ہوتی ہے ''قال الامام الاعظم'' اور اور مفتی صاحب کے فرمان ''بعض جگہ ناسخین کا تصرف'' سے کیا معاد ہے؟ یہ بات شائد حضرت مفتی صاحب کو بھی واضح نہیں ہے کہ وہ اس عبارت میں کیا کہنا چاہتے ہیں۔

۵- جو جرح اور تنقید فقہ اکبر پر کی جاتی ہے وہ فقہ اکبر مشہور پر منطبق ہوتی ہے نہ کہ فقہ اکبر مرویہ پر۔

تبصرہ: یہ بات تو اپنے اپنے ذوق سے تعلق رکھتی ہے، تنقید کرنے والوں نے دونوں فقہ اکبر پر تنقید کی ہے اور اس میں سے جو تنقید جس فقہ اکبر پر منطبق کرنی ہو اسی پر کی جا سکتی ہے، کیونکہ بعض لوگوں نے فقہ اکبر مرویہ پر تنقید کی ہے اور بعض لوگوں نے فقہ اکبر مشہور پر تنقید کی ہے۔

وللناس فيما يعشقون مذاهب

اس سلسلے میں ہمارا مؤقف واضح ہے کہ ہم دونوں فقہ اکبر امام اعظم کی ہی تصانیف مانتے ہیں لہٰذا جس نے بھی ان پر تنقید کی ہے ہم اس کا جواب یہاں اسی باب میں اور ان کی شروح میں ان عبارات کے ذیل میں بھی دیں گے۔

۶- ابن تیمیہ نے حمویہ میں فقہ اکبر مرویہ کی جو خصوصیات لکھے ہیں وہ فقہ اکبر مشہور پر منطبق نہیں ہوتے۔

تبصرہ: اس مقام پر تو انہوں نے اپنا مدعا ثابت کرنے کے لئے بنیاد بنائی ہے اور وہ مسئلہ 'استوی باری تعالیٰ علی العرش' ہے جبکہ یہ مسئلہ فقہ اکبر مشہور میں نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ گواہی صاحب خانہ کی معتبر ہوتی ہے امام ابن تیمیہ باوجود علم وحکمت کا پہاڑ ہونے کے امام صاحب سے عقائد وعمل دونوں میں اختلاف کرتے ہیں۔ وہ عقائد میں بھی حنبلی ہیں اور عمل میں بھی حنبلی ہیں اور ائمہ حنابلہ (یا محدثین) کی تنقید امام اعظم پر کسی سے مخفی نہیں ہے۔

۷- فقہ اکبر مرویہ کو چند اصحاب ابی حنیفہ نے ابو مطیع سے روایت کیا ہے جو مجروح نہیں ہے

تبصرہ: یہ تو حضرت مفتی صاحب نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے ورنہ اسمائے رجال کے لحاظ سے جو تنقید امام ابو مطیع بلخی پر کی گئی ہے وہ امام حماد پر یا ان کے نسخے کے راویوں پر نہیں کی گئی، تفصیل امام ابو مطیع کے احوال میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

۸- شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل انصاری ہروی نے فقہ اکبر مرویہ سے روایت نقل کرتے

ہوئے بیان کی ہے

تبصرہ: پہلی بات تو یہ ہے کہ شیخ الاسلام انصاری نے اپنی کتاب 'الفاروق' میں جو اپنی سند کے ساتھ مسئلہ بیان کیا ہے وہ مسئلہ عموماً وہی ہے جس سے حنابلہ اپنے عقیدہ استوی باری تعالیٰ کے بارے میں استدلال کرتے ہیں: آپ فرماتے ہیں:

انه سأل ابا حنيفة عمن قال : لا اعرف ربى فى السماء ام فى الارض فقال قد كفر لان الله يقول ﴿الرحمن على العرش استوى﴾ وعرشه فوق سبع سماواته . قلت : فان قال انه على العرش ولكن لا ادرى العرش فى السماء ام فى الارض قال هو كافر لانه انكر انه فى السماء فمن انكر انه فى السماء فقد كفر، وزاد غيره : لان الله فى اعلى العليين وهو يدعى من اعلى لا من اسفل (شرح عقیدہ طحاویہ: ۲۲۰)

ابو مطیع فرماتے ہیں: میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا: کہ وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں ہے اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو آپ نے جواب دیا وہ کافر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

رب رحمٰن عرش بریں پر مستوی ہوا

اور اللہ تعالیٰ کا عرش ساتویں آسمان سے اوپر ہے۔ پھر میں نے پوچھا: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں یہ تو جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں ہے تو اس کے بارے میں کیا رائے ہونی چاہئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص بھی کافر ہے کیونکہ اس نے عرش کے آسمانوں پر ہونے سے انکار کیا ہے اور جو شخص عرش کے آسمانوں میں ہونے سے انکار کرتا ہے وہ بھی کافر ہے۔ (بعض نسخوں میں عبارت کا مزید اسطرح اضافہ ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ العلیین میں ہیں اور ان سے دعا بھی اوپر کی طرف منہ کر کے مانگی جاتی ہے نہ کہ نیچے کی طرف منہ کر کے۔

اس عبارت سے فقہ اکبر مشہور کا امام صاحب کی طرف انتساب کرنے سے انکار

کہاں ثابت ہو رہا ہے؟ بلکہ یہ عبارت تو ہمارے دعویٰ کی تائید ہے کہ دونوں فقہ اکبر حضرت امام اعظم کی تصنیفات ہیں۔

۹- حافظ ذہبی نے کتاب مسئلہ علو میں لکھا ہے:

"روی ابو المطیع الحکم بن عبد الله فی الفقه الاکبر"

معلوم ہوا کہ حافظ ذہبی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے

تبصرہ: جی ہاں! مسئلہ "استواء علی العرش" کا تذکرہ صرف فقہ اکبر مرویہ میں ہے، تو جو شخص اس مسئلے کو بیان کرے گا وہ اسی فقہ اکبر کا حوالہ دے گا نہ کہ وہ دونوں فقہ اکبر کو متعارف کروائے گا، لہذا فقہ اکبر مشہور کا انکار تو اس سے ثابت نہیں ہوتا۔

۱۰- ابن قدامہ مقدسی اور ابن قیم نے بھی فقہ اکبر مرویہ کو تسلیم کیا ہے

تبصرہ: اس لئے کہ انہوں نے بھی مسئلہ استویٰ باری تعالیٰ علی عرش کو بیان کرنے کے دوران اس فقہ اکبر کا حوالہ دیا ہے لیکن اس سے فقہ اکبر مشہور کا انکار ثابت نہیں ہوتا۔

۱۱- علامہ قونوی کی روایت بھی اس قسم کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے:

تبصرہ: علامہ قونوی کے لقب سے دو افراد معروف ہیں (ایک): محمود بن احمد قونوی متوفی ۷۷۷، اور (دوسرے): محمد بن یوسف بن الیاس قونوی متوفی: ۷۸۸ھ ہیں، اس کی تعیین لازم ہے کہ کس نے اور کہاں فقہ اکبر مرویہ کو امام صاحب کی تصنیف قرار دیا ہے۔ اور دوسرا یہ بھی مدعی کے ذمے لازم ہے کہ وہ ثابت کرے کہ ان کی عبارت سے یہ بات کہاں ثابت ہوتی ہے کہ وہ فقہ اکبر مشہور کے امام صاحب کی تصنیف ہونے کا انکار کرتے ہیں، اور ہوسکتا ہے ان تک دوسری کتاب ہی نہ پہنچی ہو جس کی وجہ سے انہوں نے ایک کتاب کو امام صاحب کی کتاب تسلیم کرلیا ہے؟ اسی لئے عربی محاورہ ہے: اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

۱۲- علامہ ابن حجر مکی نے اپنے فتاوی میں تحریر فرمایا ہے کہ فقہ اکبر مشہور ابوحنیفہ بخاری کی تصنیف ہے اور فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے

تبصرہ: ابن حجر کا فقہ اکبر مشہور کے امام صاحب کی کتاب ہونے سے انکار کی وجہ صرف

مسئلہ والدین مصطفیٰ کے ایمان کی وجہ سے ہے لیکن انہوں نے اگر علامہ شامی کی تحقیق دیکھی ہوتی تو مسئلہ ہی پیدا نہ ہوتا اس مسئلے کی تفصیل ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے۔

۱۳- جو مسائل فقہ اکبر میں مشہور ہیں مثلاً، کفر والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وہ فقہ اکبر مرویہ میں نہیں ہیں، امام صاحب کی طرف اس مسئلہ کو منسوب کرنا افتراء ہے یہی حافظ ابن حجر مکی نے اپنے فتاوی میں اور علامہ طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں لکھا ہے۔

تبصرہ: اس مسئلے کے بارے میں فقہ اکبر مشہور کے مختلف نسخے ہیں، اور اس مسئلے کو بنیاد بنا کر فقہ اکبر مشہور کا امام صاحب کی تصنیف ہونے سے ان کار کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا، کیا اس کے ان کار کرنے کے بعد والدین مصطفیٰ کا ایمان ثابت ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور کیا فقہ اکبر مرویہ میں والدین مصطفیٰ کے ایمان کی تصریح کی گئی ہے یا نہیں؟

۱۴- فقہ اکبر پر کچھ شکوک وشبہات قائم کئے جاتے ہیں مثلاً علامہ شبلی اور ابوزہرہ مصری کو اشکال ہے کہ فقہ اکبر میں جن اصطلاحات مثلاً بالکیف بالعرض بالذات کا ذکر ہے، اور جن مسائل مثلاً کرامات اولیاء اللہ کا تذکرہ ہے یہ سب بعد کی چیزیں ہیں، امام صاحب کے زمانہ میں ان کا وجود نہیں تھا، بیشک لیکن یہ شک فقہ اکبر مشہور پر کیا جا سکتا ہے نہ کہ فقہ اکبر مرویہ میں نہ یہ اصطلاحیں ہیں اور نہ ان مسائل کا ذکر ہے۔

تبصرہ: اگر بلی کو دیکھ کر کبوتر آنکھیں بند کر لے تو کیا اس سے کبوتر موت سے بچ جاتا، اس لئے امام اعظم نے اگر ان مسائل کی نشان دہی کی ہے تو کیا اس کا آسان حل یہ ہے کہ ہم اس کتاب کا امام صاحب کی تصنیف ہونے سے ہی ان کار کر دیں، اس کی تفصیل ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے

☆ ان شاء اللہ ☆

تیسرا اعتراض:

﴿ان دونوں فقہ اکبر کے مسائل ایک دوسرے سے مختلف ہیں﴾

آئمہ کرام میں جو کتاب فقہ اکبر کے نام سے معروف ہے وہ ابو مطیع بلخی کی روایت کردہ

ہے، اور وہی امام صاحب سے منقول ہے اور جس فقہ اکبر کی ملا علی قاری نے تشریح کی ہے اس میں معروف فقہ اکبر کے علاوہ مسائل ہیں۔

اس اعتراض کی تقریر یوں ہے کہ

۱: اصل فقہ اکبر وہ کتاب ہے جس کو امام ابو مطیع بلخی نے امام صاحب سے روایت کیا ہے

۲: وہ فقہ اکبر جسکی تشریح ملا علی قاری نے کی ہے وہ امام صاحب کی کتاب نہیں ہے

۳: ان دونوں فقہ اکبر میں ایک دوسرے سے مختلف مسائل ہیں

اب ہم ان میں سے ہر نقطے کا الگ الگ وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں واللہ الموفق والمعین،

الجواب:

پہلی بات: کیا ابو مطیع بلخی والی فقہ اکبر امام صاحب کی ہے اور امام حماد والی نہیں

اس اعتراض کی محققین کی نظر میں اتنی زیادہ اہمیت نہیں کیونکہ فقہ اکبر کا وہ نسخہ جس کو امام حماد نے امام صاحب سے روایت کیا ہے وہ معترض کی نظروں سے پوشیدہ رہا تھا، ورنہ وہ اس قسم کا اعتراض نہ کیا کرتے، اور الحمدللہ ہم نے فقہ اکبر ابو مطیع، اور فقہ اکبر امام حماد، ہر دو رسائل کو مجموعہ فقہ اکبر میں شامل کر کے شائع کر دیا ہے۔ اب آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ مسائل میں کس قدر فرق اور اختلاف ہے؛ اس اعتراض کی حقیقت حال قارئین کرام پر اس کتاب کے مطالعہ کے بعد کھلے گی اور تبھی آسانی سے آپ فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اور اصل بات یہ ہے کہ جو کتاب ابو مطیع بلخی نے روایت کی ہے اس کے مصنف امام صاحب ہیں، اور جو نسخہ ملا علی قاری کی شرح کے ساتھ مروجہ ہوا ہے وہ بھی امام صاحب کا تصنیف کردہ ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ایک کا انداز بیانیہ ہے اور دوسرے کا انداز سوالیہ ہے ویسے دونوں کا موضوع علم عقائد ہے۔

متن فقہ اکبر کی حقیقت حال:

فقہ اکبر جو امام حماد بن ابی حنیفہ کی روایت سے مروی ہے وہ ایک متن ہے، اور اس میں عقائد سے متعلق مسائل بیان کئے گئے ہیں اور اس میں سوال وجواب کا طریقہ اختیار نہیں کیا

گیا ہے بلکہ کسی سوال کا تذکرہ کئے بغیر ایک بیان کے انداز میں بات بیان کر دی گئی ہے اور سامع سننے میں مصروف ہے، اور کسی قسم کا اعتراض کرنے والا بھی کوئی نہیں، لہذا کلام کی روانی میں کوئی خلل بھی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی توحید سے علاماتِ قیامت تک کے سارے مسائل اختصار کے ساتھ اس زمانہ میں ایک مسلمان کو مسلمان بننے کے لئے یا ایک نومسلم کو جس قدر ضروری ہو سکتے ہیں اس رسالے میں بیان فرمادئے گئے ہیں۔

جب کہ دوسری کتاب جس کے راوی ابو مطیع ہیں، اس کا نام آئمہ تحقیق مثلا علامہ بیاضی وغیرہ فقہ ابسط تجویز فرماتے ہیں، اور اگر اس کو فقہ اکبر بھی کہا جائے تو بھی کوئی اعتراض والی بات نہیں کیونکہ اصل فقہ اکبر کی قراءت کے دوران ذہن میں وارد ہونے والے شبہات کا جواب شاگرد جو ابو مطیع بلخی ہیں وہ پوچھتے جارہے ہیں اور استاد جو خود حضرت امام اعظم ہیں وہ جواب دیتے جارہے ہیں،

اصل متن اس کتاب میں بھی فقہ اکبر ہی ہے مگر اس متن میں پیدا ہونے والے شبہات کا جواب مدون شکل میں فقہ ابسط کی صورت میں ہے لہذا ان کو ابو مطیع نے یک جا کر دیا اور قدیم ائمہ کی عادت کے مطابق اس کتاب کا نام کوئی بھی تجویز نہیں کیا، صرف فن کے نام فقہ اکبر کی وجہ سے اس کا نام بھی فقہ اکبر معروف ہو گیا، اس بارے میں دلیل چاہئے تو حاضر ہے امام ابو مطیع بلخی فقہ ابسط کے شروع میں فرماتے ہیں:

سألت ابا حنيفة نعمان بن ثابت عن الفقه الاكبر

(مجموعہ الفقہ الاکبر: ۱۱۵)

میں نے امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت سے فقہ اکبر کے بارے میں پوچھا؟

اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے فقہ اکبر کے مسائل کے بارے میں پوچھا؟ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ میں نے پوچھا کہ فقہ اکبر کہاں پڑی ہے یا فقہ اکبر کیا ہے یا فقہ اکبر کس کو کہتے ہیں بلکہ ایک عام سا مفہوم جو عربی لفظ (عن) کے مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے، کہ میں نے فقہ اکبر کی قرائت کے بعد اس میں

پیدا ہونے والے سوالات کے بارے میں امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت سے پوچھا تو انہوں نے جو جوابات دیئے ان کو اس رسالے میں جمع کر کے قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ اور کہنے کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ''میں نے امام ابوحنیفہ سے علم عقائد کے بارے میں پوچھا تو امام صاحب نے جو جواب دیا وہ یوں ہے'' لیکن یہ بات تب بنتی جب ایک بار پوچھتے اور پھر خاموش رہتے لیکن اس رسالے میں بار بار سوال کیا جاتا ہے اور ان سوالات کی تعداد ستاسی کے قریب بنتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو مطیع بلخی کے سامنے پہلے سے کوئی امام صاحب کا تجویز کردہ کوئی خاکہ موجود ہے جس کو سامنے رکھ کر جو باتیں وضاحت طلب ہیں ابو مطیع صرف ان کے بارے میں استفسار کرتے ہیں اور امام صاحب مختصر انداز میں اسکا جواب دیدیتے ہیں، اور ان سوالات کے مجموعے کا نام فقہ اکبر بھی رکھا گیا، اور بعض ائمہ علامہ بیاضی وغیرہ نے اس کا تھوڑا سا اختلاف دیکھ کر نام مختلف کر دیا اور انہوں نے فقہ ابسط کر دیا، اور بعض حضرات مثلاً علامہ زاہد الکوثری وغیرہ نے فقہ اوسط بھی اسی کو قرار دیا ہے، اور اسی کتاب کی تشریح امام ابواللیث سمرقندی نے فرمائی جو حیدرآباد دکن سے امام ابومنصور ماتریدی کے نام سے چھپی ہوئی ہے اس پوری تشریح میں انہوں نے کہیں بھی کتاب کے نام کی وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ کون سی کتاب ہے۔

شروحات وتراجم فقہ اکبر کی حقیقت حال:

پھر شروحات کے لحاظ سے دیکھا جائے تو زیادہ شروح متن فقہ اکبر کی ہیں جو نسخہ ملا علی قاری کے نام سے مشہور ہے اور ابو مطیع بلخی والی شرح چونکہ علم فقہ اکبر پر کئے گئے سوالوں کے جوابات ہیں اور اس کی شرح کی زیادہ ضرورت نہیں تھی لہذا اس کی شروحات زیادہ نہیں لکھی گئی سوائے مولانا ابواللیث سمرقندی، قاضی عبیداللہ العلوی اور خواجہ محمد الحسینی المعروف بہ گیسودراز کی شروحات کے، اور اگر تینوں شروحات پر اجمالی نظر ڈالی جائے تو اس کی صورت یوں بنتی ہے:

پہلی تشریح امام ابواللیث سمرقندی کی ہے اور وہ اپنی اس شرح میں بعض اجمالی مسائل کی

تفصیل بیان فرماتے ہیں اور اس زمانے کے معروف فرقوں کے دلائل اور ان کے عقائد کا رد فرماتے ہیں اور کتاب کے بعض مقامات سے خاموشی سے گزر جاتے ہیں، اس لئے کہ ان کے زمانے میں ان باتوں کی شرح کی ضرورت نہ تھی اگر چہ آج کے زمانے میں اس کی ضرورت بہت بڑھ گئی ہے، اس شرح کی وسعت اصل کتاب کے متن کے برابر اس لحاظ سے کتاب کا حجم شرح کو ملا کر دو چند ہو گیا ہے۔

دوسری تشریح شیخ حضرت محمد الحسینی گیسودراز نے کی ہے وہ ابواللیث کی شرح کے بعض مقامات کا فارسی ترجمہ اور بعض اضافات ہیں جو ترجمہ میں بعض ضروری افادات جو شیخ اپنا نام لیکر فرماتے ہیں۔

تیسری تشریح قاضی عبید اللہ العلوی کی ہے لیکن یہ کتاب دوسروں کی نسبت مفصل ہے اور بعض جگہ تخریج احادیث بھی ہے اور بعض جگہ تشریحی اور بعض مقامات پر توضیحی نوٹس ہیں۔

چوتھی تشریح راقم نے کی ہے جو انشاء اللہ فقہ اکبر کی اس تشریح کے بعد مکمل کی جائے گی اس تشریح میں ابواللیث کی گیسودراز اور قاضی العلوی کو شامل کر کے جہاں کمی رہ گئی ہے اس میں مزید وضاحت کی گئی ہے۔

جس کو شرح کہا جا سکتا ہے وہ صرف امام ابواللیث کی شرح کے ابتدائی چند ابواب ہیں علاوہ ازیں کوئی شرح ایسی نہیں جو ان تینوں سے بڑھ کر ہو

تراجم فقہ ابسط:

پہلا ترجمہ مولانا عبدالحفیظ رحمانی نے کیا ہے جو آثار الامام نے نام سے مکتبہ شہاب دیوبند نے شائع کیا ہے جو نایاب ہے۔

دوسرا ترجمہ: مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے مہر انور کے نام سے کیا ہے اور مطبوع ہے لیکن وہ بھی نایاب ہے۔

تیسرا ترجمہ: بندہ راقم نے کیا جو شرح کے ضمن میں انشاء اللہ جلد ہی طبع ہو جائے گا۔

فقہ اکبر کی شروحات:

البتہ فقہ اکبر ملا علی قاری والے نسخے کی متعدد شروح ہیں ان میں حکیم اسحاق بن محمد حکیم سمرقندی، شیخ اکمل بابرتی، فخر الاسلام بزودی، محی الدین بن بہاء الدین، ملا علی قاری، عبد العلی بحر العلوم ابو منتہی، اور اسکا فارسی ترجمہ از حضرت علی ہجویری، اور ابراہیم بن حسام کی منظوم شرح اور نور ظلم شرح سید احمد مرزوقی یہ تمام شروحات اس نسخہ کی ہیں جو ملا علی قاری کی شرح میں استعمال ہوا ہے۔

اختلاف مسائل:

اور یہ کہنا کہ ''مسائل میں اختلاف اس نوعیت کا ہے کہ ایک نسخے میں اور مسائل ہیں اور دوسرے نسخے میں اور مسائل ہیں''

اس کا جواب یوں ہے کہ جب دو کتابیں ایک ہی فن کی ہوں گی اور لکھنے والا بھی ایک ہی ہوتو مسائل میں اضافہ یا کمی ہونا ایک فطری بات ہے مگر جب کتاب کی نوعیت بھی مختلف ہوتو اس میں یہ دعویٰ تو نہیں کیا جا سکتا کہ وہ دو مختلف کتابیں ہیں لیکن یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ان دونوں میں ایک دوسرے سے مختلف مسائل ہیں، اور یہ اختلاف ان کتابوں میں کمی یا زیادتی کے لحاظ سے، یا بعض مسائل کے ایک کتاب میں ہونے اور دوسری میں نہ ہونے کے لحاظ سے ہے ان کے علوم کے مختلف ہونے کے لحاظ سے نہیں ہے۔

اس میں کوئی اعتراض والی بات نہیں جیسا کہ پہلے واضح کیا گیا ہے کہ دو الگ کتب میں اختلاف تو ہوتا ہے البتہ تضاد ہونا قابل اعتراض بات ہے، اور اعتراض ثابت کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے جبکہ دونوں فقہ اکبر کے نسخے زیرِ قلمی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں، ان کو ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے اور دیکھا جا سکتا ہے کہ ان میں کوئی تضاد ہے؟ لیکن اصل بات یہ ہے کہ ان نسخوں کو دیکھنے کے بعد ہر ذی ہوش آدمی ہمارے اس دعوے کی تائید کرے گا کہ ان نسخوں میں اختلاف تو ہے لیکن ان میں آپس میں تضاد نہیں ہے۔

اکثر علمائے اُمت نے وہ فقہ اکبر جس کو امام حماد بن ابی حنیفہؒ نے روایت کیا ہے اس کو

امام اعظم کی تصنیف تسلیم کیا ہے اور بعض نے وہ فقہ اکبر جس کو امام ابو مطیع بلخی نے روایت کیا ہے اس کو امام صاحبؒ کی تصنیف تسلیم کیا ہے اس لئے بہت سارے علمائے امت نے ان دونوں کی شرح میں دلچسپی ظاہر کی ہے اور ان کی شروحات بھی لکھی ہیں،

علامہ عبدالقادر بغدادی فرماتے ہیں

"فان اباحنیفة له کتاب فی الرد علی القدریه سمّاها کتاب الفقه الاکبر، وله رسالة املاها فی نصرة قول اهل السنة، ان الاستطاعة مع الفعل" (اصول الدین ص ۳۰۸)

امام ابوحنیفہؒ نے قدریہ کے رد میں ایک کتاب تصنیف کی تھی جس کا نام فقہ اکبر رکھا تھا اور اس میں اہل السنّت والجماعت کے قول استطاعت مع الفعل کی بارے میں بھی بحث کی تھی۔

اس عبارت سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں:

پہلی بات یہ کہ امام صاحب کی تصنیف کا نام فقہ اکبر ہے،،

دوسری بات یہ کہ اس رسالے میں مسئلہ استطاعت پر بھی بحث کی تھی۔

"رسالة املاها فی نصرة قول اهل السنة، ان الاستطاعة مع الفعل"

اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسا کون سا رسالہ ہے جس میں مذکورہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے؟

بحمداللہ تعالیٰ اس بارے میں ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ وہ کتاب جس کا نام فقہ اکبر ہے اور جو امام ابو مطیع بلخی کی روایت کردہ فقہ اکبر ہے اس کے اس نسخے میں جو مجلس علمی نے یا دوسرے حضرات نے اس کو طبع کیا ہے اس میں یہ مسئلہ موجود نہیں ہے ہاں البتہ جو نسخہ خواجہ گیسودراز کی شرح کے ساتھ طبع ہوا ہے اس نسخے میں بھی یہ مسئلہ بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اور جو نسخہ بندہ کاتب کی تحقیق سے طبع ہوا ہے اس میں بھی یہ نسخہ موجود ہے

من شاء منکم فیراجع الیه

خلاصہ کلام:

ہر شخص جو امام صاحب کی تصانیف میں گہری نظر رکھتا ہو وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ حماد بن ابی حنیفہ والی فقہ اکبر جو ملا علی قاری کی شرح کے ساتھ معروف ہے وہ امام صاحب کی تصنیف ہونے میں زیادہ معروف اور مشہور ہے؛ بنسبت اس فقہ اکبر کے جو ابو مطیع بلخی نے روایت کی ہے۔ اس کی دلیل چاہئے تو میدان تصانیف تألیف حاضر ہے کسی زمانے کے علماء کا ذہن میں رکھئے اور ان کی تصانیف میں تلاش کیجئے کہ کس کا انتساب امام صاحب کی طرف زیادہ کیا جا رہا ہے؟ اور کیا جس کتاب کا انتساب امام صاحب کی طرف کم ہوگا تو محققین اس کا امام صاحب کی تصنیف ہونے سے انکار کر دیں گے؟ لیکن یہ اصول محققین کا طریقہ نہیں ہے اسی لئے علامہ کردری نے المناقب میں فرمایا:

وهذا ليس اصل من الاصوليين

یہ اصولی علماء کا اصول نہیں ہے کہ اس طریقہ سے کوئی کتاب کسی کی طرف منسوب یا رد کیا جائے۔

چوتھا اعتراض:

ائمہ حنابلہ کے استدلالات کا مسئلہ

فقہ اکبر کے امام صاحب کی تصنیف ہونے کا انکار کرنے کے لئے سب سے اہم اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ بہت سارے علمائے حنابلہ نے اُس فقہ اکبر سے استدلال کیا ہے جو امام ابو مطیع کی روایت کردہ ہے، اور اسی کا نام فقہ اکبر مرویہ ہے پس ان علماء کے استدلال کی وجہ سے یہ کتاب امام اعظم کی تصنیف ہے، جبکہ امام حماد بن ابو حنیفہ والی فقہ اکبر سے کسی حنبلی عالم نے استدلال نہیں کیا لہذا وہ فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے۔

اس اعتراض کے تمام جزء کی تفصیل یوں ہے:

پہلا جزء:

یہ کہ امام ابن تیمیہ نے فقہ اکبر کی ایک عبارت نقل کرنے کے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ فقہ اکبر کی عبارت ہے، لہٰذا جس فقہ اکبر میں وہ عبارت پائی جائے وہ امام صاحب کی تصنیف ہے جس میں وہ عبارت نہ پائی جائے وہ حضرت امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے۔

دوسرا جزء:

یہ ہے کہ بعض علمائے حنابلہ نے امام اعظم کی فقہ اکبر میں سے اللہ تعالیٰ کے استوائے عرش کا مسئلہ نقل کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ جس فقہ اکبر میں یہ مسئلہ موجود ہے وہ امام صاحب کی تصنیف ہے اور جس میں یہ مسئلہ نہیں ہے وہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے؟

اس جزء کے دو پہلو ہیں:

ایک پہلو: یہ کہ اس مسئلہ کے ایک نسخے میں موجود ہونے سے وہ امام صاحب کا مصنفہ نسخہ قرار پائے۔

دوسرا پہلو: یہ ہے کہ اس عبارت کی عدم دستیابی کی وجہ سے فقہ اکبر کا نسخہ امام صاحب کی تصنیف ہونے سے مردود ٹھہر یا جائے؟

الجواب: بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے علمائے حنابلہ کی عبارات کو دیکھا جاتا اور اس کے بعد ان کا محاکمہ کیا جاتا کہ ان میں سے کون سی بات ثابت ہوتی ہے اور کون سی بات ثابت نہیں ہوتی، لہٰذا جن جن علمائے حنابلہ نے اس عبارت سے استدلال کیا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل بیان کی جاتی ہے۔

☆...... ابن قدامہ المقدسی (۶۲۰ھ) کا مؤقف:

موفق الدین ابن قدامہ مقدسی فقہ اکبر کے بارے میں فرماتے ہیں:

''یہ بات امام ابوحنیفہ سے مجھے پہنچی ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں فرمایا''جو شخص اللہ تعالیٰ کے آسمان میں ہونے کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہے'' (اثبات صفة العلو: ۱۶۸)

☆...... ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) کا فقہ اکبر کے بارے میں مؤقف

ویسے تو علمائے حنابلہ میں بہت سے ایسے افراد گزرے ہیں جنہوں نے فقہ اکبر سے استدلال کیا ہے لیکن ان میں امام ابن تیمیہ سب سے معروف اور معاملے میں دوسروں سے مقدم ہیں:

(۱) ابن تیمیہ اپنی کتاب منہاج السنہ میں فرماتے ہیں

بلاشبہ امام ابوحنیفہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے تقدیر کا علم اپنے سے مقدم لوگوں سے حاصل کیا تھا اور ان کے ساتھ اتفاق بھی کیا تھا، اور ان کے ماننے والوں نے اسی روایت کو قائم بھی رکھا تھا، اور قدریہ کے بارے جو فقہ اکبر میں انہوں نے رائے دی ہے وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے اور انہوں نے اپنی اس کتاب میں جس انداز میں مسئلہ تقدیر کو ثابت کیا ہے ایسا کوئی اور ثابت نہیں کرسکا ہے۔ (منہاج السنۃ: ۳/۶۳۹، وبرائۃ الائمۃ الاربعۃ)

(۲) اپنی ایک اور تصنیف ردالتعارض بین العقل والنقل میں فرماتے ہیں:

''ابوحنیفہ اپنی اس کتاب فقہ اکبر میں فرماتے ہیں جو ان کے ماننے والوں میں بہت معروف ہے اور وہ کتاب بااعتماد سندوں کے ساتھ ابومطیع حکم بن عبداللہ بلخی نے روایت کی ہے'' (ردالتعارض بین العقل والنقل: ۶/۲۶۳)

(۳) اپنی تصنیف فتاویٰ حمویہ کبری میں فرماتے ہیں:

فقہ اکبر نامی کتاب میں جو ابومطیع نے روایت کی ہے اور وہ امام ابوحنیفہ کے تلامذہ میں بہت معروف ہے اور یہ کتاب اپنی اسناد کے ذریعے ابومطیع حکم بن عبداللہ بلخی تک پہنچتی ہے، اس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ سے فقہ اکبر کے بارے میں پوچھا؟

(مجموعہ فتاوی: ۵/۴۶)

(۴) ایک مقام جو عبدالعزیز حمیدی کی نظر سے نہیں گزری لیکن ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

امام ابن تیمیہ کا دعویٰ ہے جو انہوں نے ''استوی علی العرش'' کا اثبات کرتے ہوئے اپنے ایک رسالے میں کیا ہے اور وہ رسالہ انہوں نے خاص طور پر مسئلہ استوی پر تصنیف کیا ہے۔ آپ اس میں فرماتے ہیں کہ:

فقہ اکبر میں ابو مطیع سے روایت کیا گیا کہ:

من لم يقر بان الله على العرش فقد كفر ، لان الله يقول " الرحمن على العرش استوىٰ " و عرشه فوق سبع سمٰوات فقلتُ: انّه يقول "على العرش استوى" ولكن لا يدرى العرش فى السماء ام على الارض؟ فقال : اذا انكر انّه فى السماء فقد كفر.

جو شخص اس بات کا اقرار نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں وہ کافر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿الرحمٰن علی العرش استویٰ﴾ اللہ اپنے عرش پر مستوی ہو گئے اور اس کا عرش ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے میں نے پوچھا کہ اگر کوئی کہے کہ وہ عرش مستوی ہو گیا لیکن وہ یہ نہیں جانتا کہ عرش آسمان کے اوپر ہے یا زمین کے اوپر؟ امام صاحب نے جواب دیا جب آسمان پر ہونے کا اس نے انکار کیا تو وہ کافر ہو گیا۔ (فتاوی کی جلد:۵)

اور میں مذکور یہ عبارت:

"من لم يقربان الله على العرش فقد كفر ...."

صرف امام ابو مطیع بلخی والی فقہ اکبر میں مذکور ہے، یہ عبارت ملا علی قاری والے نسخہ میں نہیں ہے؟ لہٰذا ابو مطیع والا نسخہ امام ابو حنیفہ کا ہے اور ملا علی قاری والا نسخہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے؟ یہاں مدعی کا یہ دعویٰ نہیں کہ فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے بلکہ فقہ ابسط کے امام صاحب کی تصنیف ہونے کا دعویٰ ہے چونکہ اس عبارت سے امام ابن تیمیہ کا اپنا عقیدہ ثابت ہوتا تھا لہٰذا اس کو استدلال بنا کر امام صاحب کی تصنیف مان لیا ہے۔

اس دعویٰ کے بعد دو ہی صورتیں باقی رہ جاتی ہیں:

پہلی صورت: یہ ہے کہ کیا امام صاحب اور ابن تیمیہ کا اس مسئلہ میں ایک ہی عقیدہ ہے اس سلسلے میں کئی ائمہ کرام ہیں جنہوں نے امام صاحب کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں زمین پر نہیں ہیں۔ لہٰذا اس بات سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ائمہ ماتریدیہ اور

اشعریہ نے جو ائمہ حنابلہ سے اختلافات کیے ہیں ان میں ایک اہم ترین مسئلہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر بیٹھے ہوئے ہونے کا ہے اور عرش ساتویں آسمان سے اوپر ہے۔

اسی بنا پر امام بزودی نے اپنی کتاب اصول الدین میں حنابلہ کو مجسمہ فرقہ میں ذکر کیا ہے یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے تجسیم کے قائل ہیں اس لحاظ سے دیکھا جائے گا کہ امام صاحب سے یہ بات نقل کرنا کہاں تک درست ہے اور اگر نقل کر بھی لیا جائے تو اس کا حقیقی مفہوم کیا ہوگا اس بات کی توضیح کے لئے مندرجہ ذیل نکات قابل توجہ ہیں:

(اول): یہ کہ امام صاحب سے حنابلہ کا اس مسئلہ میں اختلاف تھا حنابلہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے عرش کے استویٰ کے قائل ہیں جب کہ حضرت امام صاحب کی فقہ ابسط میں یہ عبارت ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی نسبت اوپر کی طرف اعلی ہونے کی وجہ سے کرتے ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ جہت کو متعین کرنے کی وجہ سے، اور سب اعلی مقام اللہ تعالیٰ کا عرش ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے نہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت میں محدود ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر کرسی میں محیط ہیں، اور نہ ہی کرسی ذات باری کی محاط ہے۔ اس لئے کہ ذات باری کو محیط کرسی یا محدود بالعرش کرنے سے یقیناً ذات باری تعالیٰ میں کسر شان لازم آتی ہے اور یہ رائے ہرگز ہرگز امام صاحب کی نہ ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔

(دوم): رہا یہ سوال کہ امام صاحب نے ایک رسالہ لکھا جس کا عنوان ہے ﴿اللہ علی العرش﴾ یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں اس عنوان کو تسلیم کر لئے جانے کے بعد یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ امام اعظم اللہ تعالیٰ کے عرش پر محدود ہونے کے قائل ہیں۔

(سوم): امام ابن تیمیہ کا یہ استدلال کرنا کہ وہ فقہ اکبر امام صاحب کی کتاب ہے۔ جس میں استویٰ علی العرش کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ امام ابن تیمیہ کی غرض بذات خود اپنا مدعی ثابت کرنا ہے نہ کہ فقہ اکبر کو امام صاحب کی تصنیف ثابت کرنا، اور اس بحث میں سارا زور اس بات پر ہے کہ اگر یہ کتاب امام صاحب کی تصنیف ثابت ہو جائے تو ہمارا دعویٰ خود بخود ثابت ہو جائے گا، ورنہ متاخرین حنابلہ نے اس کتاب کی اسناد پر بحث و جرح کرنے کے

بعد اس کو امام صاحب کی تصنیف ماننے سے انکار کر دیا ہے۔

(چہارم): ایک زمانہ میں یہ رواج رہا ہے کہ کوئی بھی فرقہ اپنے آپ کو حضرت امام صاحب کا ہم مسلک ثابت کرنے کے لیے ان کے عقائد توڑ موڑ کر بیان کرتا تھا، حتیٰ کہ قدریہ ان کو اپنا ہمنوا بنا کر پیش کرتے تھے، مرجیہ اپنا ہم خیال ظاہر کرتے تھے، اور جبریہ ان کو اپنا ہمنوالہ و ہم پیالہ جانتے تھے۔ اور شیعہ حضرات بھی اس میدان میں طبع آزمائی کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے ہیں۔ تو بھلا حنابلہ کسی سے کیسے پیچھے رہ سکتے تھے۔

اس سلسلے میں ہمارا بڑا سادہ سا جواب ہے۔ کہ کوئی شخص اپنے عقائد ثابت کرنے کی غرض سے ایک نظریہ پیش کرے تو ہم اس بات کو ماننے کے لیے ہمہ وقت دست بستہ تیار رہتے ہیں۔ لیکن امام صاحب کے عقائد کو کوئی نیا رخ دے یا ان کو نئے انداز میں پیش کرے یہ کسی صورت قابل قبول نہیں ہوسکتا،

لہٰذا ابن تیمیہ کا دعویٰ اس قدر تو درست ہے کہ یہ امام صاحب کی تصنیف ہے مگر اس سے اپنے مسئلہ استوی علی العرش کا استدلال کسی طور پر ثابت نہیں ہوتا پھر جبکہ ابن تیمیہ نے مسئلہ استوی علی العرش میں باقاعدہ ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں تو آسمان کے اوپر عرش و کرسی کہ من جملہ آسمانوں کے شمار کیا ہے۔

(۵) اپنی کتاب الحمویہ میں ایک مقام پر استدلال کرتے ہیں جس کی عربی عبارت یوں ہے:

الفقه الاكبر المشهور عند اصحاب ابى حنيفة الذى رواه بالاسناد عن ابن مطيع الحكم بن عبد الله البلخى ، قال سئالت ابا حنيفة عن الفقه الاكبر ؟ فقال : لا تكفرن احداً بذنبٍ ، ولا تنف احداً به من الايمان ، وتأمر بالمعروفِ وتنهىٰ عن المنكر ، و تعلم ان ما اصابک لم يكن ليخطئک وما اخطئاک لم يكن ليصيبک ، ولا نتبرىٰ احداً من أصحاب رسول الله ، ولانوال

احداً دون أحد ، و ان ترد أمر عثمانؓ و علیؓ الی اللّٰہ عز و جل

(مجموعہ فتاویٰ الحمویہ)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ کے اصحاب میں جو فقہ اکبر مشہور ہے یہ وہی فقہ اکبر ہے جس کو ابو مطیع بلخی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے، اور اس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ سے فقہ اکبر کے بارے میں سوال کیا تو جواب میں امام صاحب نے فرمایا: فقہ اکبر یہ ہے کہ تو

''گناہوں کی وجہ سے کسی کو کافر نہ کہے اور کسی کو ایمان سے خارج نہ کرے، اور امر معروف اور نہی منکر کو اپنا شعار بنائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا، اور جو اس کی طرف سے نہیں ملنے والا اس کو کوئی دے نہیں سکتا اصحابِ رسول میں سے کسی سے تبراء نہیں کرتے اور نہ ہی کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں اور مشاجرات حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔

وضاحت: امام ابن تیمیہ نے جو امام اعظم کی فقہ اکبر کے یا ان کے عقائد کے بارے میں رائے بیان فرماتے ہوئے استدلال کیا ہے، ان سب عبارات کو جمع کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ فقہ اکبر کے دونوں نسخوں کو حضرت امام اعظم کی تصانیف مانتے ہیں کیونکہ منہاج السنۃ میں مسئلہ تقدیر پر بحث کرتے ہوئے انہوں جس انداز سے استدلال کیا ہے اور قدریہ پر امام اعظم کی طرف سے رد کرنا ثابت کیا ہے، وہ عبارت امام اعظم کی امام حماد والی فقہ اکبر میں ہے امام ابو مطیع بلخی والے نسخے میں نہیں ہے اور اگر کسی صاحب کو شک ہو تو دونوں نسخے مطبوعہ شکل میں مل جاتے ہیں دلیل مدعی کے ذمے لازم ہے۔

مزید یہ کہ: امام ابن تیمیہ بذات خود حنبلی عقائد کے حامل ہیں اس لئے ان کی بات کا وہ درجہ یا اعتماد نہیں ہو سکتا جو کسی صاحب مسلک و مذہب کا ہو سکتا ہے کیونکہ ابن تیمیہ کئی مسائل میں حضرت امام صاحب سے اختلاف کرتے ہیں اور وہ مسائل متن فقہ اکبر میں مذکور ہیں، جبکہ ابو مطیع والی فقہ ابسط یا فقہ اکبر میں مذکور مسائل سے ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے اسی لئے کہ ان کے نزدیک یہ کتاب تو امام صاحب کی تصنیف ہونا تسلیم ہے اور ان کی اسی بات کو بنیاد

بنا کر بعض علمائے حنابلہ اس کو امام صاحب کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔

اس جواب کا خلاصہ کلام یوں ہے:

ہمارے نزدیک میدان تحقیق میں امام ابن تیمیہ کی رائے قابل حجت وقابل استدلال نہیں ہے اس کی متعدد وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: ابن تیمیہ عقائد اور فقہ میں امام احمد بن حنبلؒ کے مقلد ہیں اور اصول یہ ہے ؛صاحب البیت ادری بمافیہ۔

دوسری وجہ: ابن تیمیہ نے اپنے اس دعوے میں دوسری فقہ اکبر کے امام اعظم کی تصنیف ہونے سے انکار نہیں کیا، لہٰذا ان کے اس دعویٰ کی بناء پر ہم کیسے ایک کتاب کی نفی اور دوسری کا اثبات کر سکتے ہیں۔

تیسری وجہ: ابن تیمیہ نے یہ دعویٰ امام صاحب کی تمام کتب کا احاطہ کرتے ہوئے نہیں کیا جسکی وجہ سے ان کی رائے کو ایک فقہ اکبر کے امام صاحب کے تصنیف ہونے اور دوسری فقہ اکبر کے تصنیف نہ ہونے پر استدلال کریں، ہاں ایسا ضرور ہے کہ ان کو یہ رسالہ ملا اسی کو انہوں نے اپنے دعویٰ کی بنیاد بنالیا۔

چوتھی وجہ: ابن تیمیہ نے مسئلہ: استویٰ اللہ علی العرش کی وجہ سے خاص طور سے اس نسخے سے استدلال کیا ہے اور حنابلہ اسی مسئلہ سے استنباط کرتے ہیں کہ جو استوی کے بارے میں ہماری رائے ہے وہی امام صاحب کی رائے ہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک اس مسئلہ میں تاویل یا تفویض جائز ہے، لیکن تعیین یا تجسیم جائز نہیں ہے، اور علامہ بیاضی اور علامہ زاہد الکوثری کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں بعض علمائے حنابلہ تعیین اور تجسیم کے قائل ہیں، اسی لئے علامہ کوثری اشارات المرام کے صفحہ نمبر ۶ کے حاشیہ میں عبداللہ انصاری ہروی کو اہل مجسمہ میں شمار کرتے ہیں۔

☆ علامہ ذہبی: ۷۴۸ھ العلو لعلی الغفار میں فرماتے ہیں

''ابو مطیع بلخی جن کا نام حکم بن عبداللہ بلخی فقیہ مصنف فقہ اکبر جنہوں نے امام اعظم سے فقہ کا علم بھی حاصل کیا اور انہی سے روایت حدیث کی فرمائی ہے''

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

''امام ابو مطیع بلخی جو فقہ اکبر کے راوی ہیں ان سے یہ بات ہمیں پہنچی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے پوچھا'' (العلوٗ لعلی الغفار: ۱۰۱)

☆ نیز ناصر الدین البانی نے جو مختصر العلو کی ہے اس میں بھی انہوں نے اس کتاب کو ابو مطیع بلخی کی تصنیف بتایا ہے (مختصر العلو: ۱۳۶)

☆ ابن قیم جوزی ۷۵۱ھ فرماتے ہیں

ابن قیم نے اجتماع جیوش الاسلامیہ مین تین مختلف مقامات پر من وعن وہی عبارات نقل فرمائی ہیں جو ابن تیمیہ میں اپنی کتب میں نقل کی ہیں اور ابن قیم نے تو حوالہ بھی ابن تیمیہ کی ان عبارات کا دیا ہے جو اوپر ابن تیمیہ کے حوالے سے نقل کی ہیں اس لئے ہمارے دعویٰ اپنی جگہ پر ہی ثابت ہے کہ حنابلہ نے صرف ایک مسئلہ نقل در نقل کیا ہے ورنہ اس کے علاوہ کوئی اور بات ایسی نہیں جو وجہ استدلال بن سکے۔

ان کی ایک عبارت اجتماع جیوش اسلامیہ ص: ۵۵ پر ہے۔ دوسری عبارت اجتماع جیوش اسلامیہ کے صفحہ ۵۶ پر ہے اور تیسری عبارت بھی اسی کتاب کے صفحہ ۵۶ پر نقل کی گئی ہے

☆ عبدالقادر بن طاہر بغدادی

جو 'اصول الدین ص: ۳۰۸' کے مصنف ہیں 'الفرق بین الفرق ص: ۳۲۳' اپنی مذکورہ دونوں کتابوں میں فقہ اکبر کو امام جو ابو مطیع والی ہے اس کو امام اعظم کی تصنیف بتاتے ہیں

☆ ابو بکر بیہقی

بیہقی نے بھی امام ابو مطیع بلخی کے ذریعے روایت کی گئی کتاب فقہ اکبر کو امام ابوحنیفہ کی تصنیف قرار دیا ہے (اجتماع جیوش: ۵۵، الاسماء والصفات: ۴۲۶)

☆ ابو اسماعیل انصاری نے الفاروق میں

انہی مسائل کو جو ابن تیمیہ نے اپنی کتب میں نقل کئے ہیں بنیاد بنا کر امام ابو حنیفہ کی اسی فقہ اکبر کو جو ابو مطیع بلخی کی روایت کی ہے اس کو بنیاد بناتے ہوئے اس کو امام اعظم کی تصنیف قرار دیتے ہیں''

امام ابن تیمیہ نے اپنی کتب میں متعدد جگہ حضرت امام صاحب سے عبارات نقل کی ہیں جن میں اکثر جگہ وہ فقہ اکبر کا حوالہ دیتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ امام اعظم کی رائے ہے، لیکن یہ تعیین اس وقت تک ممکن نہیں ہوسکتی جب تک ان تمام عبارات کو ایک جگہ جمع کر کے موازنہ نہ کیا جائے اور اس کے بعد ہی کوئی حتمی رائے قائم کی جاسکتی ہے،

اسی لیے خاص طور سے اس نسخے کا ان کے ہاں تذکرہ کیا جاتا ہے ورنہ ابن تیمیہ کے ماننے والے خود حماد بن ابی حنیفہ والے نسخہ کی شرح ڈاکٹر محمد بن الخمیس سے کروا کر وزارت شؤون اسلامیہ والاوقاف والدعوۃ والارشاد سعودی عرب سے چھپوا کر حجاج کرام کو مفت تقسیم کروا رہے ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ہر دور کے اہل علم کے درمیان معروف فقہ اکبر وہی ہے جس کو متن فقہ اکبر کہا گیا ہے اسی لیے تو کثیر ائمہ نے اس کی شروحات لکھی ہیں اور اسی سے استدلالات کئے ہیں، اور اسی پر بنیاد رکھتے ہوئے امام بزودیؒ کی کتاب اصول الدین، امام ابو بکر کلاباذی کی کتاب التعرف لمذہب التصوف اور امام طحاوی کی کتاب بیان السنۃ جو عقیدۂ طحاویہ کے نام سے مشہور ہے، اور محی الدین بن محمد ابن بہاء الدین المتوفی :۹۵۱ھ نے شرح الفقہ الاکبر لکھی اور مولی اسحاق نے شرح الفقہ الاکبر لکھی ہے۔ (الشقائق النعمانیہ طاشکبری زادہ)

اور علامہ نصیر الدین بینائی نے فتاویٰ برہنہ میں متعدد جگہ امام حماد والی فقہ اکبر کو امام صاحب کی تصنیف مانتے ہوئے استدلال کرتے ہیں، اور امام ابراہیم بن حسام نے منظوم انداز میں شرح لکھی ہے۔

اور فقہ اکبر مرویہ یا فقہ ابسط کی جن احباب نے تشریحات کی ہیں وہ مکمل شروحات نہیں بلکہ ان کو حاشیہ کہنا چاہئے، لہذا امام ابن تیمیہ کی بات کو بنیاد بنا کر ایک فقہ اکبر کو امام صاحب

کی تصنیف ماننا اور دوسری کا رد کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔

(۲): اور اس باب میں بعض علماء نے کچھ عبارات کی عدم دستیابی کو بنیاد بنا کر ملا علی قاری والے نسخے کو امام صاحب کی تصنیف ہونے سے انکار کیا ہے، اس سے مسئلہ میں ان کی مراد خاص طور سے یہی مسئلہ ہے جو مسئلہ استواء باری تعالیٰ ہے۔

پہلی بات: اگر اس عبارت کی عدم دستیابی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کتاب امام صاحب تصنیف کی نہیں تو کئی نسخے اسی کتاب کے جو امام صاحب سے ابو مطیع بلخی اور ان سے آگے مختلف راویوں نے روایت نقل کی ہیں ان میں بھی یہ عبارت موجود نہیں ہے مثال کے طور پر وہ نسخہ جو مجلس علمی کراچی سے طبع ہوا ہے اور قاضی عبید اللہ علوی نے اس کے حواشی اور مفتی محمد عیسیٰ نے اس پر مقدمہ لکھا ہے اس میں یہ عبارت نہیں ہے لہٰذا جس طرح اس نسخے کا عبارت کی عدم دستیابی کی وجہ سے امام صاحب کی تصنیف ہونے سے انکار کیا جاتا ہے اسی بناء پر اس کا بھی انکار کرنا چاہئے

دوسری بات: امام صاحب کے زمانے میں علم عقائد کیلئے کوئی مخصوص نام نہ تھا اس لئے جس نے اس دور میں علم عقائد کے موضوع پر لکھا اس نے اسکا نام فقہ اکبر رکھ دیا اور ممکن ہے کہ اس نام کی کوئی کتاب اور بھی دریافت ہو جائے یا کسی کتاب کے متعدد نسخے مل جائیں اس لئے یہ مسئلہ اتنی پریشانی والا نہیں ہے اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی موضوع پر مختلف تصانیف ہوں اور ممکن ہے کہ ایک مسئلہ ابو مطیع کے ہاں ہو اور کسی دوسرے نے اس کو نقل نہ کیا ہو۔

یا ان باتوں کو جواب یوں بھی ہو سکتا ہے:

پہلی بات یہ ہے کہ جو عبارت امام ابن تیمیہ نے نقل کی ہے اس کا مفہوم دیکھ لیا جائے تو مسئلہ کافی حد تک صاف ہو جائے گا اور وہ عبارت یوں ہے:

امام ابو مطیع بلخیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے فقہ اکبر کے بارے میں پوچھا:

قال سئالتُ اباحنيفة عن الفقه الاكبر ؟

اس عبارت میں دیکھنے والی بات یہ ہے کہ اس عبارت میں فقہ اکبر سے مراد کیا ہے؟

(۱) یا تو اس سے مراد فقہ اکبر کا فن ہے جس سے مراد اس زمانے میں علم العقائد لیا جاتا تھا

(۲) یا اس سے فقہ اکبر نام کی کتاب ہے جو حضرت امام صاحب کی تصنیف شدہ تھی

(۳) یا مذکورہ دونوں باتیں مراد ہیں اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ میں علم عقائد کی کتاب فقہ اکبر کے بارے میں اسی موضوع کی مزید وضاحت کی غرض سے بعض باتیں دریافت کیں جن کو بعد میں کتابی شکل دے کر ایک نئی کتاب بنادی اور یہی بات عین ممکن اور قرین قیاس ہے، گویا امام ابو مطیع بلخی اس عبارت میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ:

قال ابو مطیع :قرأتُ الفقه الاکبر ، وسألتُ ابا حنیفةَ عن مّا فیه

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ: میں نے کتاب فقہ اکبر پڑھنے کے بعد علم فقہ اکبر یعنی علم عقائد کی مزید وضاحت چاہتے ہوئے امام ابوحنیفہ سے پوچھا؟

اس طرح ساری بات واضح ہو جائے گی اور کوئی تعارض باقی نہیں رہے گا۔

تیسری بات: چونکہ امام ابو مطیع بلخی نے اپنی کتاب کا کوئی نام تجویز نہ فرمایا تھا اور یہ ہی سلف کا طریقہ کار تھا اور بعد والے احباب نے ان کے نام تجویز کیے جیسے کہ پہلے واضح کر دیا گیا ہے اب بعد والے احباب نے یا تو موضوع کی مناسبت سے اس کا نام فقہ اکبر رکھ دیا اور بعض نے فقہ اکبر کی بجائے چونکہ یہ بات اس نام کی کتاب امام صاحب سے پہلے منقول تھی جس کے راوی حماد بن ابی حنیفہ تھے لہذا تھوڑا فرق کرتے ہوئے اس کا نام فقہ ابسط تجویز فرما دیا، اور یا اس کتاب کے ابتدا میں فقہ اکبر کا نام دیکھ کر اس کتاب کا نام بھی فقہ اکبر سمجھ لیا لیکن یہ آخری بات انتہائی سطحی ہے۔

آخری بات: دوسرے ائمہ حنابلہ نے بھی چونکہ نقل در نقل کے طور پر اس عبارت سے استفادہ کیا ہے لہذا میدان تحقیق میں یہ کوئی ایسا علمی اضافہ نہیں کہ اس کو بہت بڑی تحقیق شمار کیا جا سکتا ہو ورنہ ان میں سے بعض حضرات نے تو سرے سے امام صاحب کی تصنیف

ہونے سے بھی ان کار کیا ہے لہذا اس کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں فلاں امام بھی اس بات کا قائل ہیں (جیسا کہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن نے ارشاد فرمایا ہے) درست نہیں ہے

نوٹ: اسی تحقیق کے دوران انٹرنیٹ سے بھی جب سرچ کی گئی تو وہاں ایک بڑا مفصل مقالہ دریافت ہوا جس کا اصل موضوع ہے

کہ امام ابوحنیفہ کی فقہ اکبر کون سی ہے آیا وہ جس کو ابو مطیع بلخی نے روایت کیا ہے یا وہ جس کو امام حماد نے روایت کیا ہے اس سلسلے میں اس مقالہ نگار کا سارا زور اس بات پر ہے کہ چونکہ دونوں نسخوں میں روایت کرنے والے راوی مجروح ہیں لہذا ان سے اس بات پر استدلا کرنا کہ وہ امام اعظم کے عقائد کا مجموعہ ہیں کسی طور بھی صحیح نہیں ہے باقی اس میں موجود اہم باتوں کو یہاں نقل کر دیا ہے اور بعض باتویں جو قابل رد تھیں ان کو پہلے ہی رد کیا جا چکا تھا، اور حنابلہ کی تائید میں انہوں نے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ بھی قبل ازیں واضح کر دیا گیا ہے

اب کوئی خاص بات ایسی نہیں جس کو یہاں پیش کیا جا سکے

وللہ الحمدیارب کما ینبغی لجلاک

پانچواں اعتراض:

مسئلہ عبارات کی عدم دستیابی

علامہ قونوی نے ارشاد فرمایا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ فقہ اکبر میں ارشاد فرماتے ہیں:

ان اباحنيفة سُئل : ما تقول في الخوارج المحكّمة ؟

فقال ؛ هم أخبث الخوارج ؛

قال ابو مطيع قلت تكفرهم ؟

قال لا ولكن نقاتلهم على ما قاتلهم الائمة من اهل الخير على بن ابى طالب وعمر بن عبد العزيز "

(مجموعہ الفقہ الاکبر:۱۳۴)

''امام ابوحنیفہؒ سے سوال کیا گیا کہ خوارج محکمہ کے بارے میں کیا رائے ہے تو آپ نے جواب دیا: یہ خوارج کی بدترین قسم ہیں۔

تو پوچھا گیا: کیا ان کو کافر کہا جائے گا یا نہیں؟ تو جواب دیا کہ کافر نہیں کہا جائے گا۔

لیکن چونکہ وہ ائمہ حق حضرت علیؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ سے قتال کرتے تھے لہذا ان کے ساتھ قتال کیا جائے گا''

یہ عبارت بھی ابو مطیع والے نسخے میں ہے، دوسرے نسخہ یعنی حماد بن ابی حنیفہ والے نسخے میں موجود نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ کی فقہ اکبر کا اصل نسخہ ابو مطیع بلخی والا ہے نہ کہ ملا علی قاری والا ؟

واقعی یہ بات صحیح ہے اور مذکورہ عبارت فقہ اکبر مرویہ ابو مطیع میں موجود ہے لیکن فقہ

اکبر مرویہ امام حماد بن ابوحنیفہ میں موجود نہیں ہے۔ اس میں ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ یہ دونوں نسخے امام ابوحنیفہ کی تصانیف ہیں؛ ایک کی روایت ابومطیع اور دوسرے کی روایت حماد بن امام اعظم نے امام اعظم سے کی ہے البتہ دونوں کا موضوع جدا ہے ایک کا موضوع علم عقائد اور دوسرے کا موضوع علم کلام ہے، ہم ان دونوں میں سے کسی ایک کا رد کرتے ہوئے دوسرے کو قبول کرنے کے دعوے دار نہیں ہیں، نیز ہم تو اس بات کے بھی قائل ہیں کہ امام صاحب سے ان کی مذکورہ کتب کے متعدد نسخے منقول ہیں جیسے فقہ اکبر از امام حماد والی کتاب میں والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ میں ہم آئندہ مسئلے میں وضاحت کریں گے؛ اسی طرح فقہ ابسط میں متعدد نسخوں سے عبارات کا فرق ہمارے طبع شدہ نسخے میں فرق بیان کیا گیا ہے اور ہماری تحقیق سے طبع شدہ نسخہ ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے، اسی طرح مجلس علمی کراچی سے طبع شدہ فقہ اکبر روایہ ابومطیع بلخی والے نسخے میں مسئلہ استوی علی العرش بیان نہیں کیا گیا البتہ حاشیے میں نقل کیا گیا ہے۔

جہاں تک مسئلہ اہل خوارج کا ہے۔ تو یہ فرقہ حضرت امام صاحب کے زمانہ میں بڑے زوروں پر تھا مگر سوال یہ کہ ایک نسخے میں اس کا ذکر ہونا اور دوسرے میں اس کا تذکرہ نہ ہونا، اس سے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے اور وہ نہیں؟

جبکہ امام صاحب کے زمانہ میں اور بے شمار فرقے تھے جن سے امام صاحب کے مناظرے ہوئے اور انہوں نے حضرت امام صاحب کو قتل کرنے تک کے پروگرام بنائے ،اوران کا تذکرہ تک امام صاحب نے اپنی اس کتاب میں نہیں کیا، تو کیا اس کے بارے میں یہ رائے رکھی جائے گی کہ جس کتاب میں ان کا تذکرہ ہے وہ تو امام صاحب کی تصنیف ہے لیکن دوسری کتاب جو اس کے علاوہ ہے وہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے، یہ تو ایسا اصول ہے کہ جس قاری کی نظر سے وہ عبارت گذری ہے اسی کو امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا اور اسی عبارت کو جو ان کی نظر میں تھی اس کو دلیل بنا دیا ہے جب کہ یہ اصول نہ عقلاً اور نہ نقلاً قابل اعتناء ہے کیونکہ ایک بات کا میرے علم میں ہونا اس کے وجود کی دلیل نہیں اور

میرے علم میں نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ حقائق تو اپنی جگہ حقائق ہوتے ہیں دیکھا یہ جاتا ہے کہ مدعی نے آیا یہ نسخہ دیکھا ہے اور اس کی نوعیت......اور...... بیان کیا ہے، یا اپنے طور پر ایک نسخہ دیکھا اس میں ایک بات دیکھی اور اسی بات کو دعویٰ کی دلیل بنا دیا؟

علم عقائد میں امام اعظم کی کتب کی نوعیت:

دیکھا جائے تو فقہ اکبر میں حضرت امام صاحب صرف دعویٰ کرتے ہیں جس کے ساتھ دلیل کبھی ذکر نہیں فرماتے، پوری کی پوری کتاب دعووں کا مجموعہ ہے اب فقہ ابسط پر نظر ڈالی جائے تو وہ دلائل کا مجموعہ ہے اسی طرح العالم والمتعلم بھی دلائل کا مجموعہ ہے اب ان دونوں میں فرق یہ ہے فقہ ابسط میں عموماً نقلی دلائل ذکر کیے گئے ہیں کبھی قرآن سے کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے، اور العالم والمتعلم میں جو دلائل ذکر کیے گئے ہیں وہ بالعموم عقلی نوعیت کے ہیں، مگر یہ بھی میرا دعویٰ ہے کہ جو اس کتاب پر مشتمل ہے ورنہ بعض اوقات فقہ ابسط میں عقلی اور العالم والمتعلم میں نقلی دلائل بھی ذکر کر دیتے ہیں اس لحاظ سے دیکھا جائے تو فقہ اکبر امام صاحب کی وہ کتاب ہے جو صرف دعاوی پر مشتمل ہے۔ اور اسمیں امام صاحب نے عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کو اجمالاً بلا تذکرہ دلیل ذکر کر دیا ہے۔ اسی کتاب کو جب امام صاحب کے شاگردوں نے دوران تعلیم، مطالعہ کیا تو ذہنوں میں سوال و جواب پیدا ہوئے تاکہ اس بات کو سمجھا جا سکے اور ان سوال و جواب کو بعض تلامذہ نے محفوظ کر لیا، اور بعض نے محفوظ نہ کیا۔

ہمارے پاس جو سوال و جواب کی صورت میں محفوظ کلام ہے وہ یا تو فقہ ابسط اور یا العالم والمتعلم کی شکل میں ہے اور کچھ کام ہے جو تاریخ کی کتب میں بکھرا پڑا ہے اور اس کام کی نوعیت یہ ہے کہ کوئی آدمی امام صاحب کی مجلس میں آتا ہے اور تھوڑی دیر بیٹھ کر کوئی بات سنتا اور چلا جاتا اور بعد میں کسی کے سامنے بیان کر دیتا ہے اور اس کا یہ بیان تاریخ کی کتب میں محفوظ ہو گیا اور تاریخ کا حصہ بن گیا مگر فقہ اکبر میں اول سے آخر تک جنہوں نے امام صاحب سے علم حاصل کیا اور اس کو لکھا وہ کئی احباب تھے مگر جن کا کلام مجموعہ کی شکل میں ہم تک پہنچا وہ

صرف دو حضرات ہیں ایک امام ابو مطیع بلخی اور دوسرے امام ابو مقاتل سمرقندی ہیں، اور ایک کی کتاب فقہ ابسط ہے اس کو فقہ اکبر مرویہ بھی کہا جاتا ہے اور دوسری کتاب العالم والمتعلم ہے اور اس ساری تفصیل کو بہترین اجمالی انداز میں امام بزدویؒ نے اپنی کتاب اصول الدین کے مقدمہ میں ان الفاظ سے تحریر فرمایا ہے:

و کان یعلم اصحابه فی الابتداء ، وقدصنف فیها کتبا وقع بعضها الینا ، وعامتها محاها وغسلها اهل البدع والزیغ

(اصول الدین:۴)

یعنی ابتداء میں امام صاحب اپنے شاگردوں کو علم کلام سکھایا کرتے تھے اور علم کلام میں متعدد کتب بھی تصنیف فرمائی ہیں بعض تو ہم تک پہنچ گئی ہیں اور امام صاحب کی عام کتب اہل بدعت اور گمراہ لوگوں نے پانی میں دھو کر مٹادیں اور یوں وہ ضائع ہوگئی ہیں۔

اور اگر ابو مطیع نے یا ابو مقاتل نے امام صاحب سے سوال و جواب کر کے ان کو تحریر کیا ہو تو وہ کتاب اسی امام کی سمجھی جائے گی جس کا وہ کلام ہے اور اہل علم کی اصلاح میں اس کو امالی کا نام دیا جاتا ہے؛

یہ طریقہ تعلیم تو آج تک بھی سکول و کالجز اور مدارس اسلامیہ میں رائج ہے؛ اور اسی طرح حضرت امام صاحب کے امالی مرتب کئے گئے؛ اس سلسلے میں سب سے زیادہ دھوکہ جس عبارت سے ہوا وہ الفقہ الابسط کی عبارۃ ہے جس میں امام ابو مطیع البلخی فرماتے ہیں:

سألت اباحنیفة نعمان بن الثابت عن الفقه الاکبر فقال......

میں نے امام اعظم ابوحنیفہ سے الفقہ الاکبر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا......

چونکہ یہ ایک مجمل سوال ہے اس لئے کہ فقہ اکبر متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے اس لئے اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو فقہ اکبر کے بارے میں دریافت کرنا کئی معنوں میں ہوسکتا ہے۔

(۱) یہ کہ فقہ اکبر کس علم کو کہا جاتا ہے؟

(۲) یہ کہ فقہ اکبر جو آپ کی تصنیف ہے وہ کیا ہے؟

(۳) یہ کہ میں فقہ اکبر مطالعہ کرتے ہوئے میرے ذہن میں جو سوالات پیدا ہوئے ان کے بارے میں میں نے امام صاحب سے پوچھا؟

سوال اول پر امام صاحب کا اسی قدر کہہ دینا کافی تھا ایمانیات کی بنیادی باتیں مانی جائیں اور اس کی تفصیل جس طرح فقہ اکبر میں ہے کہ:

> اصل التوحيد وما يصح الاعتقاد عليه يجب ان يقول : آمنت بالله وملائكته وكتبه ورسله والبعث بعد الموت والقدر خيره وشره من الله تعالىٰ و الحساب والميزان والجنة والنار حق كله؛

اصل توحید اور وہ چیز جس کی وجہ سے آدمی کے اعتقادات کے صحیح ہونے کا پتہ چلتا ہے وہ یہ کہ آدمی پر واجب ہے کہ کہے میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر، اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی طرف سے نازل شدہ کتابوں پر، اور اس کے تمام رسولوں پر، اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر، اچھی اور بری تقدیر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر، اور انسانوں کے اعمال کے محاسبہ پر، اور اعمال کے تولے جانے والے میزان پر، اور جنت اور جہنم پر، یہ کہ یہ سب کچھ حق اور سچ ہے؛

جبکہ فقہ ابسط میں فرمایا کہ:

> لانكفر احدا بذنبه ، ولا نفي احدا من الايمان ؛ وان تامر بالمعروف وتنهى عن المنكر ؛ وتعلم ان ما اصابك لم يكن ليخطئك ، وان ما اخطئك لم يكن ليصيبك ؛ ولانتبرء من اصحاب رسول الله ورضي عنهم ، ولانتوال احدا دون احد ؛ وان نرد امر عثمان وعليؓ الى الله وهو عالم السر والخفيات .

ہم کسی شخص کی اس کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے؛ اور نہ کسی کے ایمان کے اس سے نفی کرتے ہیں اور اچھائی کا حکم اور برائی سے روکنا؛ اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو کچھ ملنا مقدر میں ہے وہ مل کر رہتا ہے اور جو ملنا مقدر میں نہیں ہے وہ کوئی حاصل نہیں کر سکتا؛ اور اصحاب رسول میں سے ہم کسی سے برائت کا اعلان نہیں کرتے؛ اور نہ کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت دیتے ہیں اور حضرت عثمان و علی کا معاملہ ہم اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں کیونکہ وہ ذات ہے جو سارے چھپے راز اور مخفی بھید جانتی ہے۔

فیصلہ قارئین خود کر سکتے ہیں کہ ایمانیات کا بنیادی تعارف کس صورت میں صحیح اور بہتر انداز میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اور دوسرے سوال کو سامنے رکھتے ہوئے سائل پوچھ رہا ہے آپ کی تصنیف فقہ اکبر کی نوعیت کیا ہے یا وہ کون سی ہے؟ جواب میں اگر اس کا نام یا مضامین کا خلاصہ پیش کر دیا گیا تو کافی تھا مگر پوری تصنیف میں جا بجا سوال کرتے چلے جانا اور امام صاحب کا تفصیل سے اسکا جواب عنایت فرمانا کسی اور بات کی نشان دہی کرتا ہے؛

اور وہ بات یہی ہے جو ہمارا مدعا ہے کہ اصل کتاب کی خواندگی کے دوران پیدا ہونے والے اشکالات یا سوالات کے بارے میں امام صاحب سے جب دریافت کیا گیا تو امام صاحب کی طرف سے اس کے جوابات ملے؛ اور ان کو جب تحریر میں لایا گیا تو ایک امالی کی شکل اختیار کر گئی اور اسی کا نام فقہ ابسط ہے۔

اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے: فقہ اکبر کے بعض مضامین ہیں جن کی تفصیل فقہ ابسط میں ہے اور اگر دونوں کتابوں کو سامنے رکھ کر پڑھا جائے تو یوں لگتا ہے فقہ ابسط امالی اور نوٹس ہیں فقہ اکبر پر اور فقہ اکبر متن ہے فقہ ابسط کے لئے اور یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے؛ واللہ تعالیٰ اعلم بالصوب۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ:

امام صاحب نے ایک رسالہ علم عقائد میں تحریر فرمایا جس کا نام فقہ اکبر اور اس کی

روایت امام صاحب سے ملا علی قاری نے فرمائی ہے؛

اس رسالہ کی تعلیم وخواندگی کے دوران اس پر پیدا ہونے والے اعتراضات جو اس موضوع کی مناسبت سے بڑی اہمیت کے حامل تھے ان کو کئی تلامذہ نے تحریری شکل میں جمع کیا اکثر ان میں سے ضائع ہو گئے اور ان میں سے جو ہمارے ہاتھ لگے وہ دو اشخاص (۱) ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی کے فقہ ابسط کے نام سے؛ اور (۲) ابو مقاتل حفص بن سلیمان سمرقندی کے العالم والمتعلم کے نام سے محفوظ ہیں؛

علمائے عصر حاضر کا فقہ اکبر کے بارے میں رویہ.

(اول) موجودہ زمانے میں بھی یہ رواج چلا آرہا ہے کہ جو عبارت ہماری رائے سے موافقت نہ کرتی ہو ہم اس کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں یا اس پر اس نوعیت کی تنقید کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس تحقیق کو ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہیں اس میں قاضی سجاد بخاری صاحب کی کتاب اقامۃ البرہان کے صفحہ: ۲۷۰ کی مثال موجود ہے

مفتی عبدالشکور ترمذی نے میت میں قبر کے اندر اعادہ روح کی بات کرتے ہوئے ایک عبارت فقہ اکبر سے نقل کی

واعادة الروح الی الجسم فی قبرہ حق فقہ اکبر: ۱۴

قبر میں روح کا میت کے جسم میں لوٹایا جانا حق ہے

اس کے جواب میں قاضی سجاد بخاری فرماتے ہیں

''باقی رہا ترمذی صاحب کا یہ کہنا کہ فقہ اکبر میں امام صاحب نے قبر میں اعادۂ روح کو تسلیم کیا ہے (صف ۱۹) تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ یہ فقہ اکبر جس کی شرح ملا علی قاریؒ اور ابو المنتہی نے لکھی ہے وہ امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ وہ ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف ہے جسے غلطی سے اشتراک کنیت کی وجہ سے امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا گیا، امام صاحب کی فقہ امام ابو مطیع بلخیؒ کی روایت سے ہے اور سب سے پہلے اس کی شرح امام اہل سنت امام ابو منصور ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ نے لکھی ہے یہ شرح دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

کی طرف سے شائع ہو چکی ہے اس فقہ اکبر میں اعادۂ روح کا نام و نشان تک نہیں‘‘

اور قاضی صاحب اس بارے میں دوسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں:

چونکہ امام طحاوی نے عقیدۂ طحاویہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے معتقدات کو جمع کر کے لکھا تھا ’’مگر اس رسالے میں انہوں نے قبر کے اندر اعادہ روح کا کوئی ذکر نہیں فرمایا اگر یہ مروجہ فقہ اکبر امام ابو حنیفہ کی تصنیف ہوتی تو امام طحاوی اس کے دیگر مندرجات کے ساتھ ساتھ اعادۂ روح کے عقیدے کو بھی ضرور اس رسالے میں درج فرماتے (اقامۃ البرہان: ۱۷۲)‘‘

سوال یہ ہے کہ

(۱) کیا عقیدہ طحاویہ امام صاحب کے تمام معتقدات کا مجموعہ ہے؟

(۲) اور یہ کہ کیا شرح فقہ اکبر واقعی امام ابو منصور ماتریدی کی تصنیف ہے؟

(۳) اور کیا ابو حنیفہ بخاری نام کے شیخ کی فقہ اکبر نامی کوئی کتاب دنیائے تاریخ کے تذکرہ نویسوں میں سے کسی نے لکھی ہے؟

ہمارا جواب ان تینوں سوالات کے لئے ہے:

(۱) نہیں

(۲) نہیں

(۳) نہیں

(دوم) اسی طرح جب میں نے مجموعہ الفقہ الاکبر کی پہلی اشاعت کے وقت اس کو مکمل کرنے کے بعد حضرت مفتی محمد عیسیٰ صاحب مدظلہ کی خدمت میں کچھ کلمات لکھنے کے لئے عرض کیا چونکہ مفتی صاحب کا مسلک یہ ہے کہ ملا علی قاری والی فقہ اکبر ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف ہے، امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں ہے، اور اس کے بارے میں انہوں نے بعض اعتراضات اُٹھائے تھے ان کا مختصر انداز میں اسی مجموعہ کے مقدمے کی چھٹی فصل میں جواب دیا گیا تھا۔ اس مجموعہ پر جو تقریظ مفتی صاحب نے تحریر فرمائی۔

وہ تحریر حاضرین کی خدمت میں درج ذیل ہے:

"...... لاسیما الامام الاعظم ابو حنیفة نعمان بن ثابت قداملاء علی تلامذه من عقائدالاسلام من اصول الدین و اساسته کیف لاوهو امام فی الکلام و اول مناظر فی الاسلام فکتبوا عنه حسب ماتقتضیه المجالس و الازمان فوقع التفاوت و اختلعت العبارات و المقاصد فی النقل . و صار لکل واحد نسخة و أخونا فی الله الفاضل اللوذعی المولوی المفتی رشید احمد العلوی وفقه الله تعالیٰ لما یحبه و یرتضیه اراد لتلک النسخ المنتشرة ان یجمع و لدرر المنتشرة المسماة بفقه الاکبر ان یعقد و ینظم فأفاد شیئا لا یمکن یستفاد و قصد امرا لا یکاد و یراد فی منهج التعلیم و حسن الترتیب مع بیان التخریج والتبویب . الا ان الجامع قد تصدی لتقویة الضعاف اسنادا ومتنا و جعل جمیع الاملاء ات کلها سواء ا بسواءٍ لم یفرق بینهما مع ان بعضها صحیح وبعضها ضعیف وبعضها اضعف فرفع شیئا قد تنزل واصعد امرا قد تساقط ولکن الثمرة تجتنی والشوکة تجتنب فتلقی معهذا لا تخلوا هذه المجوعة عن فائدة...... "

امام اعظم نے اپنے تلامذہ کو عقائد اسلام اور دین کے اساسی اصول املاء کروائے تھے کیونکہ آپ علم کلام کے بھی امام تھے اور باطل کے خلاف اسلام کے پہلے مناظر بھی تھے اور ان کے تلامذہ نے امام صاحب کا علم نقل کیا ہے اور ان تمام نقل کرنے والوں نے اسے ایک ایک نسخے میں مرتب کر دیا تھا...... نے ان منتشر نسخوں کو فقہ اکبر کے نام سے یک جا کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ اس سے فائدہ ممکن ہو سکے لہذا اس کو بڑی عمدگی کے ساتھ انہوں نے جمع

کیا ہے اس میں تعلمی انداز، عمدہ ترتیب، اور تخریج احادیث کے ساتھ ساتھ تبویب مسائل بھی کردی گئی ہے، لیکن جامع اس میں سند اور متن کے لحاظ سے ضعیف باتوں کو قوی کرنے میں کوشاں ہیں اور اس ساری کوشش میں انہوں نے تمام امالی کو یک جا جمع کردیا ہے اور اس بارے میں کوئی فرق نہیں کیا اس میں قوی اور ضعیف کیا ہیں؟ حالانکہ ان میں بعض مسائل صحیح اور بعض ضعیف اور بعض اضعف ہیں، اسی طرح انہوں نے بعض غیر اہم مسائل کو اہمیت دے دی ہے اور بعض غیر اہم مسائل کو اہمیت دے دی ہے لیکن پھر بھی اس سے استفادہ ممکن ہے۔

مذکورہ عبارت پر تبصرہ:

حضرت مفتی صاحب کی اس پوری عبارت میں قابل بیان اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایک مجموعہ امام اعظم کی امالی کا جمع کیا گیا ہے جس میں امام اعظم کے دریکتا کو جمع کردیا گیا ہے، علاوہ ازیں دوسری باتیں بھی ہیں لیکن اس میں اہم ترین بات جو مفتی صاحب نے ارشاد فرمائی وہ یہ کہ اس مجموعہ میں بعض باتیں ضعیف اور بعض باتیں اضعف نوعیت کی یک جا جمع کردی گئی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کا اعتراض یقیناً اس بات پر ہے کہ راقم نے ملا علی قاری والی فقہ اکبر کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تصنیف قرار دیا۔ ان کے خیال میں راقم نے ضعیف روایات پر اعتماد کر کے فقہ اکبر (ملا علی قاری والی) کو حضرت الامام کی تصنیف قرار دیا۔ یقیناً ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ اس کتاب میں ضعیف روایات پائی جاتی ہیں یا یہ بھی مراد نہیں ہے کہ اس میں اہل سنت والجماعت کے نہج سے ہٹ کر مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ کیونکہ علم کلام میں ضعیف روایت قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ دوسرے فقہ اکبر میں کوئی مسئلہ اہل سنت کے نہج کے خلاف نہیں ہے۔

چھٹا اعتراض:

مسئلہ ایمان والدین مصطفےؐ رحمہ اللہ علیہما

کئی حضرات نے امام حماد والی فقہ اکبر کو تسلیم نہ کرنے کا ایک بہانہ یہ بھی تلاش کیا ہے کہ اس نسخے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ اہل ایمان نہیں تھے:

اور خاص طور سے علامہ ابن حجر المکی نے اپنے فتویٰ میں فرمایا: کہ جو فقہ اکبر مشہور ہے وہ ابو حنیفہ محمد بن یوسف البخاری کا نسخہ ہے، اور امام صاحبؒ کا اصل نسخہ ابو مطیع بلخی والا ہے کیونکہ اس نسخہ میں والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے کفر پر مرنے والی بات نہیں ہے.

اسی طرح علامہ وکیل احمد سکندر پوری نے اس بات پر حسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل فرمایا ہے کہ مجھے فقہ اکبر کا اصل نسخہ کیسا مل گیا ہے ،اور اگر یہ اصل نسخہ ملا علی القاری ہروی کو مل جاتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں ہرگز وہ بات نہ کہتا جو اس نے کہی ہے.

جواب:

جہاں تک علامہ ابن حجر المکی کی بات کا تعلق ہے:

یہ تو مشکل کو دیکھ کر بھاگنے والی بات ہے:

اصل بات یہ ہے کہ جس نسخے میں والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم ایمان کی بات ذکر کی جاتی ہے اس کے دنیا میں متعدد نسخے مروجہ ہیں؛ اور یہ بات کسی نہ کسی طرح فقہ اکبر کے اس نسخہ میں ہے جس کو حماد بن ابی حنیفہ نے روایت کیا ہے؛ جبکہ وہ فقہ اکبر (یا فقہ ابسط) جس کو امام اعظم کے تلمیذ اور حدیث کے راوی امام ابو مطیع بلخی نے روایت کیا ہے اس

میں تو سرے سے یہ مسئلہ ہی نہیں ہے، اسی لئے کسی محقق نے اس کتاب میں اس مسئلے کے ہونے یا نہ ہونے کی بحث بھی نہیں کی ہے؛

اس مسئلے میں فقہ اکبر کے نسخوں کا تقابلی مطالعہ:

اگر امام اعظم کی اس فقہ اکبر کے نسخوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے جو امام صاحب سے ان کے صاحب زادے امام حماد نے روایت کیا ہے اور جس کی شرح ملا علی قاری نے کی ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں ان نسخوں میں مذکور مندرجہ ذیل مختلف متون ہمارے سامنے آتی ہیں:

(۱): ووالدا رسول الله ما تا على الايمان ؛

(یہ نسخہ اصل میں نسخہ زید کا محرف شدہ نسخہ ہے اس لئے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان پر فوت ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے جو یقیناً ایک مضحکہ خیز جملہ بن جاتا ہے کہ ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی حالت میں فوت ہوئے ہیں بھلا اس مسئلے کی ضرورت کیا ہے اور وہ کون ہے جس کے اعتقادات اس کے خلاف ہوسکتے ہیں ایسی بات تو کوئی عام آدمی بھی تصور نہیں کرسکتا کجا یہ کہ وقت کا کوئی امام اس قسم کی بات کہے یا اس قسم کا دعویٰ کرے، نیز اس نسخے کا دعویٰ علامہ زاہد الکوثری نے مدینہ طیبہ میں دیکھا تھا اور انہوں نے اس کی تصحیح کا دعویٰ کیا تھا)

(۲): ووالدا رسول الله ماماتا على الكفر؛

(علامہ شامی اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان نے اسی نسخے کو اختیار کیا ہے)

(۳): ورسول الله ماتا على الايمان

اور ملا علی قاری نے اس کو صحیح کہا ہے

(۴): ووالدا رسول الله ماتا على الكفر

اس کو ملا علی قاری نے اپنی شرح میں اور مولانا رشید احمد گنگوہی نے اپنے فتاویٰ میں اختیار کیا ہے۔

(۵): والدا رسول الله ماتا على الفطرة

یہ وہ نسخہ ہے جس کے بارے میں ائمہ احناف نے امام اعظم کے اس مسئلہ میں سکوت کا دعویٰ نقل کیا ہے:

(٦): ووالدی النبی علیہ السلام ماتا علی الکفر ثم ماتاعلی الایمان؛

نسخہ نور ظلم تحقیق احمد المرزوقی، جو کابل سے طبع شدہ ہے

(۷) اور بعض نسخے اس مسئلے کے بیان سے مکمل طور پر خاموش ہیں ان میں اس عبارت کو سرے سے نقل ہی نہیں کیا گیا ہے؛

اس مسئلے کے بارے میں ہمارے سامنے کل سات آراء آتی ہیں جن کو ہم قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

پہلا نسخہ:

اس نسخہ کی حقیقت یہ ہے کہ

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے مدعا کے عین مطابق ہے اور معترض کے اعتراض کا جواب بھی ہے جس کی وجہ سے علامہ ابن حجر مکی اور وکلی احمد سکندر پوری کو یہ کہنا پڑا کہ یہ فقہ اکبر امام صاحب کی کتاب نہیں؛ کیونکہ اس عبارت کی صورت میں اس نسخے میں والدین رسول اللہ کے کفر پر مرنے والی بات نہیں۔ جب اعتراض ہی دور ہو گیا تو ابن حجر کے ان کار کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی اس لئے ہم امام ابن حجر اور سکندر پوری کی خدمت میں یوں عرض پرداز ہیں کہ صاحب جو بات آپ کے لئے فقہ اکبر کی کتاب کے ان کار کرنے کا باعث بنی، یہاں وہ بات تو نہیں، بلکہ اس کے برعکس ہے کہ رسول اللہ کے والدین ایمان کی حالت میں فوت ہوئے تھے۔

دوسری اور اصل بات یہ ہے کہ امام ابن حجر کی اپنی رسائی کسی نسخے تک نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کی نظر سے یوں لگتا ہے کہ کوئی دوسرا نسخہ گزرا ہوگا سوائے ایک سنے سنائے اعتراض

کے جو علماء کی مجالس میں سینہ بہ سینہ نقل ہوتا آ رہا تھا، سکندر پوری اور ابن حجر نے اسی کو من وعن نقل کر دیا ہے،

یہی اعتراض حضرت قبلہ مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب نے ہماری تحقیق شدہ مجموعہ فقہ اکبر کے نسخے پر کیا تھا کہ اس نسخے میں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں کفر کی نسبت کر دی ہے، اور تقریظ کی وہ عبارت من وعن اس سے قبل ایک اعتراض کے جواب میں نقل کر دی گئی ہے، اب جب یہ مسئلہ ہی درمیان سے ہٹ گیا ہے تو ان تمام حضرات کے نزدیک اس کتاب کے امام صاحب انتساب کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہئے۔

دوسرا نسخہ:

اس نسخے میں رسول اللہ کے بذات خود ایمان پر مرنے کی بات نقل کی گئی ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس شبہ کا امکان ہی نہیں ہے تو وضاحت کی کیا ضرورت۔ لہٰذا ایک ہی بات رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ: اس نسخہ میں سے (والدین) کا لفظ ناسخ سے ساقط ہو گیا تھا اور لکھنے میں نہیں آیا اور ایسا اکثر کاتبوں سے ہو جایا کرتا ہے کہ لکھائی کے دوران میں ایک آدھ لفظ رہ جاتا ہے اور یہ نسخہ مذکور بالا کا محرف نسخہ ہے، اس طرح ان دونوں نسخوں میں کوئی تعارض یا تضاد نہیں رہتا بلکہ دونوں ایک ہو جاتے ہیں؛ اور وہی ہماری مراد ہے۔

تیسرا نسخہ:

اس نسخے کے نقل کرنے والے علامہ ابن عابدین شامی نے در المختار میں، اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان اپنی کتاب المعتقد المنتقد میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ اس میں اصل یوں تھی:

والدا رسول الله ما ماتا علی الکفر؛

اور عبارت میں تحریف کر دی گئی ہے، اور یہ تحریف بدنیتی کی بناء پر نہیں ہوئی، بلکہ غلط فہمی

کی وجہ سے ہوئی ہے۔ کیونکہ اصلی نسخہ جب ناسخ نے نقل کیا تو اس کو ایک (ما) زیادہ محسوس ہوئی لہٰذا ناسخ نے ایک لفظ (ما) کو مٹا دیا اور جو عبارت اصل میں یوں تھی:

(ووالدا رسول الله ما ماتا على الكفر)؛

تو: (ما ماتا علی الکفر) کی بجائے (ماتا علی الکفر) ہو گیا اور یہ جملہ مفہوم کے لحاظ سے مثبت کی بجائے منفی بن گیا؛

اور اسی نسخے کو بعد میں ملا علی قاری نے بھی نقل کر دیا اور اس کے وضاحت کرتے ہوئے ایک رسالہ بھی لکھ دیا لیکن جب بعد میں ملا علی قاری پر یہ راز کھلا کہ یہ تو تحریف لفظی کا مظہر ہے تو انہوں نے بڑی خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے الشفاء کی شرح میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ: والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اجلۂ اُمت کا اجماع اس بات پر ہے وہ دونوں ایمان کے عالم میں اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں اور یہ ان کی آخری رائے ہے کیونکہ بعض ائمہ کی یہ تصریح ہے کہ شرح الشفاء ملا علی قاری کی آخری دور کی تصنیف ہے:

چوتھا نسخہ:

اس نسخے میں والدین کریمین کے کفر پر مرنے والی بات نقل کی گئی ہے اور اس کے بارے میں ملا علی قاری کی رائے تو ان کی اپنی تحریرات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے خلاف ہو گئی تھی اور رہا مولانا رشید احمد گنگوہی کی رائے کا تو عین ممکن ہے ان تک یہ بات نہ پہنچی ہو یا ان کو اس فتوے کے بعد تردید کا موقع نہ ملا ہو۔

اور اس بارے میں حتمی رائے یہ ہے یہ مسئلہ اور اس قسم کے اور بھی کئی مسائل ہیں جن کے قائل یا عدم قائل ہونے سے انسان کے ایمان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ یہ مسائل علم عقائد میں اجتہادی نوعیت کے ہیں اور یہ اجتہاد کسی نوع کا بھی ہو اس سے کفر واسلام کا معیار متعین نہیں ہوتا، ہاں اگر اس قسم کے مسائل میں انبیاء کرام کی توہین کا پہلو پیش نظر ہو تو اس قسم کے مسائل کے بارے میں سوچنا بھی موجب کفر وحرمان رضائے باری تعالیٰ ہے۔ عاذنا اللہ منہ۔ اور اس قسم کی رائے تو دور کی بات ہے خیال سے بھی ہم اپنے اسلاف کو

محفوظ پاتے ہیں، یہ ہماراان کے بارے میں حسن ظن ہے۔ان شاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے حسن ظن کی بنا پر ضرور اچھا بدلہ عنایت فرمائے گا۔

پانچواں نسخہ:

فقہ اکبر کے اس نسخے میں والدین کریمین کے فطرت پر مرنے کی بات منقول ہے؛ اور ناسخ کو ہوسکتا ہے یہ محسوس ہوا ہو کہ امام صاحب نے فطرت کا لفظ استعمال فرمایا ہے جبکہ امام اعظم نے تعلیم کے دوران اس پر بحث کی ہو کہ ان کی وفات دور فطرت میں ہوئی ہے یا اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے: جیسا کہ احادیث میں آتا ہے

"کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام فابواہ ......"

یعنی ہر پیدا ہونے والا اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے؛

اور اس مسئلہ میں معتزلہ کا ہمارے ساتھ اتفاق ہے،البتہ اسلام اور ایمان کے اطلاق میں ہمارا اوران کا اختلاف ہوجاتا ہے کیونکہ ہم اہل سنت والجماعت کے نزدیک فطرت نام ہے:

سالم من الکفر والایمان

ایمان اور کفر سے سالم ہونے کے کی صورت میں یعنی جب کوئی بندہ ایمان یا کفر میں مبتلاء نہ ہوتو اس کو فطرت کہا جاتا ہے

جیسا کہ امام صاحب نے الفقہ الاکبر میں ارشاد فرمایا ہے۔

چھٹا نسخہ:

اس نسخے میں علامہ احمد المرزوقی نے اپنی تحقیق اور حواشی کے ساتھ فقہ اکبر کو شائع کیا ہے اور علمائے افغان وسرحد میں وہ نورالظلم کے نام سے عام اور معروف ہے اس میں جو عبارت امام صاحب سے نقل فرمائی ہے یہ زیادہ قرین قیاس اور اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے اوراس پرعلامہ صاحب نے اولا اور ثانیا کا حاشیہ بھی لگایا ہے اصل عبارت یوں ہے؛

ووالدی رسول اللہ علیہ السلام ماتا علی الکفر ای اولاً ثم ماتا

علی الایمان ثانیاً بانهما ماتا علی الکفر ثم رسول الله صلی الله علیه وسلم دعا لهما الله تعالیٰ فاحیا هما و اسلما ثم ماتا علی الایمان ویجوز ذلک لقوله تعالیٰ یَمْحُو اللهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْکِتَابِ؛

والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے حالت کفر پر فوت ہوئے پھر دوبارہ حالت ایمان پر فوت ہوئے؛ اور یہ کہ پہلے کفر پر فوت ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا پھر وہ دونوں اسلام لائے اس کے بعد اسلام کی حالت میں فوت ہوئے؛ اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے فرمان:

''جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اصل کتاب اس اللہ تعالیٰ کے پاس ہے''

سے بھی جائز معلوم ہوتی ہے۔

ساتواں نسخہ:

اس چھٹے نسخے میں اس عبارت کو ہی سرے سے ختم کر دیا گیا ہے اور ناسخین نے اس کو مٹا دیا ہے اور اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ ان ناسخین نے سمجھا ہوگا کہ یہ رائے اس قدر خطرناک ہے اور امام اعظم سے اس طرح کی رائے نقل نہیں ہو سکتی لہذا اس مسئلے کو ہی سرے سے نقل نہیں کیا گیا اور اس مسئلے کے بغیر ہی وہ نسخہ منقول ہے اور یہ نسخہ ملا علی قاری کی شرح کے ساتھ السید بدر الدین ابوفراس النعسانی الحلبی کی تصحیح کے ساتھ علی نفقۃ احمد ناجی الجمالی ومحمد امین الخانجی ۱۳۲۳ھ میں طبع ہوا ہے۔ اس بارے میں جتنی باتیں کہی گئی ہیں اس میں اسلاف کی عظمت اور اخلاف کی کامل ومکمل راہنمائی کا پہلو پیش نظر رکھا گیا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ذات ہم سب کو اسلاف کے بارے میں بدگمانیوں اور بدگویوں سے محفوظ فرمائے۔

ساتواں اعتراض:

فقہ اکبر کی تشریح کا مسئلہ

(۱) جس نسخے کی تشریح ملا علی القاری نے کی ہے ان سے پہلے یعنی نویں صدی سے قبل کسی نے نہیں کی، اگر یہ امام صاحب کا نسخہ ہوتا تو اس سے قبل بھی کوئی صاحب اس کی تشریح کرتے جب اس سے پہلے کے زمانے میں کسی نے تشریح نہیں کی تو اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے، جبکہ فقہ اکبر والا وہ نسخہ جس کو ابو مطیع بلخی نے روایت کیا ہے وہ نقل صحیح کے ساتھ ثابت ہے اور اس کی تشریح بھی اس سے پہلے کے لوگوں نے کی ہے لہذا وہی نسخہ فقہ اکبر امام اعظم کی اصل تصنیف ہے۔

(۲) بعض معترضین نے اس پر یوں اعتراض کیا ہے کہ ائمہ قدیم میں سے کسی نے بھی اس فقہ اکبر کا تذکرہ نہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حماد بن ابی حنیفہ والی فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف نہیں البتہ ابو مطیع بلخی والی فقہ اکبر امام صاحب کی اصل تصنیف ہے

(۳) اور فقہ اکبر کا وہ نسخہ جس کی شرح ملا علی قاری نے کی اگر امام صاحب کی کتاب ہوتی تو امام صاحب کے تلامذہ میں سے کوئی اور بھی اس کو روایت کرتا جبکہ ایسا نہیں ہے؟

گویا یہ اعتراض اپنے اندر تین پہلو سموئے ہوئے ہے

اوّل: نویں صدی سے پہلے اس کی تشریح کسی صاحب نے نہیں کی؟

دوم: ائمہ قدیم میں سے کسی نے بھی اس فقہ اکبر کا تذکرہ نہیں کیا؟

سوم امام صاحب کے تلامذہ میں سے کسی نے اس کو روایت نہیں کیا؟

ان مذکورہ وجوہات کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ:

کسی کتاب کی شرح کا نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ یہ کتاب اس شخص کی

تصنیف نہیں جس کی طرف اس کو منسوب کیا جا رہا ہے، مثلاً کتاب الاثار کی اب تک کوئی شرح نہیں ہے اور کتاب العالم والمتعلم جو امام صاحب کی تصنیف ہے (اور اس کو ہم نے مجموعہ الفقہ الاکبر میں بڑی تحقیق اور عرق ریزی کے ساتھ ساتھ امام اعظم کی روحانی ہدایت کے بعد شامل کیا ہے) اب تک اس کتاب کی ایک شرح کا نام بھی نہیں ملتا، تو کیا اس کو امام اعظم کی تصنیف نہ مانا جائے۔ حالانکہ علمائے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ امام صاحب کی تصنیف ہے اور اسی طرح کتاب الوصیۃ کا معاملہ۔

ان سب کتابوں کو ان کے مصنفوں کے نام انتساب سے کسی نے بھی ان کار نہیں کیا۔ لہٰذا اس فقہ اکبر کے امام صاحب کی طرف منسوب کئے جانے پر یہ اعتراض کوئی دلیل نہیں بن سکتی۔

مزید برآں یہ کہ جو شخص علوم اسلامیہ کی تدوین اور ان کی تاریخ پر نظر رکھتا ہے اس کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ کتب کی شروح لکھے جانے کا زمانہ ساتویں صدی کے بعد کا زمانہ ہے ایسی صورت احوال میں ہم کیسے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ یہ کتاب امام صاحب کی تصانیف میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ کسی نے ملاعلی قاری سے پہلے اس کی شرح نہیں لکھی تھی۔

اور ویسے بھی تدوین علوم اسلامیہ کے ادوار پر نظر ڈالنے سے اس مسئلے میں الجھاؤ ختم ہو جاتا ہے۔

اگر معترض صاحب مسلمانوں کے تدوین علوم کے مختلف ادوار کے بارے میں جانتے ہوتے تو ہرگز یہ اعتراض نہ کرتے کیونکہ یہ اعتراض امام صاحب کی تصنیف کے ہونے نہ ہونے کا نہیں بلکہ تدوین علوم سے اپنی ناآشنائی کا اقرار ہے؛ اس بات کو مفہوم مخالف کا لحاظ کرتے ہوئے اگر دیکھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ جن کتب کو ہم ان کے مصنفین کی طرف منسوب کرتے ہیں اگر وہ قرون اولی کی کتب ہیں تو اس کی نسبت کی دلیل ان کی شروحات ہیں اور شائد وہ بھی اس لئے کہ وہ آٹھویں صدی سے قبل لکھی گئی ہیں

جبکہ حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے ہم ایسی مختلف علوم پر بیسیوں کتب پیش کر سکتے ہیں جو ان کے اصل مصنفوں کی طرف منسوب ہیں اور انہی کے نام سے معروف ہیں نہ کوئی

ان کی شرح آٹھویں صدی سے قبل کی ہے اور نہ ہی کوئی اس کا ان کار کرتا ہے، کہ یہ کتاب اس مصنف کی نہیں ہے اس میں علم تصوف کی کتاب اللمع از ابونصر سراج، اصول فقہ کی الرسالہ از امام شافعی۔

دوسری بات یہ کہ:

یہ بات کوئی ضابطہ کی بات نہیں جس کو کوئی اور شاگرد روایت نہ کرے تو اس کو کسی کی طرف نسبت ہی مشکوک قرار پائے کیونکہ ہم بہت ساری کتب ایسی پیش کر سکتے ہیں جنکو ان کے طلباء میں سے کسی نے بھی روایت نہیں کیا اس لیے ان کی نسبت اس عالم یا اس امام کی طرف نہ کی جانی چاہیے البتہ اس ضابطہ کی کچھ اہمیت اگر ہے تو وہ علم حدیث میں ہے اور اگر اس کو عمومی ضابطے کا درجہ دے دیا جائے تو اس سے علم کی اشاعت کا دروازہ بند ہو جائے گا کیونکہ اکثر قراءت سبعہ میں سے ایسے ہیں جن سے آگے روایت کرنے والے شخص ایک ہی ہیں اور کئی دوسرے علوم میں اس کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں اور حق اس بات کا حقدار ہے کہ اس کو تسلیم کیا جائے اور اس کی اتباع کی جائے خواہ وہ کسی بھی طریقے سے ثابت ہو۔

اسی لئے علامہ کردری نے اس فقہ اکبر کے امام صاحب کی تصنیف ہونے میں اجماع امت نقل کیا ہے اور اسی اجماع کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ کردری ارشاد فرماتے ہیں

”وقد تواطأ علی ذالک جماعۃ کثیرۃ من المشائخ“

اور اس بات پر مشائخ کی بہت بڑی جماعت کا اتفاق ہے۔ (المناقب صفحہ ۱۰۸)

تیسری بات یہ کہ:

نہ جانے معترض نے اعتراض سے پہلے یہ کیوں نہ دیکھا کہ فقہ اکبر کی روایت امام حماد سے ہے اور اس کے علاوہ بھی متعدد ائمہ نے اس نسخے کی روایت امام صاحب سے کی ہے اس کے لئے ہمارے کتاب مجموعہ الفقہ الاکبر کے مقدمے کے چھٹے باب کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے

نیز جس طریقے سے اور جن اسناد سے فقہ اکبر کا ثبوت ابو مطیع کیلئے کیا گیا ہے اسی قسم کی اسناد سے امام حماد کی فقہ اکبر کا بھی امام صاحب کی تصنیف ہونا ثابت ہے اس کی تفصیل علامہ زاہد الکوثری نے اپنی کئی کتب میں ذکر کی ہے وہاں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

آٹھواں اعتراض:

فلسفیانہ الفاظ کے استعمال کا مسئلہ

اس اعتراض کی نوعیت یہ ہے کہ ملا علی قاری والی فقہ اکبر میں ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو اس زمانہ میں عام استعمال میں نہیں آتے تھے لہٰذا ان کا امام صاحب کی طرف انتساب کرنا درست نہیں ہے؟

جواب:

یہ اعتراض وہ شخص کرسکتا ہے جس کو امام صاحب کے زمانے کے علمی احوال معلوم نہ ہوں، ورنہ اس زمانے کی علمی مجالس میں اس قسم کے الفاظ کا استعمال عام تھا۔

امام سیوطی نے نقل کیا ہے کہ" ابو مظفر عثمانی نے اپنی کتاب الاختصار میں روایت کیا ہے، کہ ابو اسماعیل ہروی نے علم کلام کی برائی میں ابو عصمہ مروزی کے روایت سے امام نوح الجامع سے ایک قول نقل کیا ہے:

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا:

ماتقول فيما احدث الناس من الكلام في الاعراض والاجسام ؟

آپ کیا فرماتے ان الفاظ کے بارے میں جو لوگوں میں نئے نئے پیدا ہو چکے ہیں جیسے اعراض اجسام وغیرہ؟

فقال مقالات الفلاسفة ، عليك بالاثر ؛ وطريقة السلف ؛ واياك وكل محدثة فانها بدعة "

امام صاحبؒ نے جواب دیا کہ یہ فلاسفہ کے الفاظ ہیں ان سے بچنا چاہئے اور آثار رسول اور طریقہ سلف صالح پر اعتماد کرنا چاہئے کیونکہ ہر نئی چیز سے بچنا چاہئے اور ہر نئی چیز

بدعت ہوتی ہے۔(تبییض الصحیفۃ:صفحہ۳۰)

شائد آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر: یہ الفاظ استعمال کرنا بدعت ہے تو امام صاحب نے انکو کیوں استعمال کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں یوں کہوں گا کہ کبھی معلم کو چاہیئے طلبہ کی تعلیم کی غرض کیلئے اپنی تعلیم میں ایسے الفاظ استعمال کرے جو اس وقت کے لوگوں کے ذہنوں میں مانوس اور قابل فہم اور ان کا استعمال عام ہو جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"کلموا الناس بقدر عقولهم"

قول فیصل

جب علماء کے مابین یہ تنازعہ کھڑا ہوا کہ امام صاحب کی تصنیف ان دونوں میں سے کون سی ہے تو اسکے بارے میں صوفی عبدالحمید صاحب سواتی مترجم فقہ اکبر راوی امام حماد بن ابوحنیفہ نے قاضی عبید اللہ العلوی شارح فقہ اکبر بروایہ ابومطیع سے پوچھا کہ آپ یہ ارشاد فرمائیں کہ ان میں سے کون سی کتاب ہے جو امام صاحب کی ہے اور کون سی ہے جو امام صاحب کی نہیں ہے؟

اس کے جواب میں قاضی صاحب نے جواب دیا جو اس مسئلہ میں حتمی رائے اور قول فیصل کا درجہ رکھتی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس زمانے میں یہ بات مشہور ہے کہ فقہ اکبر جو مختصر عبارت کے ساتھ مروی ہے؛ اور اس کی شرح بہت سارے علمائے امت نے کی ہے جیسے ملا علی القاری وغیرہ نے تو اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے کہ یہ کتاب امام صاحب کی تالیف ہے یا وہ جس کی آپ نے شرح لکھی ہے وہ امام صاحب کی تالیف ہے؟

جواب: اسلاف کرام کے زمانے میں تالیفات کا طریقہ اس طرح تھا کہ اس کے نسخے مختلف ہوتے تھے اسی طرح اس کتاب کے نسخے بھی مختلف ہوں گے جیسا کہ امام محمد کی کتاب الآثار کے نسخے اور امام ابو یوسف کی کتاب الآثار کے نسخے مختلف ہیں؛ اور موطا امام مالک ،اور موطا امام محمد؛ اور سنن نسائی مختصرہ، اور سنن نسائی کبری کے نسخے مختلف ہیں؛ پھر مسانید امام اعظم ابوحنیفہ کے نام سے کئی لوگوں نے کتابیں جمع کی ہیں، اور ان سب کو امام ابوالمؤید خوارزمی نے جامع المسانید کے نام سے اس کو جمع کیا ہے؛

اسی طرح فقہ اکبر کا ماجرا ہے جس کو ابومطیع نے روایت کیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے راویوں نے جس کو روایت کیا ہے اس کی شرح دوسرے راویوں نے لکھی ہے۔ (نظم الدرر: ص ۱۶)

چوتھا حصّہ

اُردو ترجمہ

الفقہ الاکبر

جس میں چھبیس ابواب اور ایک سو چوبیس عقائد پر مشتمل ہے

تالیف امام اعظم

ابوحنیفہ نعمان بن ثابت

۸۰ھ ــــــ ۱۵۰ھ

روایت ابن امام

حمّادؒ بن ابی حنیفة

المتوفی : ۱۷۶ھ

تحقیق، ترجمہ

مفتی رشید احمد العلوی

باب اوّل:

اہل السنۃ والجماعۃ کے اجمالی عقائد کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنا فضل عظیم کرتے ہوئے ہمیں اہل السنّت و الجماعت کے راستے کی طرف راہنمائی فرمائی؛ اور بے حد و حساب درود وسلام ہو اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اخلاق حسنہ کا بہترین نمونہ ہیں۔ اور آپ کی آل رضی اللہ عنہم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم پر جو ساری دنیا کے لئے صراطِ مستقیم پر چلنے کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ اما بعد:



امام اعظم، قدوۃ الانام، امام زمان ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

عقیدہ نمبر ۱:

توحید کی اصل اور جن باتوں کے جاننے سے عقائد درست ہوتے ہیں، اسکا اجمالی تعارف یہ ہے کہ ہر آدمی اپنی زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرے کہ:

آمنتُ باللہ، و ملئکتہٖ، و کتبہ، و رسلہ، و البعثِ بعد الموت، و القدر خیرہٖ وشرّہ منَ اللہ تعالیٰ، و الحساب، و المیزان، و الجنّۃ، و النّار حقٌّ کلہٗ.

میں اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں، اس کی تمام کتابوں پر، اس کے سارے رسولوں پر،

اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر، اچھی اور بری تقدیر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر، اور مرنے کے بعد اعمال کے حساب وکتاب کے ہونے پر، اعمال کے تولے جانے والی میزان پر، اور جنت و دوزخ کے موجود ہونے پر ایمان لایا؛ اور میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ تمام باتیں اللہ کی طرف سے ہیں، اور حق ہیں ان باتوں کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں۔

باب دوم:

اہل السنّت والجماعت کے تفصیلی عقائد کا بیان

عقیدہ نمبر (۲):

اوراللہ تعالیٰ واحد ہیں مگر آپ کی وحدانیت گنتی کے لحاظ سے نہیں؛ کہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہیں، دو یا تین نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت میں عدد کا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں؛ ہم واحد کا مطلب یوں بیان کریں گے کہ اللہ تعالیٰ کا واحد ہونا اس لحاظ سے ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود ارشاد فرمایا:

قُل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفواً احد

اے نبیؐ! آپ فرما دیجئے اللہ تعالیٰ اکیلا ہے، اور وہ ہر ایک سے بے نیاز ہے؛ وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا؛ اور نہ ہی اس سے کوئی اور شخصیت پیدا ہوئی ہے؛ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر (۳):

اوراللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی مانند کوئی چیز نہیں ہے؛ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ اپنی کسی پیدا کردہ چیز کے مشابہ ہے، اور اس کی مخلوقات میں سے نہ کوئی چیز اس کے مشابہ ہے۔

عقیدہ نمبر (۴):

اللہ تعالیٰ اپنے تمام اسماء وصفات کے ساتھ، خواہ یہ اسماء وصفات ذاتی ہوں یا فعلی سمیت وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا؛

عقیدہ نمبر (۵):

اور اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) الحیاۃ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حیّ اور زندہ ہے اور زندہ رہے گا اور یہ زندگی اللہ تعالیٰ کی ذاتی ہے ایسا نہیں کہ کسی اور کی طرف سے عطاء کی گئی ہو،

(۲) القدرۃ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ہر وقت بلا کسی مجبوری اور پریشانی کے قادر ہیں۔

(۳) العلم یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر بات اور ہر شئے کا دائمی اور ازلی طور پر علم ہے۔

(۴) الکلام یعنی اللہ تعالیٰ ازل سے بلا کسی مجبوری کے متکلم ہیں۔

(۵) السمع یعنی اللہ تعالیٰ کے سننے کی صفت کہ وہی اصل سمیع ہے اور بلا کسی عارض یا عذر کے اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے۔

(۶) البصیر یعنی اللہ تعالیٰ کے بصیر ہونا اور یہ کہ وہ ہر ایک کو ہر وقت دیکھنے کی صفت کا مالک ہے

(۷) الارادہ یعنی اللہ تعالیٰ کے ارادہ کرنے کی صفت کہ وہ اپنے ارادہ میں کسی وقت، ضرورت، مسئلہ اور مکان کے محتاج نہیں اور نہ ہی ارادہ کرنے میں وہ کسی اور کے تابع ہیں؛

عقیدہ نمبر (۶):

اور اللہ تعالیٰ کی اکثر صفات فعلیہ ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں

(۱) التخلیق یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کے خالق اور پیدا کرنے والے ہیں۔

(۲) الترزیق یعنی اللہ تعالیٰ ہر ایک کو رزق دینے والے ہیں اور ہر ایک اپنی بقاء کے لئے اسی کی طرف سے رزق کا محتاج ہے۔

(۳) الانشاء یعنی کائنات میں ہر قسم اور ہر چیز کی بڑھوتری اور نمو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مرہون منت ہے، اگر وہ نہ چاہے تو کچھ بھی نہ ہو سکے اور جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مرہون منت ہے۔

(۴) الابداع یعنی ہر نئی چیز یا عمل کا پیدا کرنا اور اس کا آغاز اللہ کی جانب سے

ہوتا ہے اور وہی ان کو نئے سرے سے بناتا ہے۔

(۵) الصنعیعنی کائنات میں ہر طرف اسی کی صنعت اور کاریگری کارفرما ہے وغیرہ

عقیدہ نمبر (۷):

اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے لحاظ سے ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے؛ اور ان کا کوئی اسم یا صفت حادث نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر (۸):

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے عالم اور اپنے ہی علم کے ساتھ عالم ہیں؛ اور علم اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے۔

عقیدہ نمبر (۹):

اور اللہ تعالیٰ اپنی ہی قدرت کے ساتھ قادر ہیں اور قادر ہونا اسی کی ازلی اور دائمی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۰):

اور اللہ تعالیٰ اپنے ہی کلام سے متکلم ہیں اور ان کا کلام کرنا ان کے کلام نفسی کی ایک خاص کیفیت ہے اور کلام اللہ تعالیٰ کی ازلی اور دائمی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۱):

اور اللہ تعالیٰ اپنی صفت تخلیق کی وجہ سے خالق ہیں اور تخلیق اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۲):

اور اللہ تعالیٰ اپنے فعل کی وجہ سے فاعل ہے اور فعل اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۳):

اور حقیقی معنوں میں فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور فعل اس کی ازلی صفات میں سے ایک صفت ہے، اور تمام مفعول اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق اور اسی کے امور کا ظہور ہیں؛ جبکہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال غیر مخلوق اور غیر حادث ہیں۔

عقیدہ نمبر (۱۴):

اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ازلی، غیر فانی، غیر محدث اور غیر مخلوق ہیں۔

عقیدہ نمبر (۱۵):

جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کوئی ایک صفت یا اس کی ساری صفات مخلوق یا حادث ہیں، یا اس کے بارے میں توقف یا خاموشی اختیار کرنے کا نظریہ رکھے یعنی اسکے موافقت یا مخالفت میں کوئی رائے قائم نہ کرے. یا اللہ کی صفات کے قدیم یا حادث ہونے کے بارے میں شک کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔

باب سوم:

اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے میں عقائد

عقیدہ نمبر(١٦):

قرآن کریم جو مصحف کی شکل میں لکھا ہوا، اور ایمان والے لوگوں کے دلوں میں محفوظ ہے اور انسانی زبانوں سے پڑھا جانے والا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے؛

عقیدہ نمبر(١٧):

اور ہمارے الفاظ جو ہم قرآن پڑھنے کے دوران تلفظ کرتے ہیں وہ مخلوق ہے ؛اور ہمارے ذریعے قرآن کریم کی لکھائی کرنا مخلوق ہے،اور ہمارا پڑھنا مخلوق اور حادث ہے؛ جبکہ قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے غیر مخلوق اور غیر حادث ہے۔

عقیدہ نمبر(١٨):

جو قرآن کریم میں موسیٰ اور دوسرے انبیاء کے واقعات ذکر کیے گئے ہیں، اور اسی طرح فرعون وابلیس کے متعلق قرآن کریم میں جو کچھ آیا ہے یہ تمام اللہ تعالیٰ کا کلام ہے؛ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے احوال کی خبر دینے کے لئے ان واقعات کا ذکر کیا ہے نہ کہ فرعون و ابلیس کی فضیلت کی وجہ سے ان کو بیان کیا ہے۔

عقیدہ نمبر(١٩):

اور اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق اور حادث نہیں ہے جبکہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام دوسری مخلوقات کی طرح مخلوق اور حادث ہے۔

عقیدہ نمبر (۲۰):

اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام اور قدیم ہے اور یہ لوگوں کے کلام کی طرح نہیں ہے

عقیدہ نمبر (۲۱):

اور موسیٰؑ نے کوہ طورؑ پر اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وکلّم اللہ موسٰی تکلیماً

یعنی موسیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بتدریج کلام کیا۔

عقیدہ نمبر (۲۲):

اور اُس وقت بھی اللہ تعالیٰ کلام کرنے کی صفت کے سے متصف تھے جبکہ موسیٰؑ کلام کرنے والے نہ تھے

عقیدہ نمبر (۲۳):

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کی تخلیق سے پہلے بھی خالق تھے اور:

لیس کمثلہ شیء وھو السمیع العلیم

اللہ تعالیٰ کی مانند کوئی چیز نہیں اور وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے؛

عقیدہ نمبر (۲۴):

اور جب اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تو یہ کلام وہی تھا جو اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات میں سے ہے۔

نوٹ: کلام کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ وہ کلام مخلوق ہوگا دوسری قسم یہ کہ وہ کلام خالق ہوگا لہذا چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام حدوث کے پردے میں چھپا ہوا ہے اور فنا ہو گیا ہے یا ہو جائے گا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پر دوام کی چادر ڈالی ہوئی ہے؛ اور اس لئے کہا ہے کہ کلام تو اللہ تعالیٰ ہی کرنے والے تھے حضرت موسیٰؑ نہ تھے کیونکہ حادث چیز اپنے وجود میں نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔

باب چہارم:

اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں عقائد

عقیدہ نمبر (۲۵):

اور بات معلوم ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی مخلوقات کی صفات کی طرح نہیں بلکہ اس سے ہر لحاظ سے مختلف ہیں۔

عقیدہ نمبر (۲۶):

اللہ تعالیٰ (تمام مخلوقات کی کلیات و جزئیات اور ان کے ظاہر و باطن کو اپنے ذاتی، ازلی وابدی علم کے ساتھ) جانتے ہیں، مگر ہمارے جاننے کی طرح نہیں، اس لئے کہ ہمارا جاننا اسباب کی حد بندیوں کا محتاج ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا جاننا ایسا نہیں ہے

عقیدہ نمبر (۲۷):

اور اللہ تعالیٰ بغیر آلات اور کسی دوسرے کی شرکت کے بغیر ہمہ وقت اور قدیم قدرت رکھتے ہیں اور آپ کی قدرت کاملہ ہماری قدرت کی طرح نہیں ہوتی (کیونکہ ہماری قدرت بعض اشیاء پر ہوتی ہے بعض پر نہیں ہوتی اور ہماری قدرت آلات واعضاء کے محتاج ہوتی ہے)

عقیدہ نمبر (۲۸):

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتے ہیں مگر آپ کا دیکھنا ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں کیونکہ ہمارا دیکھنا اعضاء و جوارح اشکال مختلف رنگوں کے محتاج ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ تمام اعضاء و جوارح کی قید سے بلند ہیں۔

عقیدہ نمبر (۲۹):

اللہ تعالیٰ کلام کرتے ہیں مگر ان کا کلام کرنا ہمارے کلام کرنے کی طرح نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر (۳۰):

اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کی سنتے ہیں مگر ان کا سننا ہمارے سننے کی طرح نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر (۳۱):

جو ہم کلام کرتے ہیں ہمارا وہ کلام آلات واعضاء اور حروف وادوات کے ساتھ کرتے ہیں اسلئے کہ ہم اپنے کلام میں آلات اور حروف کے محتاج ہیں؛ جبکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی احتیاج سے پاک ہیں اسلئے وہ بغیر آلات وحروف کے کلام کرتے ہیں؛

عقیدہ نمبر (۳۲):

اور کلام کرنے کے تمام حروف اور آلات اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق میں سے ایک مخلوق ہیں لیکن اللہ کا کلام مخلوق نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر (۳۳):

اور اللہ تعالیٰ شیٔ (بذات خود موجود) ہیں مگر عام اشیاء میں سے کسی کی مانند نہیں ہیں اور شیٔ کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز بلا جسم (physical body) اور بلا جوہر (Energy) اور بلا عرض (Attributes) کے ثابت اور قائم ہو؛ اور اللہ تعالیٰ کی ذات حدود (limits) میں محدود نہیں؛ اور کوئی اس کی ضد (opposite) نہیں کہ ضد کے ذریعے اس کو جان لیا جائے، کوئی اس کا شریکِ کار (Partner) نہیں اور کوئی اس کے مثل بھی نہیں ہے۔

نوٹ: آج کل کے سائنسی دور میں کمپیوٹر کی ایجاد کے ساتھ بہت سارے مشتبہات نے محکمات کا روپ اختیار کر لیا ہے اس لئے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کمپیوٹر (Computers) کے نظام کی طرح ہے؛ جیسے اس میں آلات وحروف

نہیں ہوتے اسی طرح ان میں بھی آلات وحروف نہیں ہوتے ؛مگر معلوم ہونا چاہیئے کہ کمپیوٹر (Computers) پورا نظام چلانے میں کی بورڈ(Key bored) کے ساتھ پروگرامینگ (programing) کا محتاج ہوتا ہے حتیٰ کہ پرنٹ کرنے ، انٹرنیٹ پر فائل ڈاؤن لوڈ(Down lode) کرنے یا اپ لوڈ (Up lode) کرنے میں محتاج ہے ، جبکہ اللہ تعالیٰ کا غیبی نظامِ کسی طرح کی مشینری کی مانند اور کسی (opreater) یا (driver) کے محتاج نہیں ہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ اس قسم کی مثالوں سے بھی بلند تر اور بالا تر ہیں۔

باب پنجم:

متشابہات میں اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کا بیان

عقیدہ نمبر (۳۴):

اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ، اور چہرہ، اور نفس جیسی صفات بھی ثابت ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اعضاء وجوارح کا تذکرہ کیا ہے؛ مثلاً 'وجہ' کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ

ہر شے ہلاک ہوجانے والی ہے سوائے اس کے وجہ کے۔

اور 'ید' (ہاتھوں) کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

يَدُ اللهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ

خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے

اور نفس کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہے:

تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِيْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے اللہ جو میرے دل میں ہے وہ سب کچھ تو جانتا ہے لیکن جو تیرے نفس میں ہے اس میں سے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔

یہ جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے اعضاء یعنی ہاتھ، نفس، اور چہرے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات ہیں جو بلا کیفیت ہیں؛

عقیدہ نمبر (۳۵):

ہم اللہ تعالیٰ کے اعضاء وجوارح کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ

سے مراد اس کا دست قدرت یا دست نعمت ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت زائل ہو جائے گی۔

دست سے مراد دست قدرت یا دست نعمت لینا یہ رائے فرقۂ قدریہ اور معتزلہ فرقہ کی ہے، اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد دست قدرت یا دست نعمت ہے؛ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو بلا کیف ہے؛

عقیدہ نمبر (۳۶):

غضب اور رضا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے دو صفتیں ہیں اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کی طرح بلا کیفیت ہیں۔

عقیدہ نمبر (۳۷):

اللہ تعالیٰ نے بلا کسی دوسری چیز یا شخص کی مدد کے تمام اشیاء کو پیدا فرمایا ہے

عقیدہ نمبر (۳۸):

اور اللہ تعالیٰ ازل سے تمام اشیاء کو ان کے پیدا کرنے سے بھی پہلے سے جانتے ہیں۔

باب ششم:

اللہ تعالیٰ کی تقدیر، مشیت اور تخلیق کا بیان

عقیدہ نمبر (۳۹):

اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو کائنات کی ہر شے کی تقدیر (Programming) اور اس کا فیصلہ (planing) کرتی ہے؛

عقیدہ نمبر (۴۰):

اور دنیا وَ آخرت میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی مشیت، اس کے علم، اور اس کے فیصلے، اور اس کی تقدیر اور لوحِ محفوظ میں لکھے جانے کے بغیر معرض وجود میں آجائے؛ لیکن اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس کی تمام اوصاف (Qualities) کے ساتھ مقید کر کے لوح محفوظ میں لکھا ہے نہ کہ صرف ان کا حکم بیان کر کے لکھا ہے۔

عقیدہ نمبر (۴۱):

اور یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی قضاء اور قدر اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات ہیں جو ازلی ہونے کے ساتھ بلا کیفیت و بلا تمثیل ہیں۔

عقیدہ نمبر (۴۲):

کوئی معدوم جب عدم کے پردوں میں چھپا ہوتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے؛ اور اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں، اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ معدوم وجود میں آنے کے بعد کیا رنگ و روپ اختیار کرے گا۔

عقیدہ نمبر: (۴۳)

اوراسی طرح اللہ تعالیٰ موجود کے وجود کا روپ اختیار کرنے سے پہلے اور وجود میں آنے کی صورت میں اوران کے فنا ہونے اوراس کے بعد کی حالت کو کہ وہ کیسا ہوگا اوراس کی فنا کیسے ہوگی؛ ان سب کوان کے تمام احوال سمیت جانتے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۴۴):

اوراللہ تعالیٰ ہر قائم کو اسکے قیام کی حالت میں آنے سے پہلے ہی جانتے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۴۵):

اور یہی قائم جب بیٹھ جاتا ہے تو اس کے بیٹھ جانے کا وقت اور بیٹھنے کے بعد کا علم بغیر سابقہ علم کے زوال یا نئے علم کی آمد کے پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے؛ بلکہ بلا تغیر و حدوث اللہ تعالیٰ کی ذات کے علم میں ہے۔

اور یہ تغیر وتبدیلی اور مختلف احوال یا ایک حال سے دوسرے حال میں بدلنا یہ مخلوقات کی صفات میں سے ہے اور مخلوقات کے ساتھ اسی طرح تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے۔

نوٹ: معدوم سے مراد وہ مخلوقات ہیں جو تمام مخلوقات (existences) کی نظر اور علم میں معدوم ہو؛

ورنہ اللہ تعالیٰ کی نظر اور علم میں کائنات کی کوئی چیز معدوم نہیں ہے جیسا کہ ائمہ علم کلام کا کہنا ہے:

والمعدوم لیس بشیٔ

یعنی معدوم کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اس جملے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے سے مطلب یہ ہے کہ معدوم ایسے وجود کا نام ہے جو وجود کی تعریف میں نہیں آسکتا؛ اسی لئے آئمہ علم کلام نے موجود کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں۔

واجب الوجود: واجب الوجود وہ چیز ہے جو اپنے ہونے میں خود اپنی گواہ ہو اور کسی غیر کی محتاج نہ ہو اس کی مثال ذات باری تعالیٰ ہے۔

ممکن الوجود ممکن الوجود سے مراد کائنات کے باقی تمام موجودات ہیں اور اس سے مراد وہ موجودات ہیں جو اپنا وجود از خود قائم نہ رکھ سکتی ہوں بلکہ ان کا وجود باقی رہنے میں جس حی اور قیوم کی مستقل ضرورت ہو۔

ممتنع الوجود اس سے مراد ایسا وجود ہے جو اپنے ہونے میں کسی ہونے کو دلیل بنا کر پیش نہ کر سکے۔

اور اگر معدم کی نسبت مخلوقات کی طرف کی جائے تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ معدوم ایسی مخلوقات کا نام ہے جو انسانی دسترس میں نہ آسکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب هفتم:

ایمان اور کفر کی حقیقت اور انسانوں کی تخلیق

عقیدہ نمبر (۴۶):

ہر ایک انسان کو اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان سے سالم پیدا کیا ہے؛ پھر (عالم اَلست) میں ان سب کو مخاطب کیا اور ان کو بعض باتوں کا حکم دیا اور بعض باتوں سے منع کیا۔ اس کے بعد کفر اختیار کرنے والے نے اپنے قول و فعل اور ان کار میں حق تعالیٰ کی مخالفت کی اور یہ سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شخص کو ایمان دار ہونے کی توفیق نہ ملنے کی وجہ سے ہوا ہے۔

اور ایمان لانے والا شخص اپنے عمل اور اپنی زبان سے اقرار اور اپنے دل کی تصدیق سے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو عطا کردہ توفیق اور مدد کی وجہ سے ایمان دار بنتا ہے۔

عقیدہ نمبر (۴۷):

اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی پشت سے ذروں کی شکل میں ان کی ساری ذریت نکالی، پھر ان کو عقل کی نعمت سے نوازا، پھر ان کو اپنے امر: **الستُ بربّکم** (کیا میں تمہارا رب ہوں کہ نہیں؟) کا مخاطب بنایا اور ان کو ایمان لانے کا حکم صادر فرمایا اور راہ کفر اختیار کرنے سے منع فرمایا اور اس وقت سب نے مل کر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا اور یہ دورِ الست میں ان مخلوقات کا اقرار اصل میں ایمان لانا تھا۔

عقیدہ نمبر (۴۸):

ان سب انسانوں کو اسی فطرت پر پیدا کیا؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّاھَدَیناہُ السَّبِیْلَ اِمَّاشَاکِراًوَّ اِمَّاکَفُوْراً

ہم نے اس انسان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی، بعض ان میں شکر گزار اور کچھ نافرمان ہوگئے؛

عقیدہ نمبر (۴۹):

اور امر: الستُ بربکم: کے بعد جس نے بھی نافرمانی والا راستہ اختیار کیا، اس نے اللہ کی طرف سے عطاء کردہ فطرت میں تبدیلی کی، اور جو شخص ایمان لایا اس نے اللہ کی طرف سے عطا کردہ فطرت کی تقدیس کی اور راہِ راست پر ثابت قدم رہا، اور ہمیشگی اختیار کر کے صاحب ایمان بنا۔

عقیدہ نمبر (۵۰):

اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو کفر یا ایمان کے اختیار کرنے پر مجبور پیدا نہیں کیا؛ کہ ان پر یہ لازم کیا گیا ہو کہ وہ لازماً اور ہر صورت میں اسلام یا کفر کو اختیار کریں۔

عقیدہ نمبر (۵۱):

اور نہ ہی ان کی فطرت کو ایمان یا کفر پر تخلیق کیا گیا ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی تخلیق کامل ومکمل شخصیات کے انداز میں کی ہے۔

عقیدہ نمبر (۵۲):

جبکہ کفر اور ایمان کا اختیار کرنا بندوں کے اپنے افعال ہیں، جو انہوں نے کسب وعمل کے ذریعے اختیار کئے ہوئے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۵۳):

مگر اللہ تعالیٰ اپنے کامل علم کی بنا پر کافر کے کفر اختیار کرنے کو پہلے ہی سے جانتے ہیں کہ یہ کافر ہوگا، اور اس کے بعد جب وہ شخص ایمان لاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان پر ہونے اور اس کے ایمان کا درجہ اور مرتبہ بھی جانتے ہیں کہ یہ شخص کس درجہ کا مؤمن ہوگا، جب

کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تغیر اور تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔

نوٹ: اسلام کی فطرت پر پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اصلِ فطرت میں مسلمان ہونے کی کامل اہلیت رکھتا ہے، کیونکہ ہر قول وعمل کے درمیان افراط وتفریط سے بچنے کا نام اسلام ہے؛ اور افراط وتفریط کی صورت میں دونوں قسم کی انتہا پسندی انسان کو راہِ راست سے ہٹا دیتی ہے؛ جو ماحول کے اثرات سے انسان میں پیدا ہوتی ہیں؛ اور ماحول کے اثرات کے عناصر ترکیبی: خاندان، ماحول، رسم رواج، تعلیم اور انداز فکر ہے؛ جبکہ اسلام راہِ اعتدال، اور صراط مستقیم، اور محبت اور الفت سے زندہ رہنے کا نام ہے؛ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المُسلمُ من سلم المسلمون من لِسانه ويده

صحیح معنوں میں مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ سے پہنچنے والی اذیت، اور زبان سے پہنچنے والی ایذا سے ہر دوسرا مسلمان محفوظ رہے؛

ایک حدیث حضرت امام صاحب نے ان الفاظ میں نقل فرمائی:

انّ اولادكم وُلدُوا على الفطرة، فلاتداوهم بالخمر ولاتغذوهم

تمہاری اولادوں کو فطرت پر پیدا کیا گیا ہے لہٰذا ان کو شراب نہ بطور دوائی اور نہ بطور غذاء دیا کرو۔

ایک اور حدیث میں ارشاد نبوی وارد ہوا ہے کہ:

لاخير في من لايألف ولا يُألف

ایسے شخص میں کوئی خیر نہیں، جو شخص اوروں کے لئے اپنے دل میں الفت نہیں رکھتا، اور اس کی برائیوں کی وجہ سے کوئی شخص اس سے الفت اور محبت کا دم نہیں بھرتا۔ لہذا ہر مسلمان کو اللہ نے قوانین فطرت کے مطابق پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انّاهديناهُ السّبيل أمّاشاكراًوّامّاكفوراً

ہر انسان کو ہم نے راہ ہدایت دکھائی، اب چاہے وہ شکر گذاری کر کے راہِ ایمان، یا

ناشکری ونافرمانی کر کے راہِ کفر اختیار کرلے۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ: ابتدائی عمر میں آدمی کو بلا کسی تکلیف اور تکلف کے اسلام یا ایمان حاصل ہو جاتا ہے؛ مگر اس کے بعد درجات ایمان میں بلندی پر جانے یا راہِ کفر اختیار کرنے کے لئے دونوں طرف محنت اور مشقت کرنی پڑتی ہے؛

نوٹ: امرِ: الست بربکم ایک معاہدہ تھا، جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس دنیا میں بھیجنے سے پہلے عالمِ ارواح میں چھوٹے چھوٹے ذروں کی شکل میں پیدا کر کے کیا تھا؛ اس میں اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو ذرّوں کی شکل میں ایک جگہ جمع فرمایا اور ان کو مخاطب کر کے پوچھا: الستُ بِرَبِکم؟ کیا میں تمہارا رب ہوں یا نہیں؟ تو اس وقت سب ذرّے نما انسانوں نے یک زبان ہو کر یہ جواب دیا تھا: بلٰی وربّنا! یعنی ہاں آپ ہی ہمارے رب ہیں؛ جب یہ عہد لیا گیا اس زمانے کو عہدِ الست کہتے ہیں؛ اور اس استفسار اور اقرار کو جو انسان اور رب رحمٰن کے مابین ہوا امرِ الست کہتے ہیں، اور اس دنیا میں جو انسان ایمان کی نعمت سے مزین ہوتے ہیں اس کو: اثرِ الست کہتے ہیں؛ اور جو لوگ اس دنیا میں بے ایمان رہ جاتے ہیں اس کو: کفرِ الست کہتے ہیں؛ اور ایمان کی طرف اپنے دوستوں کو بلانا اور اس کی دعوت عام کرنا فکرِ الست ہے؛ اور اسی مقصد کے لئے لوگوں کو واعظ ونصیحت کرنا ذکرِ الست کہلاتا ہے۔

باب ہشتم:

انسانوں کے افعال کی حقیقت کا بیان

عقیدہ نمبر (۵۴):

انسانوں کی تمام حرکات اور سکنات اور ان کے تمام افعال حقیقتاً ان کی اپنی کمائی اور اپنی ہی ذمہ داری پر ہیں؛ جبکہ ان سب انسانوں کے تمام اعمال کے حقیقی خالق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہیں

عقیدہ نمبر (۵۵):

اور ان تمام اعمال کا صادر ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت؛ ان کے علم، اور انہی کے فیصلے اور انہی کی قدرت اور ان کی تقدیر سے معرضِ وجود میں آتے ہیں؛

عقیدہ نمبر (۵٦):

اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب کردہ تمام اطاعات، انہی کے امر اور رضا، اور انہی کے علم اور مشیت، اور انہی کی قضا، اور تقدیر کے مقدر کرنے سے معرضِ وجود میں آتے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۵۷):

تمام معاصی اور ہر قسم کے گناہ اللہ تعالیٰ کے علم کامل کی وجہ سے اور انہی کی قضاء ،اور تقدیر کے مقدر کرنے، اور انہی کی مشیت سے معرض وجود میں آتے ہیں۔

لیکن بندوں سے ان کے معاصی اور گناہ کے صادر ہونے میں، نہ تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان کی رضا، اور نہ ہی ان کا حکم ان گناہوں کے صادر ہونے میں ان بندوں کے شامل حال ہوتا ہے۔

باب نہم:

انبیاءاور اولیاءاور صحابہ کرام کے بارے میں عقائد

عقیدہ نمبر (۵۸):

اور تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے پاک اور مبرّا ہوتے ہیں، اسی طرح کفر اور قبیح باتوں اور فحش حرکات وسکنات سے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے محفوظ ہوتے ہیں؛

عقیدہ نمبر (۵۹):

ہاں کبھی کبھار ان سے بھول چوک، اور دنیاوی کاموں میں معمولی خطائیں سرزد ہوجاتی ہیں (ان کی حد بھی بس اسی قدر ہوتی ہے جو آپ نے خود فرمایا: رفع عن امتی الخطاء والنسیان یعنی میری امت سے بھول چوک معاف کردی گئی ہے)

عقیدہ نمبر (۶۰):

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے دوست، اس کے بندے اور اس کے رسول اور اس کے نبی، اس کے برگزیدہ اور اس کے چنے ہوئے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی میں کبھی بتوں کی پوجا نہیں کی؛ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پلک جھپکنے کی مقدار کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کو شرک نہیں کیا اور نہ ہی آپ نے اپنی ساری زندگی میں کبھی کسی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔

عقیدہ نمبر (۶۱):

تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد امت میں سب سے افضل شخصیت کا نام

(خلیفہ اول) حضرت سیدنا ابوبکر الصدیقؓ ہیں؛ ان کے بعد
(خلیفہ دوم) حضرت سیدنا عمر بن الخطاب الفاروقؓ ہیں؛ ان کے بعد
(خلیفہ سوم) حضرت سیدنا عثمان بن عفان ذوالنورینؓ؛ اور ان کے بعد
(خلیفہ چہارم) حضرت سیدنا علی بن ابوطالب المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں

عقیدہ نمبر (٦٢):

یہ تمام صحابہ ایسے ہیں جو حق پر جمے رہنے والے اور ہر قسم کی مشکلات میں سچائی پر ثابت قدم رہنے والے تھے؛ اور ہم ان سب کو اپنا دوست رکھتے اور ان سے محبت کرتے ہیں؛

عقیدہ نمبر (٦٣):

اور ہم تمام اصحابِ رسولؐ میں سے ہر ایک کا تذکرہ صرف اچھے انداز میں کرتے ہیں۔
(اس موضوع پر تفصیلی بحث الفقہ الابسط میں کی گئی ہے)

نوٹ۵۹: واضح ہو کہ انبیاء کرام سے دینی کاموں میں بھول جانا اور دنیوی کاموں میں بھول چوک اور معمولی غلطی سرزد ہوتی ہے وہ امور دنیا میں سے ہوتی ہے اس کو گناہ نہیں کہا جاتا؛ کیونکہ انبیاء کی بعثت کا مقصد اصلی یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کو دین میں اللہ تعالیٰ کے فرامین پر بے چون و چرا عمل کے لئے امادہ کردیں جبکہ امور دنیا میں انکو تجربات کی طرف مائل کریں اور جو بات تجربات سے حاصل ہو اس کو بہتر جانیں اور اپنی زندگی میں اختیار کریں؛

اور انبیاء کرام کا امور دنیا میں چونکہ اصلی مقصد تجربات کی طرف مائل کرنا ہوتا ہے اس لئے اگر اس تجربے میں کوئی بھول چوک ہوجائے تو بھی شریعت اس کو گناہ شمار نہیں کرتی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رُفعت عن اُمّتی الخطأ وَالنّسیَان

یعنی میری امت سے غلطی اور بھول چوک سے ہونے والے گناہ معاف کردے گئے ہیں۔

باب دھم:

مسلمانوں پر اوران کے گناہوں کے اثرات کا بیان

عقیدہ نمبر (۶۴):

ہم کسی مسلمان کی اس کے کسی بھی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے، اگر چہ وہ گناہِ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو؛ تاوقتیکہ وہ ارتکاب گناہ اس گناہ کو حلال اور جائز سمجھ کر کرتا ہو۔

اور ہم نہ ہی کسی مسلمان سے اس کے ایمان کے زائل ہونے اور کفر میں مبتلاء ہونے کا فیصلہ دیتے ہیں بلکہ ہم ان کو حقیقی معنوں میں مؤمن کہیں گے۔

عقیدہ نمبر (۶۵):

ہمارے نزدیک یہ تو ہوسکتا ہے کہ ایک شخص مؤمن ہونے کے ساتھ ساتھ فاسق بھی ہو مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ مؤمن اپنے ایمان کے ہوتے ہوئے کافر بھی ہو جائے۔

نوٹ: اللہ تعالیٰ کے اوامر میں سے کسی بھی امر کو ترک کردینا یا اس کی نافرمانی کرنا، یا ممنوعات میں سے کسی بھی مانع کی بجا آوری گناہ کہلاتی ہے، اور ایمان اور اہل ایمان کی ان کے گناہوں کے اثرات کی وجہ سے چار اقسام ہیں۔

پہلی قسم: ہم جتنے مرضی گناہ کرتے رہیں اس سے ہمارے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا بلکہ ہم جنتی ہی رہتے ہیں یہ طبقہ مرجیہ یا اباحیہ کہلاتا ہے

دوسری قسم: گناہ کی وجہ سے گناہگار کافر ہوجاتا ہے تاوقتیکہ وہ تجدید ایمان نہ کرلے۔

تیسری قسم گناہ کرنے سے وہ گناہ گار ایمان اور کفر کے بین بین ہوجاتا ہے یعنی نہ تو وہ کفر میں شامل ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اسلام سے نکلتا ہے یہ رائے معتزلہ کی ہے

چوتھی اور اصل رائے جو اہل السنۃ والجماعت کی رائے ہے وہ یہ ہے کہ گناہ اللہ رب العزت سے معافی مانگنے سے معاف ہوجاتے ہیں اور معافی نہ مانگنے سے وہ بعض اوقات انسانوں کو کفر کے قریب کردیتے ہیں۔

باب یازدھم:

موزوں پر مسح اور رمضان میں تراویح کے بارے میں عقائد

عقیدہ نمبر (٦٦):

اسی طرح اہل السنّت والجماعت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ موزوں پر سنت سمجھ کر مسح کو جائز سمجھیں۔

عقیدہ نمبر (٦٧):

اہل السنّت والجماعت کے معمولات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ رمضان کی تمام راتوں میں سنت سمجھ کر نماز تراویح ادا کرتے ہیں۔

اہم ترین نوٹ: ہم اہل السنّت والجماعت کے نزدیک علم عقائد کے اصول، یا اصولِ اصول الدین کی کل تعداد تین ہے:

(۱) کتاب اللہ کی آیات محکمہ (۲) سنت رسول اللہ متواترہ اور

(۳) اجماع الامت متوارثہ

(۱) پہلا اصول: اللہ تعالیٰ کی کتاب کی محکم آیات میں سے جو بات بھی ثابت ہو جائے وہ تمام مسلمانوں کے عقیدے کی بنیاد بن جاتی ہے لیکن اس میں تھوڑی تفصیل یوں ہے کہ ان میں سے آیات متشبہات عقیدے کی بنیاد نہیں بن سکتی بلکہ ان کے عقیدہ بننے کے دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔

پہلا راستہ تفویض کا راستہ ہے اور دوسرا تاویل کا راستہ ہے۔

تفویض کے راستے سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اس میں ان صفات کے مفہوم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور اس کا حقیقی مفہوم اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے مطابق مان کر اسی

کے سپرد کردیا جاتا ہے ان کو مفوضہ کہا جاتا ہے۔

تاویل کے راستے سے مراد یہ ہے کہ ان آیات کا مفہوم لغوی طور سے متعین کرنے کے بعد اپنے عقائد کو اس کے مطابق متعین کرلیا جاتا ہے جو لوگ اس انداز فکر کے قائل ہوتے ہیں ان کو موؤلہ کہا جاتا ہے۔

عام اہل السنّت والجماعت بالعموم مفوضہ ہیں جبکہ اکثر علمائے حنابلہ موؤلہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔

لیکن اس مفہوم کی تعیین میں شرط یہ ہے کہ وہ سنت رسول اللہ متواترہ کے خلاف نہ ہو۔

(۲) دوسرا اصول: اگر کوئی مسئلہ کتاب اللہ میں سے دریافت نہ ہو اور اس کے بارے میں جو چیز سنت متواترہ میں سے ثابت ہوجائے وہ بھی عقائد کی بنیاد بن جاتی ہے اور اس سے عقائد متعین کئے جاسکتے ہیں اس بارے میں مذکورہ متن میں جو مسائل تراویح اور مسح کے بارے میں مذکور ہیں وہ بھی عقائد کی اسی لئے بنیاد قرار پاتے ہیں کیونکہ وہ سنت متواترہ کے درجے میں ہیں، اس لئے کہ حضرت امام اعظم کے اصول حدیث میں سے یہ بات ہے کہ آپ نے فرمایا جب تک مجھے کسی حدیث کی سو سے زیادہ سندیں یاد نہ ہوں تو میں اس کے بارے میں اپنے آپ کو یتیم شمار کرتا ہوں اور امام اعظم کی سو اسناد دوسرے ائمہ کے نزدیک حدیث متواتر کے قائم مقام بن جاتی ہیں، لہٰذا وہ احادیث عقائد کی بنیاد کے طور پر بیان کی جاتی ہیں جیسا کہ متن سے معلوم ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا اصول: اجماع امت اہل السنّت والجماعت کے نزدیک علم عقائد کی بنیاد بن سکتی ہے باقی بہت سارے فرقے اس میں مخالفت کرتے ہیں، اس کی مزید تفصیلات شرح فقہ اکبر میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

نوٹ نمبر ٦٦: موزوں پر مسح کرنے کی چند شرائط ہیں:

پہلی شرط: یہ کہ کامل طہارت حاصل ہونے کے بعد پہنے گئے ہوں،

دوسری شرط: یہ ہے کہ موزے اتنے بڑے سائز کے ہوں کہ ٹخنوں تک دونوں پاؤں کو

چھپالیں۔

تیسری شرط: یہ ہے کہ ان کو پہننے کے بعد ان میں متواتر ایک میل تک چلنا ممکن ہو؛

چوتھی شرط: یہ ہے کہ موزے پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں یا اس سے زیادہ مقدار پھٹن سے محفوظ ہوں۔

پانچویں شرط: بلا کسی چیز کی پکڑ کے وہ پاؤں پر خود بخود ٹکے رہیں؛

چھٹی شرط: یہ ہے کہ پانی موزے سے گزر کر پاؤں تک نہ پہنچنے پائے؛

ساتویں شرط: اور پاؤں کا پنجہ کم از کم تین انگلی کی مقدار باقی ہو۔

نوٹ نمبر: ٦٧: اس باب میں مندرجہ ذیل بحثیں ہیں:

بحث اول تراویح کی مشروعیت:

تراویح کے ضمن میں جو معلوم ہے وہ صرف اس قدر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قام رمضان ایماناًواحتساباًغفر له ماتقدم من ذنبه (البخاری)

جس شخص نے رمضان میں اپنے محاسبہ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے قیامِ رمضان کا معمول جاری رکھا، اللہ تعالیٰ اس کے گذشتہ تمام گناہ معاف فرما دیں گے، اسی طرح ایک اور حدیث میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انّ اللّٰه عزّ وجل فرض صیام رمضانَ و سنتُ قیامَه (احمد)

اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے تم پر فرض کیے ہیں اور میں تم پر رمضان کا قیام سنت کرتا ہوں۔

اور تراویح کا تذکرہ علم عقائد میں کیا جانا اس کی وضاحت اس سے پہلے ایک نوٹ میں کی جاچکی ہے۔

بحث دوم جماعت تراویح:

حضورِ اکرمؐ نے اپنی پوری زندگی میں صرف تین راتوں میں نماز تراویح پڑھی تھی اور

تیسرے یا چوتھے دن نماز تراویح کے لئے تشریف نہیں لائے اور اس کی وجہ ان الفاظ میں ارشاد فرمائی:

وَلَم یَمنَعنِی مِنَ الخروجِ اِلَیکم اِلاّاِنّی خَشِیت اَن تَفرِضَ عَلَیکم (البخاری)

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ رمضان میں تراویح کی تعدادِ رکعات حضورِ اکرمؐ سے متعین اور ثابت نہیں ہے۔

اور یہ ہی ماجرا حضرت ابوبکرؓ کی خلافت اور ابتدائے زمانہ خلافت عمرؓ میں رہا، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء پر تمام صحابہ کو جمع فرما دیا، اور یوں سنتِ تراویح جماعت کے ساتھ ہونے کا معمول شروع ہوا:

فَقَالَ عُمرؓ اِنّی اَرَی لَو جَمَعتَ ھٰؤلاءِ عَلی قَارِیءٍ وَاحِدٍ لَکَانَ اَمثَل، ثم عَزَمَھم فَجَمَعَھم عَلی اُبیّ اِبنَ کَعْبٍ(البخاری)

حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں نے سوچا کہ اگر سب لوگوں کو ایک قاری کی اقتداء میں تراویح کے لئے جمع کر دوں تو یہ بہت اچھی بات ہوگی؛ پھر اس کا فیصلہ کیا اور سب لوگوں کو ایک قاری کی اقتداء میں تراویح کا حکم صادر فرما دیا؛

بحث سوم تراویح کی تعداد رکعات:

اب سوال یہ ہے کہ تراویح کتنی رکعات ہیں؟

حضرت سائب بن یزیدؓ سے گیارہ رکعات تراویح منقول ہے؛ اور فرماتے ہیں:

اَمَرَ عُمربنِ الْخطّابِ اُبی بنِ کعبَ وَتمیمِ الدّاریؓ انّ یَقُومَا لِلنّاسِ بِاحدیٰ عَشَرَ رکعةً،

حضرت عمر بن الخطابؓ نے ابی بن کعب اور تمیم الداری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات نماز پڑھائیں۔

دوسری روایت: یزید بن رومان سے ہے کہ:

کَانَ النّاس یَقُومُونَ فِی زَمَنِ عُمربنِ خَطّابٍ فِی رَمَضَانَ ثَلاثَ

وَعِشْرِين رَكْعَةٍ (اخرجہ مالک بروایت امام محمدؒ)

حضرت عمرؓ بن الخطاب کے زمانے میں امت کے جمہور ائمہ کرام کا اس بات پر اجماع تھا کہ: "نماز تراویح کی مقدار بیس رکعات ہیں" اور اسی طرح کی آراء امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ہیں، لہذا معلوم ہوا کہ یہ سب اپنے وقت کے بڑے اعلیٰ درجہ کے آئمہ کبار اور علوم حدیث، علوم فقہ اور علوم قرآن کے ماہرین تھے؛

باب دوازدھم:

اہل ایمان پر ان کے ایمان اور گناہوں کے اثرات کا بیان

عقیدہ نمبر (۶۸):

ہم اہل السنّت والجماعت کے نزدیک ہر فاسق و فاجر کی اقتداء میں نماز اداء کرنا جائز ہے؛ اور جو شخص اس کے عدم جواز کا قائل ہے وہ اہل بدعت میں سے ہے اور اہل السنّت والجماعت کے راستے سے ہٹا ہوا ہے۔

عقیدہ نمبر (۶۹):

اور ہم اہل السنّت والجماعت کے تمام لوگ یہ نہیں کہتے کہ کسی مؤمن کو اس کے گناہ کے ارتکاب سے کوئی نقصان نہیں ہوگا؛ اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا؛ یا یہ کہ وہ فاسق اور فاجر ہونے کی وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رہے گا بشرطیکہ دنیا سے ایمان کی حالت میں رخصت ہوا ہو۔

ہاں اگر اس کی موت ایمان پر نہ آئی ہو تو اس کے بارے میں یہی فیصلہ ہے کہ وہ دائمی جہنمی ہے۔

عقیدہ نمبر (۷۰):

ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ہماری نیکیاں اللہ تعالیٰ کے ہاں لازماً مقبول ہیں؛ اور ہمارے گناہ ضرور معاف ہوں گے جیسا فرقۂ مرجیہ کا کہنا اور ان کا مسلک ہے اور ہمارا مرجیہ فرقہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر (۷۱):

لیکن اس بارے میں اہل السنّت والجماعت کا قول یہ ہے کہ مسئلہ کی حقیقت واضح ہو چکی ہے اور اس کو مفصل طور سے بیان کر دیا گیا ہے؛ لہذا جو شخص نیک عمل کرتا ہے اور اس کا وہ نیک عمل ہر قسم کے شرعی عیوب سے پاک؛ اور عمل کو فاسد کرنے یا باطل کرنے والے اسباب سے محفوظ ہو؛ اور بندہ ایمان کے بعد کفر یا ارتداد کے کسی عمل کے ارتکاب کے ذریعے اپنے عمل کو فاسد کئے بغیر ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس دنیا سے روانہ ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا عمل کبھی بھی ضائع نہیں کریں گے بلکہ ان کے اعمال کو قبول کریں گے اور اس پر ان کو ضرور اجر و ثواب دیں گے۔

عقیدہ نمبر (۷۲):

اور معلوم ہونا چاہئے کہ شرک اور کفر کے علاوہ جتنے گناہ ہیں اگر ان کے کرنے کے بعد کوئی مومن توبہ کئے بغیر مر جائے تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور چاہت پر منحصر ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو معاف کر دے اور چاہے تو اس کو جہنم کا عذاب دے؛ اور اس کا معاف کرنا بھی اللہ کی چاہت پر منحصر ہے کہ سرے سے اس کو سزا ہی نہ دے۔

عقیدہ نمبر (۷۳):

اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ انسان سے صادر ہونے والے بڑے سے بڑے عمل میں ریاکاری شامل ہو جائے تو وہ سرے سے اس عمل کے اجر کو باطل کر دیتی ہے؛ اور اسی طرح عُجب بھی اعمال کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے

نوٹ: یا یہ رائے اہل تشیع کی ہے جو اللہ پر عدل کو لازم کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمارے گناہوں کا بدل اور ہماری نیکیاں پورے اجر و ثواب کی مستحق ہیں اور اللہ پر لازم کہ اس کا پورا بدلہ عطاء کرے) جبکہ اہل السنّت والجماعت کا موقف یہ ہے: مسئلہ واضح اور ظاہر ہے کہ جو شخص عمل صالح کرتا ہو اور وہ تمام شرائطِ ضروریہ پر پورا اترتا ہو؛ اور عمل کو باطل کرنے والے

تمام عیوب سے خالی ہو، اور اس شخص نے کفر وارتداد سے بھی اپنے اعمال کو باطل نہ کیا ہواور وہ آدمی اسی حال میں دنیا سے رخصت ہو گیا تو وہ مؤمن ہے؛ اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ ان کو قبول کرے گا اور اس کو پورا اجر وثواب عنایت کرے گا؛ اور یہ ثواب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی وجہ سے ہے نہ کہ اس آدمی کے حقدار ہونے کی وجہ سے؛ یعنی اس نے اتنے اچھے اعمال سرانجام دیئے کہ وہ اس اجر کا حقدار قرار پایا کہ اس کو پورا اجر ملنا چاہئے۔

نوٹ نمبر۷۳: احادیث میں ریاء اور دکھلاوا شرکِ اصغر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور ریاء نام ہے آخرت کے لئے کئے گئے کسی عمل پر دنیا کا فائدہ حاصل کرنا۔ اسی لئے امام ابو الحارث المحاسبی (المتوفی ۲۴۵ھ) ریاء کا تعارف ان الفاظ سے کرواتے ہیں:

الریاء ارادة العبد العبادَ بعمل الآخرة

ریاء نام ہے بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت والے کاموں سے بندوں کی رضا وخوشنودی حاصل کرے؛ اور یہ اخلاص کی ضد ہے۔ اور ریاء کاری میں انسان اپنی معمول کی عبادت سے لوگوں پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں بڑا پرہیز گار انسان ہوں، اور اسکا علاج یہ ہے کہ اس کی ضد یعنی اخلاص کو حاصل کرنے کی بھرپور کوشش؛ اور اخلاص کے حصول کی مکمل کوشش کی جائے، اگر ریاء کاری کے خطرہ کے بغیر ہو تو بھی عبادت ہے۔

کیونکہ یہ مومنوں کے لئے مقصود اصلی ہے؛

حصول اخلاص کا طریقہ:

اس کے حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں ا۔ پہلا طریقہ محنت ہے اور وہ ہے:

(۱) اگر انسان کے سامنے مقصد اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور بن چکا ہو تو

(لا الٰہ الا اللہ ؛ لا مقصودی الا اللہ)

(۲) اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ مطلوب کوئی اور بن چکا ہو تو

(لا الٰہ الا اللہ ؛ لا مطلوبی الا اللہ)

(۳) اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی محبت میں گرفتار ہو چکا ہو تو

(لااله الا الله ؛ لامحبوبی الا الله)

(۴) اور اگر خیالات منتشر رہتے ہوں طبیعت میں یک سوئی نہ ہو تو

(لااله الا الله ؛ لامرغوبی الا الله)

(۵) اور اگر دنیا کے اسباب وایجادات سے بہت متأثر ہو تو

(لا الہ الا اللہ) کا ورد کثرت سے کرے

۲۔ دوسرا طریقہ سہل ہے اور وہ ہے کہ کسی اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے کی تربیت میں رہے اور اس سے ذکر اذکار کی تلقین لیتا رہے اور یہ ہی منشاء ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کا کہ:

ياايها الذين امنوا اتقوا الله و كونوا مع الصادقين ؛

یعنی اے ایمان والو تقوی اختیار کرو اور صادق لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ؛ اور

(پہلا طریقہ) بھی قرآن کریم کی آیت:

ياايها الذين امنوا اذكروا الله ذكرا كثيرا،

یعنی اے ایمان والو کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو،

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

ولله الاسماء الحسنى فادعوه بها؛

اور اللہ تعالیٰ کے کئی بہترین نام ہیں ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو؛ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے

اور اسی طرح

(دوسرا طریقہ) بھی اللہ تعالیٰ کے منشاء اور مرضی کے عین مطابق ہے لہذا ارشاد باری تعالیٰ ہے

يا ايها الذين امنوا اتقوا الله و كونوا مع الصادقين

یہ کہ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اپنا تعلق صادقین اور ظاہر و باطن کے لحاظ سے سچے لوگوں سے جوڑ لو اور یاد رکھنا چاہئے کہ اخلاص سے ہی کسی عمل کی بارگاہِ ربوبیت میں اہمیت بنتی ہے کیونکہ اخلاص ایسا جوہر ہے کہ تھوڑا عمل بھی اس کی وجہ سے کثیر بن جاتا ہے۔

متنعا الله برزقهما آمين

باب سیزدہم:

معجزات کرامات اور استدراجات

عقیدہ نمبر (۷۴):

انبیاء کرامؑ سے معجزات کا ظاہر ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے؛ جبکہ اولیاء کرام کے لئے کرامات ثابت ہیں؛

عقیدہ نمبر (۷۵):

اور رہا مسئلہ ان لوگوں کا جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں جیسے ابلیس فرعون اور دجال لعنۃ اللہ علیہم اجمعین ان کے بارے میں جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے ویسا ہی ہوا ہے اور ہوگا؛ البتہ ہم ان کو معجزات یا کرامات نہیں کہتے البتہ ان کا نام ہم بندوں کی حاجت برآری اور ضرورت پوری ہونا کہتے ہیں؛ اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سب کی حاجات اور ضروریات پوری کرتے ہیں اور کفار کی حاجت برآری استدراجاً کی جاتی ہے اور اس طاقت کے ان کو دیئے جانے سے مقصود ان کو سزا دینا ہوتا ہے جس سے وہ اور زیادہ دھوکے میں مبتلاء ہوتے ہیں اور زیادہ سرکشی اور کفر میں مبتلاء ہو جاتے ہیں اور اہل السنّت والجماعت کے نزدیک یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاں جائز اور ممکن ہے۔

عقیدہ نمبر (۷۶):

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے خالق ہیں قبل اس کے کہ کسی چیز کی تخلیق کی جائے اور اس کو وجود دیا جائے۔

عقیدہ نمبر (۷۷):

اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنے ہی خزانوں سے رزق دیتے ہیں قبل اس کے کہ ان کو رزق دیں۔

نوٹ نمبر ۷۴: اولیاء اللہ کی کرامات اصل میں انبیاء کرام کے معجزات ہی ہوتے ہیں؛ کیونکہ جس شخص کو کرامت ملتی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی کی وجہ سے ملتی ہے؛ اسی بناء پر ہم اس کو انبیاءؑ کا معجزہ تسلیم کرتے ہیں؛ ورنہ اولیاء اللہ کی بذاتِ خود کوئی اہمیت اور اہلیت نہیں ہوتی کہ کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دے سکیں؛ بلکہ یہ انبیاء کرام کا فیضانِ نظر ہی ہوتا ہے جو ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور ان کی اتباع کرنے والے شخص پر اپنا اثر دکھلاتا ہے اور یوں کرامت ظہور پذیر ہوتی ہے؛

نوٹ نمبر ۷۵: (اس کی زندہ مثال جیسے امریکہ کو بظاہر ناقابل تسخیر طاقت دی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے استدراج ہے۔ ان کی حقانیت کی دلیل نہیں اور جو لوگ ان باتوں کو دیکھ کر اپنا ایمان ضائع کرتے ہیں وہ اصل میں اللہ تعالیٰ کی آزمائش اور اس کی خفیہ تدبیر کی زد میں ہوتے ہیں اس قسم کی آزمائشوں سے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے)

نوٹ نمبر ۷۶: یہاں عقیدہ ۷۶، ۷۷ کا دوبارہ تذکرہ اس لئے کیا گیا کہ معجزات وکرامات اور استدراجات بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا مظہر اور نمونہ ہوتا ہے اس لئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی وجہ سے ہے اور کوئی کمزور ایمان والا اس کو کفار کا کمال سمجھ کر کفر کی طرف مائل نہ ہو جائے اور دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو رزق دینا ہوتا ہے اور رزق نام ہے ہر عمل کو دنیا میں جاری وساری رہنے کے لئے ضروری اسباب مہیا کرنا اور اللہ تعالیٰ کفار کو اپنے کفر کی طغیانی اور سرکشی کے لئے ضروری اسباب دیتا ہے اور ایمان والوں کو ایمان کی حفاظت کا تقاضی کرتا ہے واللہ تعالیٰ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

اس عبارت میں دیکھنے والی بات یہ ہے کہ اس عبارت میں فقہ اکبر سے مراد کیا ہے؟

(۱) یا تو اس سے مراد فقہ اکبر کا فن ہے جس سے مراد اس زمانے میں علم العقائد لیا جاتا تھا

(۲) یا اس سے فقہ اکبر نام کی کتاب ہے جو حضرت امام صاحب کی تصنیف شدہ تھی

(۳) یا مذکورہ دونوں باتیں مراد ہیں اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ میں علم عقائد کی کتاب فقہ اکبر کے بارے میں اسی موضوع کی مزید وضاحت کی غرض سے بعض باتیں دریافت کیں جن کو بعد میں کتابی شکل دے کر ایک نئی کتاب بنادی اور یہی بات عین ممکن اور قرین قیاس ہے، گویا امام ابو مطیع بلخی اس عبارت میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ:

قال ابو مطیع :قرأتُ الفقه الاکبر ، وسألتُ ابا حنیفةَ عن مَا فیه

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ: میں نے کتاب فقہ اکبر پڑھنے کے بعد علم فقہ اکبر یعنی علم عقائد کی مزید وضاحت چاہتے ہوئے امام ابو حنیفہ سے پوچھا؟

اس طرح ساری بات واضح ہو جائے گی اور کوئی تعارض باقی نہیں رہے گا۔

تیسری بات: چونکہ امام ابو مطیع بلخی نے اپنی کتاب کا کوئی نام تجویز نہ فرمایا تھا اور یہ ہی سلف کا طریقہ کار تھا اور بعد والے احباب نے ان کے نام تجویز کیے جیسے کہ پہلے واضح کر دیا گیا ہے اب بعد والے احباب نے یا تو موضوع کی مناسبت سے اس کا نام فقہ اکبر رکھ دیا اور بعض نے فقہ اکبر کی بجائے چونکہ یہ بات اس نام کی کتاب امام صاحب سے پہلے منقول تھی جس کے راوی حماد بن ابی حنیفہ تھے لہذا تھوڑا فرق کرتے ہوئے اس کا نام فقہ ابسط تجویز فرمادیا، اور یا اس کتاب کے ابتدا میں فقہ اکبر کا نام دیکھ کر اس کتاب کا نام بھی فقہ اکبر سمجھ لیا لیکن یہ آخری بات انتہائی سطحی ہے۔

آخری بات: دوسرے ائمہ حنابلہ نے بھی چونکہ نقل در نقل کے طور پر اس عبارت سے استفادہ کیا ہے لہذا میدان تحقیق میں یہ کوئی ایسا علمی اضافہ نہیں کہ اس کو بہت بڑی تحقیق شمار کیا جاسکتا ہو ورنہ ان میں سے بعض حضرات نے تو سرے سے امام صاحب کی تصنیف

ہونے سے بھی ان کار کیا ہے لہذا اس کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں فلاں امام بھی اس بات کا قائل ہیں (جیسا کہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن نے ارشاد فرمایا ہے) درست نہیں ہے

نوٹ: اسی تحقیق کے دوران انٹرنیٹ سے بھی جب سرچ کی گئی تو وہاں ایک بڑا مفصل مقالہ دریافت ہوا جس کا اصل موضوع ہے

کہ امام ابوحنیفہ کی فقہ اکبر کون سی ہے آیا وہ جس کو ابومطیع بلخی نے روایت کیا ہے یا وہ جس کو امام حماد نے روایت کیا ہے اس سلسلے میں اس مقالہ نگار کا سارا زور اس بات پر ہے کہ چونکہ دونوں نسخوں میں روایت کرنے والے راوی مجروح ہیں لہذا ان سے اس بات پر استدلا کرنا کہ وہ امام اعظم کے عقائد کا مجموعہ ہیں کسی طور بھی صحیح نہیں ہے باقی اس میں موجود اہم باتوں کو یہاں نقل کر دیا ہے اور بعض باتویں جو قابل رد تھیں ان کو پہلے ہی رد کیا جا چکا تھا، اور حنابلہ کی تائید میں انہوں نے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ بھی قبل ازیں واضح کر دیا گیا ہے

اب کوئی خاص بات ایسی نہیں جس کو یہاں پیش کیا جا سکے

وللہ الحمد یارب کما ینبغی لجلاک

پانچواں اعتراض:

مسئلہ عبارات کی عدم دستیابی

علامہ قونوی نے ارشاد فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ فقہ اکبر میں ارشاد فرماتے ہیں:

ان اباحنیفة سُئل : ما تقول في الخوارج المحكّمة ؟

فقال ؛ هم أخبث الخوارج ؛

قال ابو مطيع قلت تكفرهم ؟

قال لا ولكن نقاتلهم على ما قاتلهم الائمة من اهل الخير علي بن ابي طالب وعمر بن عبد العزيز "

(مجموعہ الفقہ الاکبر:۱۳۴)

"امام ابو حنیفہؒ سے سوال کیا گیا کہ خوارج محکمہ کے بارے میں کیا رائے ہے تو آپ نے جواب دیا: یہ خوارج کی بدترین قسم ہیں۔

تو پوچھا گیا: کیا ان کو کافر کہا جائے گا یا نہیں؟ تو جواب دیا کہ کافر نہیں کہا جائے گا۔

لیکن چونکہ وہ ائمہ حق حضرت علیؓ اور عمر بن عبد العزیزؒ سے قتال کرتے تھے لہذا ان کے ساتھ قتال کیا جائے گا"

یہ عبارت بھی ابو مطیع والے نسخے میں ہے، دوسرے نسخہ یعنی حماد بن ابی حنیفہ والے نسخے میں موجود نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ کی فقہ اکبر کا اصل نسخہ ابو مطیع بلخی والا ہے نہ کہ ملا علی قاری والا ؟

واقعی یہ بات صحیح ہے اور مذکورہ عبارت فقہ اکبر مرویہ ابو مطیع میں موجود ہے لیکن فقہ

اکبر مرویہ امام حماد بن ابو حنیفہ میں موجود نہیں ہے۔ اس میں ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ یہ دونوں نسخے امام ابو حنیفہ کی تصانیف ہیں؛ ایک کی روایت ابو مطیع اور دوسرے کی روایت حماد بن امام اعظم نے امام اعظم سے کی ہے البتہ دونوں کا موضوع جدا ہے ایک کا موضوع علم عقائد اور دوسرے کا موضوع علم کلام ہے، ہم ان دونوں میں سے کسی ایک کا رد کرتے ہوئے دوسرے کو قبول کرنے کے دعوے دار نہیں ہیں، نیز ہم تو اس بات کے بھی قائل ہیں کہ امام صاحب سے ان کی مذکورہ کتب کے متعدد نسخے منقول ہیں جیسے فقہ اکبر از امام حماد والی کتاب میں والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ میں ہم آئندہ مسئلے میں وضاحت کریں گے؛ اسی طرح فقہ ابسط میں متعدد نسخوں سے عبارات کا فرق ہمارے طبع شدہ نسخے میں فرق بیان کیا گیا ہے اور ہماری تحقیق سے طبع شدہ نسخہ ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے، اسی طرح مجلس علمی کراچی سے طبع شدہ فقہ اکبر روایہ ابو مطیع بلخی والے نسخے میں مسئلہ استویٰ علی العرش بیان نہیں کیا گیا البتہ حاشیے میں نقل کیا گیا ہے۔

جہاں تک مسئلہ اہل خوارج کا ہے۔ تو یہ فرقہ حضرت امام صاحب کے زمانہ میں بڑے زوروں پر تھا مگر سوال یہ کہ ایک نسخے میں اس کا ذکر ہونا اور دوسرے میں اس کا تذکرہ نہ ہونا، اس سے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے اور وہ نہیں؟

جبکہ امام صاحب کے زمانہ میں اور بے شمار فرقے تھے جن سے امام صاحب کے مناظرے ہوئے اور انہوں نے حضرت امام صاحب کو قتل کرنے تک کے پروگرام بنائے ، اور ان کا تذکرہ تک امام صاحب نے اپنی اس کتاب میں نہیں کیا، تو کیا اس کے بارے میں یہ رائے رکھی جائے گی کہ جس کتاب میں ان کا تذکرہ ہے وہ تو امام صاحب کی تصنیف ہے لیکن دوسری کتاب جو اس کے علاوہ ہے وہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے، یہ تو ایسا اصول ہے کہ جس قاری کی نظر سے وہ عبارت گذری ہے اسی کو امام صاحب کی طرف منسوب کردیا اور اسی عبارت کو جو ان کی نظر میں تھی اس کو دلیل بنا دیا ہے جب کہ یہ اصول نہ عقلاً اور نہ نقلاً قابل اعتناء ہے کیونکہ ایک بات کا میرے علم میں ہونا اس کے وجود کی دلیل نہیں اور

میرے علم میں نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ حقائق تو اپنی جگہ حقائق ہوتے ہیں دیکھا یہ جاتا ہے کہ مدعی نے آیا یہ نسخہ دیکھا ہے اور اس کی نوعیت......اور......بیان کیا ہے، یا اپنے طور پر ایک نسخہ دیکھا اس میں ایک بات دیکھی اور اسی بات کو دعویٰ کی دلیل بنا دیا؟

علم عقائد میں امام اعظم کی کتب کی نوعیت:

دیکھا جائے تو فقہ اکبر میں حضرت امام صاحب صرف دعویٰ کرتے ہیں جس کے ساتھ دلیل کبھی ذکر نہیں فرماتے، پوری کی پوری کتاب دعووں کا مجموعہ ہے اب فقہ ابسط پر نظر ڈالی جائے تو وہ دلائل کا مجموعہ ہے اسی طرح العالم والمتعلم بھی دلائل کا مجموعہ ہے اب ان دونوں میں فرق یہ ہے فقہ ابسط میں عموماً نقلی دلائل ذکر کیے گئے ہیں کبھی قرآن سے کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے، اور العالم والمتعلم میں جو دلائل ذکر کیے گئے ہیں وہ بالعموم عقلی نوعیت کے ہیں، مگر یہ بھی میرا دعویٰ ہے کہ جو اس کتاب پر مشتمل ہے ورنہ بعض اوقات فقہ ابسط میں عقلی اور العالم والمتعلم میں نقلی دلائل بھی ذکر کر دیتے ہیں اس لحاظ سے دیکھا جائے تو فقہ اکبر امام صاحب کی وہ کتاب ہے جو صرف دعاوی پر مشتمل ہے۔ اور اسمیں امام صاحب نے عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کو اجمالاً بلا تذکرہ دلیل ذکر کر دیا ہے۔ اسی کتاب کو جب امام صاحب کے شاگردوں نے دوران تعلیم، مطالعہ کیا تو ذہنوں میں سوال و جواب پیدا ہوئے تاکہ اس بات کو سمجھا جا سکے اور ان سوال و جواب کو بعض تلامذہ نے محفوظ کر لیا، اور بعض نے محفوظ نہ کیا۔

ہمارے پاس جو سوال و جواب کی صورت میں محفوظ کلام ہے وہ یا تو فقہ ابسط اور یا العالم والمتعلم کی شکل میں ہے اور کچھ کام ہے جو تاریخ کی کتب میں بکھرا پڑا ہے اور اس کام کی نوعیت یہ ہے کہ کوئی آدمی امام صاحب کی مجلس میں آتا ہے اور تھوڑی دیر بیٹھ کر کوئی بات سنتا اور چلا جاتا اور بعد میں کسی کے سامنے بیان کر دیتا ہے اور اس کا یہ بیان تاریخ کی کتب میں محفوظ ہو گیا اور تاریخ کا حصہ بن گیا مگر فقہ اکبر میں اول سے آخر تک جنہوں نے امام صاحب سے علم حاصل کیا اور اس کو لکھا وہ کئی احباب تھے مگر جن کا کلام مجموعہ کی شکل میں ہم تک پہنچا وہ

صرف دو حضرات ہیں ایک امام ابو مطیع بلخی اور دوسرے امام ابو مقاتل سمرقندی ہیں، اور ایک کی کتاب فقہ ابسط ہے اس کو فقہ اکبر مرویہ بھی کہا جاتا ہے اور دوسری کتاب العالم والمتعلم ہے اور اس ساری تفصیل کو بہترین اجمالی انداز میں امام بزودیؒ نے اپنی کتاب اصول الدین کے مقدمہ میں ان الفاظ سے تحریر فرمایا ہے:

وکان یعلم اصحابه فی الابتداء، وقدصنف فیها کتبا وقع بعضها الینا، وعامتها محاها وغسلها اهل البدع والزیغ

(اصول الدین:۴)

یعنی ابتداء میں امام صاحب اپنے شاگردوں کو علم کلام سکھایا کرتے تھے اور علم کلام میں متعدد کتب بھی تصنیف فرمائی ہیں بعض تو ہم تک پہنچ گئی ہیں اور امام صاحب کی عام کتب اہل بدعت اور گمراہ لوگوں نے پانی میں دھو کر مٹا دیں اور یوں وہ ضائع ہوگئی ہیں۔

اور اگر ابو مطیع نے یا ابو مقاتل نے امام صاحب سے سوال و جواب کر کے ان کو تحریر کیا ہو تو وہ کتاب اسی امام کی سمجھی جائے گی جس کا وہ کلام ہے اور اہل علم کی اصلاح میں اس کو امالی کا نام دیا جاتا ہے؛

یہ طریقہ تعلیم تو آج تک بھی سکول و کالجز اور مدارس اسلامیہ میں رائج ہے؛ اور اسی طرح حضرت امام صاحب کے امالی مرتب کئے گئے؛ اس سلسلے میں سب سے زیادہ دھوکہ جس عبارت سے ہوا وہ الفقہ الابسط کی عبارۃ ہے جس میں امام ابو مطیع البلخی فرماتے ہیں:

سألت اباحنیفة نعمان بن الثابت عن الفقه الاکبر فقال.....

میں نے امام اعظم ابوحنیفہ سے الفقہ الاکبر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا......

چونکہ یہ ایک مجمل سوال ہے اس لئے کہ فقہ اکبر متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے اس لئے اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو فقہ اکبر کے بارے میں دریافت کرنا کئی معنوں میں ہوسکتا ہے۔

(۱) یہ کہ فقہ اکبر کس علم کو کہا جاتا ہے؟
(۲) یہ کہ فقہ اکبر جو آپ کی تصنیف ہے وہ کیا ہے؟
(۳) یہ کہ میں فقہ اکبر مطالعہ کرتے ہوئے میرے ذہن میں جو سوالات پیدا ہوئے ان کے بارے میں میں نے امام صاحب سے پوچھا؟

سوال اول پر امام صاحب کا اسی قدر کہہ دینا کافی تھا ایمانیات کی بنیادی باتیں مانی جائیں اور اس کی تفصیل جس طرح فقہ اکبر میں ہے کہ:

اصل التوحيد وما يصح الاعتقاد عليه يجب ان يقول : آمنت بالله وملائكته وكتبه ورسله والبعث بعد الموت والقدر خيره وشره من الله تعالىٰ و الحساب والميزان والجنة والنار حق كله؛

اصل توحید اور وہ چیز جس کی وجہ سے آدمی کے اعتقادات کے صحیح ہونے کا پتہ چلتا ہے وہ یہ کہ آدمی پر واجب ہے کہ کہے میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر، اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی طرف سے نازل شدہ کتابوں پر، اور اس کے تمام رسولوں پر، اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر، اچھی اور بری تقدیر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر، اور انسانوں کے اعمال کے محاسبہ پر، اور اعمال کے تولے جانے والے میزان پر، اور جنت اور جہنم پر، یہ کہ یہ سب کچھ حق اور سچ ہے؛

جبکہ فقہ ابسط میں فرمایا کہ:

لانكفر احدا بذنبه ، ولانفي احدا من الايمان ؛ وان تامر بالمعروف وتنهى عن المنكر؛ وتعلم ان ما اصابک لم يكن ليخطئک ، وان ما اخطئک لم يكن ليصيبک؛ ولانتبرء من اصحاب رسول الله ورضى عنهم ، ولانتوال احدا دون احد؛ وان نرد امر عثمان وعلىّ الى الله وهو عالم السر والخفيات .

ہم کسی شخص کی اس کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے؛ اور نہ کسی کے ایمان کے اس سے نفی کرتے ہیں اور اچھائی کا حکم اور برائی سے روکنا؛ اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو کچھ ملنا مقدر میں ہے وہ مل کر رہتا ہے اور جو ملنا مقدر میں نہیں ہے وہ کوئی حاصل نہیں کرسکتا؛ اور اصحاب رسول میں سے ہم کسی سے برائت کا اعلان نہیں کرتے؛ اور نہ کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت دیتے ہیں اور حضرت عثمان وعلی کا معاملہ ہم اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں کیونکہ وہ ذات ہے جو سارے چھپے راز اور مخفی بھید جانتی ہے۔

فیصلہ قارئین خود کر سکتے ہیں کہ ایمانیات کا بنیادی تعارف کس صورت میں صحیح اور بہتر انداز میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اور دوسرے سوال کو سامنے رکھتے ہوئے سائل پوچھ رہا ہے آپ کی تصنیف فقہ اکبر کی نوعیت کیا ہے یا وہ کون سی ہے؟ جواب میں اگر اس کا نام یا مضامین کا خلاصہ پیش کر دیا گیا تو کافی تھا مگر پوری تصنیف میں جا بجا سوال کرتے چلے جانا اور امام صاحب کا تفصیل سے اسکا جواب عنایت فرمانا کسی اور بات کی نشان دہی کرتا ہے؛

اور وہ بات یہی ہے جو ہمارا مدعا ہے کہ اصل کتاب کی خواندگی کے دوران پیدا ہونے والے اشکالات یا سوالات کے بارے میں امام صاحب سے جب دریافت کیا گیا تو امام صاحب کی طرف سے اس کے جوابات ملے؛ اور ان کو جب تحریر میں لایا گیا تو ایک امالی کی شکل اختیار کر گئی اور اسی کا نام فقہ ابسط ہے۔

اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے: فقہ اکبر کے بعض مضامین ہیں جن کی تفصیل فقہ ابسط میں ہے اور اگر دونوں کتابوں کو سامنے رکھ کر پڑھا جائے تو یوں لگتا ہے فقہ ابسط امالی اور نوٹس ہیں فقہ اکبر پر اور فقہ اکبر متن ہے فقہ ابسط کے لئے اور یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے؛ واللہ تعالیٰ اعلم بالصوب۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ:

امام صاحب نے ایک رسالہ علم عقائد میں تحریر فرمایا جس کا نام فقہ اکبر اور اس کی

روایت امام صاحب سے ملاعلی قاری نے فرمائی ہے؛

اس رسالہ کی تعلیم وخواندگی کے دوران اس پر پیدا ہونے والے اعتراضات جو اس موضوع کی مناسبت سے بڑی اہمیت کے حامل تھے ان کو کئی تلامذہ نے تحریری شکل میں جمع کیا اکثر ان میں سے ضائع ہو گئے اور ان میں سے جو ہمارے ہاتھ لگے وہ دو اشخاص (۱) ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی کے فقہ ابسط کے نام سے؛ اور (۲) ابو مقاتل حفص بن سلیمان سمرقندی کے العالم والمتعلم کے نام سے محفوظ ہیں؛

علمائے عصر حاضر کا فقہ اکبر کے بارے میں رویہ.

(اول) موجودہ زمانے میں بھی یہ رواج چلا آرہا ہے کہ جو عبارت ہماری رائے سے موافقت نہ کرتی ہو ہم اس کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں یا اس پر اس نوعیت کی تنقید کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس تحقیق کو ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہیں اس میں قاضی سجاد بخاری صاحب کی کتاب اقامۃ البرہان کے صفحہ: ۲۷۰ کی مثال موجود ہے

مفتی عبدالشکور ترمذی نے میت میں قبر کے اندر اعادہ روح کی بات کرتے ہوئے ایک عبارت فقہ اکبر سے نقل کی

واعادة الروح الى الجسم فى قبزه حق فقه اكبر: ۱۴

قبر میں روح کا میت کے جسم میں لوٹایا جانا حق ہے

اس کے جواب میں قاضی سجاد بخاری فرماتے ہیں

"باقی رہا ترمذی صاحب کا یہ کہنا کہ فقہ اکبر میں امام صاحب نے قبر میں اعادۂ روح کو تسلیم کیا ہے (صف ۱۹) تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ یہ فقہ اکبر جس کی شرح ملا علی قاریؒ اور ابوالمنتہی نے لکھی ہے وہ امام ابوحنیفہ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ وہ ابوحنیفہ بخاری کی تصنیف ہے جسے غلطی سے اشتراک کنیت کی وجہ سے امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا گیا، امام صاحب کی فقہ امام ابو مطیع بلخیؒ کی روایت سے ہے اور سب سے پہلے اس کی شرح امام اہل سنت امام ابومنصور ماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ نے لکھی ہے یہ شرح دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

کی طرف سے شائع ہو چکی ہے اس فقہ اکبر میں اعادۂ روح کا نام ونشان تک نہیں''

اور قاضی صاحب اس بارے میں دوسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں:

چونکہ امام طحاوی نے عقیدۂ طحاویہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے معتقدات کو جمع کر کے لکھا تھا'' مگر اس رسالے میں انہوں نے قبر کے اندر اعادہ روح کا کوئی ذکر نہیں فرمایا اگر یہ مروجہ فقہ اکبر امام ابو حنیفہ کی تصنیف ہوتی تو امام طحاوی اس کے دیگر مندرجات کے ساتھ ساتھ اعادۂ روح کے عقیدے کو بھی ضرور اس رسالے میں درج فرماتے (اقامۃ البرہان: ۱۷۲)''

سوال یہ ہے کہ

(۱) کیا عقیدہ طحاویہ امام صاحب کے تمام معتقدات کا مجموعہ ہے؟

(۲) اور یہ کہ کیا شرح فقہ اکبر واقعی امام ابو منصور ماتریدی کی تصنیف ہے؟

(۳) اور کیا ابو حنیفہ بخاری نام کے شیخ کی فقہ اکبر نامی کوئی کتاب دنیائے تاریخ کے تذکرہ نویسوں میں سے کسی نے لکھی ہے؟

ہمارا جواب ان تینوں سوالات کے لئے ہے:

(۱) نہیں

(۲) نہیں

(۳) نہیں

(دوم) اسی طرح جب میں نے مجموعہ الفقہ الاکبر کی پہلی اشاعت کے وقت اس کو مکمل کرنے کے بعد حضرت مفتی محمد عیسیٰ صاحب مدظلہ کی خدمت میں کچھ کلمات لکھنے کے لئے عرض کیا چونکہ مفتی صاحب کا مسلک یہ ہے کہ ملا علی قاری والی فقہ اکبر ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف ہے، امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں ہے، اور اس کے بارے میں انہوں نے بعض اعتراضات اُٹھائے تھے ان کا مختصر انداز میں اسی مجموعہ کے مقدمے کی چھٹی فصل میں جواب دیا گیا تھا۔ اس مجموعہ پر جو تقریظ مفتی صاحب نے تحریر فرمائی۔

وہ تحریر حاضرین کی خدمت میں درج ذیل ہے:

”...... لاسیما الامام الاعظم ابو حنیفة نعمان بن ثابت قدا ملاء علی تلامذہ من عقائد الاسلام من اصول الدین و اساسته کیف لاوھو امام فی الکلام و اول مناظر فی الاسلام فکتبوا عنه حسب ماتقتضیه المجالس والازمان فوقع التفاوت و اختلعت العبارات و المقاصد فی النقل . و صار لکل واحد نسخة و أخونا فی الله الفاضل اللوذعی المولوی المفتی رشید احمد العلوی وفقه الله تعالیٰ لما یحبه و یرتضیه اراد لتلک النسخ المنتشرة ان یجمع و لدرر المنتشرة المسماة بفقه الاکبر ان یعقد و ینظم فأفاد شیئا لا یمکن یستفاد و قصد امرا لا یکاد و یراد فی منهج التعلیم و حسن الترتیب مع بیان التخریج والتبویب . الا ان الجامع قد تصدی لتقویة الضعاف اسنادا ومتنا و جعل جمیع الاملاء ات کلها سواء ا بسواء لم یفرق بینهما مع ان بعضها صحیح وبعضها ضعیف وبعضها اضعف فرفع شیئا قد تنزل واصعد امرا قد تساقط ولکن الثمرة تجتنی والشوکة تجتنب فتلقی معهذا لا تخلوا هذه المجوعة عن فائدة...... “

امام اعظم نے اپنے تلامذہ کو عقائد اسلام اور دین کے اساسی اصول املاء کروائے تھے کیونکہ آپ علم کلام کے بھی امام تھے اور باطل کے خلاف اسلام کے پہلے مناظر بھی تھے اور ان کے تلامذہ نے امام صاحب کا علم نقل کیا ہے اور ان تمام نقل کرنے والوں نے اسے ایک ایک نسخے میں مرتب کر دیا تھا...... نے ان منتشر نسخوں کو فقہ اکبر کے نام سے یک جا کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ اس سے فائدہ ممکن ہو سکے لہذا اس کو بڑی عمدگی کے ساتھ انہوں نے جمع

کیا ہے اس میں تعلمی انداز، عمدہ ترتیب، اور تخریج احادیث کے ساتھ ساتھ تبویب مسائل بھی کر دی گئی ہے، لیکن جامع اس میں سند اور متن کے لحاظ سے ضعیف باتوں کو قوی کرنے میں کوشاں ہیں اور اس ساری کوشش میں انہوں نے تمام امالی کو یک جا جمع کر دیا ہے اور اس بارے میں کوئی فرق نہیں کیا اس میں قوی اور ضعیف کیا ہیں؟ حالانکہ ان میں بعض مسائل صحیح اور بعض ضعیف اور بعض اضعف ہیں، اسی طرح انہوں نے بعض غیر اہم مسائل کو اہمیت دے دی ہے اور بعض غیر اہم مسائل کو اہمیت دے دی ہے لیکن پھر بھی اس سے استفادہ ممکن ہے۔

مذکورہ عبارت پر تبصرہ:

حضرت مفتی صاحب کی اس پوری عبارت میں قابل بیان اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایک مجموعہ امام اعظم کی امالی کا جمع کیا گیا ہے جس میں امام اعظم کے در یکتا کو جمع کر دیا گیا ہے، علاوہ ازیں دوسری باتیں بھی ہیں لیکن اس میں اہم ترین بات جو مفتی صاحب نے ارشاد فرمائی وہ یہ کہ اس مجموعہ میں بعض باتیں ضعیف اور بعض باتیں اضعف نوعیت کی یک جا جمع کر دی گئی ہیں۔

حضرت مفتی صاحب کا اعتراض یقیناً اس بات پر ہے کہ راقم نے ملا علی قاری والی فقہ اکبر کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تصنیف قرار دیا۔ ان کے خیال میں راقم نے ضعیف روایات پر اعتماد کر کے فقہ اکبر (ملا علی قاری والی) کو حضرت الامام کی تصنیف قرار دیا۔ یقیناً ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ اس کتاب میں ضعیف روایات پائی جاتی ہیں یا یہ بھی مراد نہیں ہے کہ اس میں اہل سنت والجماعت کے نہج سے ہٹ کر مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ کیونکہ علم کلام میں ضعیف روایت قابل قبول نہیں ہوسکتی۔ دوسرے فقہ اکبر میں کوئی مسئلہ اہل سنت کے نہج کے خلاف نہیں ہے۔

چھٹا اعتراض:

مسئلہ ایمان والدین مصطفیٰ رحمہ اللہ علیہما

کئی حضرات نے امام حماد والی فقہ اکبر کو تسلیم نہ کرنے کا ایک بہانہ یہ بھی تلاش کیا ہے کہ اس نسخے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ اہل ایمان نہیں تھے:

اور خاص طور سے علامہ ابن حجر المکی نے اپنے فتویٰ میں فرمایا: کہ جو فقہ اکبر مشہور ہے وہ ابو حنیفہ محمد بن یوسف البخاری کا نسخہ ہے، اور امام صاحب کا اصل نسخہ ابو مطیع بلخی والا ہے کیونکہ اس نسخہ میں والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے کفر پر مرنے والی بات نہیں ہے.

اسی طرح علامہ وکیل احمد سکندر پوری نے اس بات پر حسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل فرمایا ہے کہ مجھے فقہ اکبر کا اصل نسخہ کیا مل گیا ہے ،اور اگر یہ اصل نسخہ ملا علی القاری ہروی کو مل جاتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں ہرگز وہ بات نہ کہتا جو اس نے کہی ہے.

جواب:

جہاں تک علامہ ابن حجر المکی کی بات کا تعلق ہے:

یہ تو مشکل کو دیکھ کر بھاگنے والی بات ہے:

اصل بات یہ ہے کہ جس نسخے میں والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم ایمان کی بات ذکر کی جاتی ہے اس کے دنیا میں متعدد نسخے مروجہ ہیں؛ اور یہ بات کسی نہ کسی طرح فقہ اکبر کے اس نسخہ میں ہے جس کو حماد بن ابی حنیفہ نے روایت کیا ہے؛ جبکہ وہ فقہ اکبر (یا فقہ ابسط) جس کو امام اعظم کے تلمیذ اور حدیث کے راوی امام ابو مطیع بلخی نے روایت کیا ہے اس

میں تو سرے سے یہ مسئلہ ہی نہیں ہے، اسی لئے کسی محقق نے اس کتاب میں اس مسئلے کے ہونے یا نہ ہونے کی بحث بھی نہیں کی ہے؛

اس مسئلے میں فقہ اکبر کے نسخوں کا تقابلی مطالعہ:

اگر امام اعظمؒ کی اس فقہ اکبر کے نسخوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے جو امام صاحب سے ان کے صاحب زادے امام حماد نے روایت کیا ہے اور جس کی شرح ملا علی قاری نے کی ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں ان نسخوں میں مذکور مندرجہ ذیل مختلف متون ہمارے سامنے آتی ہیں:

(۱): ووالدا رسول الله ما تا على الايمان ؛

(یہ نسخہ اصل میں نسخہ زید کا محرف شدہ نسخہ ہے اس لئے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان پر فوت ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے جو یقیناً ایک مضحکہ خیز جملہ بن جاتا ہے کہ ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی حالت میں فوت ہوئے ہیں بھلا اس مسئلے کی ضرورت کیا ہے اور وہ کون ہے جس کے اعتقادات اس کے خلاف ہو سکتے ہیں ایسی بات تو کوئی عام آدمی بھی تصور نہیں کر سکتا کجا یہ کہ وقت کا کوئی امام اس قسم کی بات کہے یا اس قسم کا دعویٰ کرے، نیز اس نسخے کا دعویٰ علامہ زاہد الکوثریؒ نے مدینہ طیبہ میں دیکھا تھا اور انہوں نے اس کی تصحیح کا دعویٰ کیا تھا)

(۲): ووالدا رسول الله ماماتا على الكفر؛

(علامہ شامی اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان نے اسی نسخے کو اختیار کیا ہے)

(۳): ورسول الله ماتا على الايمان

اور ملا علی قاری نے اس کو صحیح کہا ہے

(۴): ووالدا رسول الله ماتا على الكفر

اس کو ملا علی قاری نے اپنی شرح میں اور مولانا رشید احمد گنگوہی نے اپنے فتاویٰ میں اختیار کیا ہے۔

(۵): والدا رسول الله ماتا علی الفطرة

یہ وہ نسخہ ہے جس کے بارے میں ائمہ احناف نے امام اعظم کے اس مسئلہ میں سکوت کا دعویٰ نقل کیا ہے:

(٦): ووالدی النبی علیہ السلام ماتا علی الکفر ثم ماتاعلی الایمان؛

نسخہ نور ظلم تحقیق احمد المرزوقی، جو کابل سے طبع شدہ ہے

(۷) اور بعض نسخے اس مسئلے کے بیان سے مکمل طور پر خاموش ہیں ان میں اس عبارت کو سرے سے نقل ہی نہیں کیا گیا ہے؛

اس مسئلے کے بارے میں ہمارے سامنے کل سات آراء آتی ہیں جن کو ہم قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

پہلا نسخہ:

اس نسخہ کی حقیقت یہ ہے کہ

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے مدعا کے عین مطابق ہے اور معترض کے اعتراض کا جواب بھی ہے جس کی وجہ سے علامہ ابن حجر مکی اور وکلی احمد سکندر پوری کو یہ کہنا پڑا کہ یہ فقہ اکبر امام صاحب کی کتاب نہیں؛ کیونکہ اس عبارت کی صورت میں اس نسخے میں والدین رسول اللہ کے کفر پر مرنے والی بات نہیں۔ جب اعتراض ہی دور ہو گیا تو ابن حجر کے ان کار کی کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی اس لئے ہم امام ابن حجر اور سکندر پوری کی خدمت میں یوں عرض پرداز ہیں کہ صاحب جو بات آپ کے لئے فقہ اکبر کی کتاب کے ان کار کرنے کا باعث بنی، یہاں وہ بات تو نہیں، بلکہ اس کے برعکس ہے کہ رسول اللہ کے والدین ایمان کی حالت میں فوت ہوئے تھے۔

دوسری اور اصل بات یہ ہے کہ امام ابن حجر کی اپنی رسائی کسی نسخے تک نہیں ہوئی اور نہ ہی ان کی نظر سے یوں لگتا ہے کہ کوئی دوسرا نسخہ گزرا ہوگا سوائے ایک سنے سنائے اعتراض

کے جو علماء کی مجالس میں سینہ بہ سینہ نقل ہوتا آ رہا تھا، سکندر پوری اور ابن حجر نے اسی کو من وعن نقل کر دیا ہے،

یہی اعتراض حضرت قبلہ مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب نے ہماری تحقیق شدہ مجموعہ فقہ اکبر کے نسخے پر کیا تھا کہ اس نسخے میں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں کفر کی نسبت کر دی ہے، اور تقریظ کی وہ عبارت من وعن اس سے قبل ایک اعتراض کے جواب میں نقل کر دی گئی ہے، اب جب یہ مسئلہ ہی درمیان سے ہٹ گیا ہے تو ان تمام حضرات کے نزدیک اس کتاب کے امام صاحب انتساب کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہونا چاہئے۔

دوسرا نسخہ:

اس نسخے میں رسول اللہ کے بذات خود ایمان پر مرنے کی بات نقل کی گئی ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس شبہ کا امکان ہی نہیں ہے تو وضاحت کی کیا ضرورت۔ لہٰذا ایک ہی بات رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ: اس نسخہ میں سے (والدین) کا لفظ ناسخ سے ساقط ہو گیا تھا اور لکھنے میں نہیں آیا اور ایسا اکثر کاتبوں سے ہو جایا کرتا ہے کہ لکھائی کے دوران میں ایک آدھ لفظ رہ جاتا ہے اور یہ نسخہ مذکور بالا کا محرف نسخہ ہے، اس طرح ان دونوں نسخوں میں کوئی تعارض یا تضاد نہیں رہتا بلکہ دونوں ایک ہو جاتے ہیں؛ اور وہی ہماری مراد ہے۔

تیسرا نسخہ:

اس نسخے کے نقل کرنے والے علامہ ابن عابدین شامی نے در المختار میں، اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان اپنی کتاب المعتقد المنتقد میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ اس میں اصل یوں تھی:

والدا رسول الله ما ماتا على الكفر ؛

اور عبارت میں تحریف کر دی گئی ہے، اور یہ تحریف بدنیتی کی بناء پر نہیں ہوئی، بلکہ غلط فہمی

کا ہے یعنی اسلام بغیر ایمان کے اور ایمان بغیر اسلام کے نہیں پائے جاتے؛ اور اس کی مثال کمر اور پیٹ کے آپس میں تعلق کی مانند ہے یعنی بغیر کمر کے پیٹ، اور بغیر پیٹ کے کمر کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

عقیدہ نمبر (۸۳):

اور دین نام ہے اسلام اور ایمان دونوں کے مشتملات کے ساتھ ساتھ احکامات شرعیہ پر عمل کرنے کا، ان مذکورہ سب باتوں یا کیفیات کو ملا کر ایک جگہ کر دیں تو ان سب کے مجموعے کا نام دین بن جاتا ہے۔

باب شانزدہم:

اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس سے متعلق عقائد کا بیان

عقیدہ نمبر (۸۴):

ہم اللہ تعالیٰ کی معرفت انسانی کوشش کی آخری حد تک پہچانتے ہیں؛ اور ہمارا اللہ تعالیٰ پر ایمان اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات خود اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہیں؛ اور ان تمام صفات کے مطابق ہی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۸۵):

کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی شخص ایسی عبادت کر سکتا ہے جس کا حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ اہل ہو لیکن ہم اس کی عبادت صرف اس کے احکامات کی تکمیل کے لئے کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اپنے رسولوں کی سنت کے ذریعے ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔

عقیدہ نمبر (۸۶):

تمام مومن معرفت الٰہی، یقین کامل، توکل علی اللہ، محبت باری، اللہ تعالیٰ کی رضاء، خوفِ خدا، اور اللہ تعالیٰ سے پُر امید ہونے میں برابر ہیں؛ جبکہ ایمان لانے کے بعد باقی تمام فرائض شرعیہ کی ذمہ داری پوری کرنے کے لحاظ سے ان میں فرق مراتب ہوتا ہے۔

عقیدہ نمبر (۸۷):

اور اللہ تعالیٰ بندوں پر فضل فرمانے والے ہیں؛ اور بندوں کے ساتھ ان کے ہر معاملہ میں انصاف کرنے والے ہیں؛ اور کبھی اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے تھوڑے عمل پر اپنے

فضل کی وجہ سے زیادہ اجر دے دیتے ہیں؛ اور یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ اپنے عدل کے پیش نظر گناہ گاروں کو سزا دیتے ہیں اور کبھی ان پر فضل اور مہربانی فرماتے ہوئے ان کو معاف فرما دیتے ہیں۔

نوٹ: ہر شخص پر لازم ہے کہ مذکورہ صفات کو حاصل کرنے کی کوشش کرے اور ان میں ترقی کرے؛ ان صفات میں اگر کسی شخص کی حالت ہمیشہ ایک سی رہتی ہے تو وہ خطرے میں ہے بلکہ ان منازل میں آگے بڑھتا چلا جائے اور ان میں کوئی مقام ایسا نہیں جہاں پہنچ کر یہ سمجھا جائے کہ اس کی ذمہ داری پوری ہوگئی ہے؛ البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے احکامات پورا کرنے کے بعد ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے؛ اور یہ ایمان کے علاوہ اسلام کے ظاہری احکامات سے تعلق رکھتے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوۃ، عبادات، اچھے معاملات ؛اب کوئی شخص غریب ہے تو اس پر زکوۃ لازم نہیں ہے جبکہ امیر شخص پر زکوۃ فرض ہے؛ اسی طرح مریض پر روزہ لازم نہیں صحت مند پر لازم ہے؛

اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ متقی اپنے تقویٰ یا محبت کے مقامات میں ترقی کرتا جائے تو وہ مرتبہ میں عامۃ الناس کے برابر ہے؛ اس عبارت میں امام صاحب کا یہ مقصد نہیں اور اس قسم کی رائے رکھنا جہالت ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ان مقامات میں آگے بڑھنا یا ان مقامات کا انسان کے ذمہ ہونا ہے، وہ صحت مند ہو یا بیمار، مالدار ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا فقیر ہر ایک کے ذمہ ہے کہ وہ ان مقامات کے حصول کی کوشش کرتا رہے؛ اور باقی اعمال کے بجالانے میں فرق سے ایمان کے مراتب کے لحاظ سے فرق پڑ جائے گا۔

باب هفتدهم :

انبیاءؑ اور صلحاء کی شفاعت کا بیان

عقیدہ نمبر (۸۸):

انبیاء کرام علیہم السلام کا قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں اپنی امت کے گناہ گاروں کی شفاعت کرنا حقیقت پر مبنی اور سچ ہے۔

عقیدہ نمبر (۸۹):

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گناہ گار مؤمنوں کے لئے شفاعت کرنا خواہ وہ گناہ گار کبیرہ گناہوں کے مرتکب یا ایسے گناہوں کے مرتکب ہوں جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا موجب بنتے ہوں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت حقیقت پر مبنی اور ثابت ہے

عقیدہ نمبر (۹۰):

قیامت کے دن سارے انسانوں کے اعمال کا وزن اللہ تعالیٰ کی طرف سے میزان پر وزن کیا جانا حق اور سچ ہے۔

عقیدہ نمبر (۹۱):

اسی طرح جب جنتی جنت کی طرف جائیں گے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حوضِ کوثر پر ان کا استقبال کریں گے اور حوضِ کوثر پر سب سے پہلے ان کی مہمان نوازی ہوگی، یہ سب باتیں درست اور حقیقت پر مبنی ہیں۔

عقیدہ نمبر (۹۲):

دنیا میں جس قدر جھگڑے اور فساد ہوتے ہیں قیامت کے دن ہر زیادتی کرنے والے کو

اس کی زیادتی کا بدلہ چکانا پڑے گا؛ اور یہ ہی حق اور درست ہے؛

عقیدہ نمبر (۹۳):

اور انسان سے نیکیاں لیکر جس سے زیادتی کی ہوگی اس کو دیدی جائیں گی؛ اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو اس کی برائیاں لے کر زیادتی کرنے والے کو دے دی جائیں گی؛ اور یہ بات حق اور درست ہے اور عقائد اہل السنّت والجماعت کی رائے کے عین مطابق ہے۔

نوٹ: یاد رکھنا چاہئے کہ اعمال کا تولا جانا ان کی کثافت کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں وہ کیسے ہوگا؛ مگر آج کے دور میں یہ بات بڑے آرام سے سمجھ آ جانے والی ہے؛ مثلاً کمپیوٹر (computer) ڈسک میں دکھائی کچھ نہیں دیتا مگر اس پر دوبارہ لکھائی کرنا، اس پر کوئی اور کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اگر اس پر کوئی لکھائی کرنے لگیں تو کمپیوٹر کہہ دیتا ہے کہ آپ کی ڈسک یا فلاپی (Disk or Floppy) میں مزید جگہ نہیں ہے اب اس پر کچھ اور لکھنا ممکن نہیں؛ جبکہ اس کو دیکھا جائے تو اس پر کچھ بھی لکھا نظر نہیں آتا؛ اسی طرح کمپیوٹر میں ریم (RAM) اور ہارڈ ڈسک (Hard Drive or HDD) کو دیکھ کر مانا جا سکتا ہے کہ واقعی دنیا میں ایسا (system) موجود ہے جس کو دیکھا نہیں جا سکتا؛ اور اس سے کہیں بہتر نظام جو اس نظام کے خالق کا ہے بھلا اس سے کوئی عمل کیسے محفوظ ہونے سے رہ سکتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فرمایا:

ووجدوا ما عملوا حاضراً

کل قیامت کے دن تم اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر باش پاؤ گے اور کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہوگی۔

باب ہشتدہم:

جنت اور دوزخ کے دوام کا بیان

عقیدہ نمبر (۹۴):

جنت و دوزخ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے پیدا کی ہوئی ہیں جو آج بھی موجود ہیں اور وہ کبھی فنا نہیں ہونگی۔

عقیدہ نمبر (۹۵):

جہنم پر بنا ہوا جس کو پل صراط کہتے ہیں وہ بھی حق ہے اور وہ اس وقت بھی موجود ہے؛ اور جنت کی حوروں کو کبھی موت نہ آئے گی؛ وہ ہمیشہ زندہ رہیں گی

عقیدہ نمبر (۹۶):

اور اللہ تعالیٰ جس شخص کو آخر میں سزا یا جزاء دیں گے، یا اس کو ثواب و عقاب دیں گے وہ شخص یا اس کا ثواب و عقاب کبھی فنا نہیں ہوگا بلکہ وہ ان کا ثواب ہمیشہ اور دائمی طور پر پہلی سی حالت میں رہے گا۔

نوٹ: بعض حضرات کا عقیدہ ہے کہ جنت اور دوزخ میں دوام اور ہمیشگی نہیں ہے بلکہ یہ ایک وقت تھا جب موجود نہیں تھیں اور پھر ان کو وجود بخش دیا گیا تھا اور اسی طرح ایک وقت آئے گا جب ان کو ختم کر دیا جائے گا۔

اس مسئلے کی مزید تفصیل کے لئے فقہ ابسط میں ابو مطیع بلخی کے سوال نمبر ۶۸ اور سوال نمبر ۶۹ اور اس پر حضرت امام اعظم کا جواب ملاحظہ فرمائیے:

باب نوزدھم:

انسانوں کی ہدایت اور ان کی گمراہی کا بیان

عقیدہ نمبر (۹۷):

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اس پر اپنا فضل فرماتے ہوئے اس کو ہدائت عطا فرما دیتے ہیں؛ اور جس کو چاہتے ہیں اس کے لئے اپنے عدل کا فیصلہ کرتے ہوئے اس کو گمراہ کر دیتے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۹۸):

اور کسی بھی شخص کا گمراہ ہونا، اس وقت ممکن ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اس شخص سے اپنی رضا اور مرضی کا ہاتھ ہٹا لیتے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۹۹):

اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کسی بندے سے بدل جانے کا مطلب یہ ہے کہ

بندے سے صادر ہونے والے کام اللہ تعالیٰ کی منشاء اور اس کی مرضی کے خلاف ہوتے ہیں؛ اور یہ اللہ تعالیٰ کے عدل کی وجہ سے ہوتا ہے؛ اور اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو اور گناہ و معاصی کا ارتکاب کرتا ہوگا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے عدل کی وجہ سے سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۰۰):

اہل السنّت والجماعت کے نزدیک ہمیں یہ بات کہنا جائز نہیں کہ شیطان نے جبراً اور طاقت آزمائی کرتے ہوئے بندے سے ایمان چھین لیتا ہے؛ لیکن ہم یوں کہیں گے کہ اللہ

تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہونے کی وجہ سے بندے نے ایمان چھوڑا اور یوں شیطان نے اس بندے سے ایمان سلب کر لیا۔

نوٹ: شیطان کے پاس از خود اہل ایمان کے ایمان سلب کر سکنے کی طاقت ہرگز نہیں ہے، اور نہ ہی وہ اس قابل ہے کہ بندے سے اس کا ایمان چھین سکے؛ اور ایمان کیفیت قلبی کا نام ہے جس پر شیطان کو کوئی دسترس نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ انسان از خود نہ چھوڑ دے؛ مگر یاس اور نا امیدی نے شیطان کی مرضی پوری کر دی انسان کے ایمان چھوڑنے کی وجہ بن گیا اور شیطان بندے کے ایمان سلب کرنے کی وجہ بن گیا۔

باب بستم:

قبر اور اس کے لوازمات کا بیان

عقیدہ نمبر (۱۰۱):

قبر میں مردہ دفنانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے دو فرشتے منکر و نکیر کا آنا اور انسان سے سوال ان کی توحید و رسالت کے بارے میں سوال کرنا حق اور سچ ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۰۲):

انسان کے مرنے کے بعد اس کی روح کا قبر میں جسم کی طرف لوٹایا جانا درست اور عین حقیقت پر مبنی بات ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۰۳):

اور تمام کفار کے لئے اور بعض گنہگار مسلمانوں کے لئے قبر میں تنگی، اور اس کا عذاب تمام کفار کو دیا جانا، اور بعض مسلمان گناہگاروں کو دیا جانا حق اور درست ہے۔

نوٹ نمبر: احادیث میں آتا ہے قبر میں بندے سے تین سوالات کئے جاتے ہیں

(۱) من ربک یعنی تیرا رب کون ہے؟ (۲) مادینک یعنی تیرا دین کیا ہے؟

(۳): من نبیک یعنی تیرا نبی کون ہے؟

اور مؤمن درست جواب دے گا کہ (۱): اللہ ربی؛ میرا رب اللہ (۲) والاسلام دینی اور میرا دین اسلام ہے (۳) محمد نبی محمد ﷺ میرے نبی ہیں؛ جبکہ کافر ہر سوال کے جواب میں تعجب سے دائیں بائیں دیکھے گا مگر کوئی جواب نہ دے سکے گا اور یہ سارا واقعہ اسی دنیاوی قبر میں پیش آئے گا جو قبرستان میں بنائی جاتی ہے؛ اور جس میں مردہ کو رکھا جاتا ہے۔

(اس موضوع پر امام صاحب نے جامع المسانید میں حدیث نقل فرمائی ہے)

نوٹ نمبر: عذابُ وثوابِ قبر کا مسئلہ: دین کے ان مشکل اور مختلف فیہ مسائل میں سے ہے جس کو سوائے دلائل نقلیہ کے ثابت نہیں کیا جاسکتا البتہ عقلی دلائل کے لحاظ سے صرف اسی قدر کہا جاسکتا ہے کہ: بنیادی طور پر انسانی جسم کے تین حصے ہیں

(ا): روح: جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: قل الروح من امر ربی، یعنی روح میرے پروردگار کے امر کا ظہور ہے؛ اس سے زیادہ روح کے بارے میں شریعت میں معلومات نہیں دی گئیں؛ البتہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو نور سے بنایا ہے؛ اس کو انگریزی میں (spirit) کہا جاتا ہے

(۲) اور انسانی جسم میں دوسری چیز نفس (soul) ہے اور اس کی چار قسمیں ہیں جن کا ذکر قرآنِ کریم میں یوں ہے

(ا): نفس امارہ: یہ نفس کی وہ قسم ہے جو ہمہ وقت انسان کو برائی کی طرف مائل کرتی رہتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان النّفس لأمّارةٌ بالسُّوء یعنی نفس امارہ انسان کو برائی کی طرف مائل کرتا ہے۔

(۲) نفس لوامہ: یہ نفس کی وہ قسم ہے جو انسان کو برائی پر ملامت کرتی ہے اور اچھائی کے صادر ہونے پر فرحت اور خوشی کا اظہار کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: و لا اُقسم بالنّفس لوّامه، یعنی میں قسم اٹھاتا ہوں نفس لوّامہ کی

(۳) نفسِ مطمئنہ: یہ نفس کی وہ قسم ہے جس کے ظاہر ہو جانے سے انسانی طبیعت میں برائی سے طبعی نفرت اور نیکی سے طبعی رغبت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یـــا ایتها النّفسُ المُطمئِنّه: یعنی اے نفس مطمئنہ لوٹ جا اپنے پروردگار کی طرف

(۴) نفس ملہمۂ خیر وشر: یہ وہ نفس ہے جو اچھی صحبت کی وجہ سے اچھائی اور برائی سے آگاہ رہتا ہے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: و نفـسٍ وّمـا سوّاهـا فـالهـمها فجورها وتـقوها یعنی اور وہ نفس جس کو نیکی اور بدی پر متنبہ کرنے کی صلاحیت دے کر پیدا کیا گیا ہے

اور یہ چاروں اقسام کی نفوس مختلف انسانون میں مختلف انداز سے اثر انداز ہوتے ہیں؛ اس کو عیسائی علم العقائد میں (soul) کہتے ہیں، اسی کا نام ہندو علم العقائد میں کرشن اور یوروپی (Metaphysical philosophy) فلاسفی میں (super ego) کے نام سے اور اسی کو سر محمد اقبال نے اپنی شاعری میں (خودی) سے تعبیر کیا ہے؛ اور عامۃ الناس اسی کو دل یا خواہش کہتے ہیں

(۳) اور تیسری چیز انسان میں اس کا مادی جسم ہے اور یہ جسم چار اجزاء کا مجموعہ ہے آگ پانی مٹی اور ہوا؛ بقول امام عبید اللہ سندھی اگر ہر جزو کے تین حصے فرض کئے جائیں (81=3x3x3x3) اقسام کے انسان سامنے آجاتے ہیں یہ کم از کم اقسام ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی خصوصیات دوسرے سے مختلف ہیں جن کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی؛ ان میں سے ہر ایک کی خاصیات دوسرے سے منفرد ہیں: جسم میں ضروریات اور خواہشات کا پیدا کرنا؛ اوران کو پورا کرنے کی راہ نفس دکھاتا ہے اور انسان میں شعور و ادراک پیدا کرنا روح کا کام ہے؛ اور اس دنیا کی غذائیت سے لطف اندوز ہونا جسم کا کام ہے۔

موت وحیات کی حقیقت:

انسانی موت اور حیات کی حقیقت بڑی عجیب ہے؛ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: اللّٰہُ یتوفّی الْاَنْفُسَ حین موتھا والّتی لم تمت فی منامھا؛ یعنی اللہ تعالیٰ انسان کے اندر سے نفس نکال لیتے ہیں جب اس کو موت دینا مقصود ہو، اور اگر نفس واپس بھیج دیں تو یہ نیند ہوتی ہے، جبکہ روح ابھی اسی کے اندر موجود رہتی ہے، لہذا انسانی موت وحیات کی نوعیت کچھ یوں بنتی ہے کہ اس میں شعور ہوتا ہے مگر اس کی موجودگی سے دنیا کے عارضی اسباب ولوازمات میں استفادہ ممکن نہیں ہوتا اگر چہ شعور و ادراک اس میت میں مکمل طور پر موجود ہوتا ہے؛ بلکہ بعض اوقات دنیا کے مقابلے میں وہ شعور وحیات زیادہ واضح اور عیاں ہوتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی کہ: المیتُ یعذّب ببکاء اھلہ (بخاری) یعنی میت کو اہل خانہ کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے؛ اگر موت

انسان کو پتھر کی طرح بنا دے تو اس کو عذاب دیئے جانے کے کوئی معنی نہیں ہیں؛ اور ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ بدر میں کفار کی میتوں کے پاس جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: هل وجدتم ماوعد ربکم حقا، کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ پورا ہوتا ہوا پا لیا ہے؟

تو صحابہ کرامؓ نے تعجب سے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی کیا یہ آپ کی آواز سنتے ہیں؟ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نیارشاد فرمایا کہ: هم اسمع منکم یعنی وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔ مراد یہ تھی کہ اب ان میں شعور اور احساس پہلے سے زیادہ ہو گیا ہے تو ان کو کیوں نہ سنائی دے گا۔

مخفی زندگی کی ایک اور مثال:

انسان کے کلام کی حقیقت یہ ہے کہ: اس کے کلام میں تین چیزیں یک بارگی استعمال ہوتی ہیں، پہلی: انسانی زبان سے استعمال ہونے والے الفاظ؛ دوسری: ان الفاظ کی تراکیب؛ اور تیسری: ان تراکیب میں استعمال ہونے والا نور یا ظلمت جو ایک انسان دوسرے انسان کے باطن میں منتقل (transfer) کرتا ہے؛ اور انسان کو اس بات کا اکثر احساس نہیں ہوتا اسی وجہ سے نیک لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی باتیں سننے سے قلبی اطمینان اور دل میں سکون ہوتا ہے؛ اور بعض لوگوں کی بات سننے سے طبعیت میں ارتعاش (disutrbence) ہوتی ہے؛ اس نور وظلمت کا دنیا میں پتہ نہیں چلتا؛ البتہ مرنے کے بعد اس کی حقیقت انسان پر کھل جاتی ہے؛ اسی طرف بات کی حقیقت کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ اشارہ فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ (الفاطر) یعنی اللہ تعالیٰ مردوں کو سناتا ہے مگر وہ از خود نہیں سن سکتے؛ وجہ یہ ہے کہ: انسان کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا ایسا غیبی نظام حرکت میں آجاتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے علم اور مرضی کے تابع ہوتا ہے، کسی زندہ شخص کو اس کی حقیقت قطعاً معلوم نہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ اس ساری بحث کا عام قاری کی سمجھ میں آنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس لئے اللہ

تعالیٰ نے موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں فرمایا ہے کہ: ولکن لاتشعرون، یعنی تمہارے شعور کی رسائی وہاں تک نہیں؛ چونکہ عام آدمی کے شعور کی اس مقام تک رسائی کی نفی کی گئی ہے، عین ممکن ہے کوئی شخص اپنے شعور کو بلند کر لے تو اس کو مرنے کے بعد کی زندگی کچھ معلوم ہونے لگے؛ جیسا کہ بعض لوگ کشف القبور کے ذریعے بعض باتیں جاننے لگتے ہیں؛ مگر یہ قوت مقصودِ اصلی نہیں؛ اور اس کے حاصل کرنے اور اس کی تگ و دو کرنے سے حاصل وصول کچھ نہیں ہوتا؛ اسی لئے قبر میں عذاب ہونا، انسانی روح کا اسی قبر میں لوٹایا جانا، اسی قبر کا انسان کی پسلیاں دبانا حق ہے۔

نوٹ: روح کو لوٹائے جانے سے مراد یہ ہے کہ: انسان کی موت کے ساتھ انسانی نظام میں تبدیلی کر دی گئی ہے؛ اور اب وہ دارالجزا میں چلا گیا ہے وہاں اس کو زندہ کیا جاتا ہے تاکہ باور کروایا جائے کہ دنیا میں کیا کرتا رہا اور اس کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے، یہ مختصر بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس مترجم پر کھولا ورنہ اصل حقیقت اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اس کا حقیقی علم مرنے کے بعد ہوگا۔

نوٹ: یہ مسئلہ فقہاء اور صوفیاء کے درمیان متنازع ہے کیونکہ فقہاء ظاہر نص کو دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں جبکہ صوفیاء کے ہاں ظاہر کے ساتھ اس کے باطن کو بھی مدنظر رکھا جاتا ہے؛ اس دنیا کے نزاع لفظی میں پڑنے کی بجائے اپنی آخرت کی تیاری میں محنت کرنی چاہئے جہاں کی کامیابی اصل کامیابی اور ناکامی اصل ناکامی ہے؛ اور اللہ سے ہمیشہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ وہاں کی کامیابی سے سرفراز فرمائے اور ناکامی سے محفوظ فرمائے۔

باب بست ویکم:

عربی زبان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا بیان

عقیدہ نمبر (۱۰۴):

اللہ تعالیٰ کی وہ تمام صفات جو علمائے فارسی نے بیان کی ہیں جو ذات باری اور صفات عالی کے بارے میں ہیں ان تمام کا اپنی زبان سے اقرار کرنا درست ہے ؛سوائے ید (دست) کو فارسی زبان میں استعمال کرنے کے لہذا (روئے خدا) کہنا درست ہے مگر اس میں بھی تشبیہ اور کسی کیفیت کا احتمال نہ ہوگا۔

عقیدہ نمبر (۱۰۵):

اللہ تعالیٰ کا کسی چیز سے قرب اور دوری، مسافت اور فاصلے کے لحاظ سے مراد لی جاتی ہے

عقیدہ نمبر (۱۰۶):

بلکہ اس سے مراد ذلت اور عزت یا قدر ومنزلت ہوتی ہے۔ لہٰذا مطیع اور اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بندہ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے؛ مگر یہ قرب بے کیفیت ہے؛ اور نافرمان اور گناہ گار شخص بلا کسی کیفیت کے اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے؛ اور مطیع کا قرب اور نافرمان کی دوری بلا کیفیت اور بلا تشبیہ ہوتی ہے؛ دنیا میں قریبی یا دوری کے معنوں میں مراد نہیں لی جا سکتی۔

عقیدہ نمبر (۱۰۷):

اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کا بعد اور کسی کی طرف متوجہ ہونا یہ مناجات کرنے والے پر وارد ہونے والی کیفیات میں سے ایک کیفیت کے انداز میں ہوتا ہے؛ اور اس میں اللہ تعالیٰ

کی ہمسائیگی، اور جنت میں اس کے سامنے ٹھہرنا بھی اللہ تعالیٰ کی بے کیفیت صفات میں سے ایک صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی فارسی یا کسی اور زبان میں جو صفات ذکر کی گئی ہیں اس کی دو قسمیں ہیں (۱) اگر کسی صفت کے ذریعے ذاتِ باری تعالیٰ میں نقص وارد ہونا لازم آئے تو وہ صفت اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے استعمال کرنا درست نہیں ہے (۲) اس کے علاوہ تمام صفات جن سے ذات باری تعالیٰ میں نقص اور عیب لازم نہ آتا ہو ذات باری تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا درست ہونگی؛ جیسے فارسی زبان میں یَد اللہ کا ترجمہ 'دست خدا' لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا درست نہیں؛ مثلاً یوں کہہ سکتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے سامنے، مگر یہ سامنا بلا تشبیہ اور بلا کیفیت ہوگا (دست خدا) یا (اللہ کا ہاتھ) وغیرہ جیسے کلمات اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا درست اور جائز نہیں ہے۔

باب بست دوم:

حقیقت قرآن اور آیات کی فضیلت کا بیان

عقیدہ نمبر (۱۰۸):

قرآنِ کریم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہؐ پر نازل ہوا ہے، یہ وہی قرآن کریم ہے جو ایک مصحف کی شکل میں لکھا گیا اور ہمارے سامنے موجود ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۰۹):

اور تمام قرآنی آیات کلام ہونے کے لحاظ سے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں؛ اور عظمت وفضیلت کے لحاظ سے سب قرآنی آیات برابر ہیں۔

عقیدہ نمبر (۱۱۰):

اور ہاں: بعض آیات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذکر کے لحاظ سے فضیلت ہے؛ اور بعض آیات کو اس آیت میں ذکر کیے گئے مضمون کی وجہ سے فضیلت ہے۔

جیسے آیت الکرسی کی مثال ہے کیونکہ اس میں فضیلت اس وجہ سے ہے کہ اس میں ذات باری تعالیٰ کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی وجہ سے فضیلت و عظمت ہے اور اس کی صفات کا اجلال ہے؛ اس لحاظ سے اس آیت میں دو فضیلتیں جمع ہوگئی ہیں ایک ذکر کی فضیلت اور دوسرا مذکور یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کی فضیلت۔

ورنہ عام آیات میں سے بعض میں صرف ذکر کی فضیلت ہوتی ہے اور مذکورہ شخصیت کی فضیلت بالکل نہیں ہوتی؛ مثال کے طور پر قرآن کریم میں بعض مقامات پر کفار کا تذکرہ ہے اس میں صرف ذکر کی فضیلت ہے وہ اس طرح کہ یہ آیت قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ذکر

فرمائی ہیں؛ اس میں مذکورہ شخصیت کو کوئی فضیلت اور مرتبہ نہیں کیونکہ وہ لوگ تو طبقۂ کفار میں سے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۱۱۱):

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے تمام نام اور اس کی تمام صفات، عظمت اور فضیلت میں برابر ہیں اور ان میں کوئی تفاوت اور فرق نہیں ہے؛ اور نہ ہی کسی میں کمتری یا برتری پائی جاتی ہے۔

نوٹ: اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق کی وجہ سے تمام صفات ایک مقام و مرتبہ کی حامل ہیں البتہ اپنی تاثیر کے لحاظ سے بعض کاموں میں بعض صفات کی فضیلت زیادہ ہے اور بعض کی کم ہوتی ہے۔

اسی طرح آیات قرآنیہ میں بھی بعض آیات کی فضیلت اپنے مذکورہ مضمون کے لحاظ سے کم ہے اور بعض کی فضیلت زیادہ ہوتی ہے۔

باب بست و سوم :

رسول اللہؐ کے والدین اور اولاد کا بیان

عقیدہ نمبر ۱۱۲:

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر کی حالت میں نہیں بلکہ ایمان کی حالت میں فوت ہوئے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۱۱۳:

اور آپ کے چچا اور حضرت علیؓ المرتضیٰ کے والد ابو طالب کی وفات کفر پر ہوئی ہے، اور انہوں نے آخر وقت تک ایمان قبول نہیں کیا تھا۔

عقیدہ نمبر (۱۱۴):

آپؐ کے قاسمؓ، طاہرؓ اور ابراہیمؓ؛ رضوان اللہ علیہم بیٹے تھے۔

عقیدہ نمبر (۱۱۵):

اور حضرت فاطمہؓ، رقیہؓ، اُم کلثومؓ اور زینبؓ یہ تمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں تھیں۔

نوٹ: یاد رہنا چاہئے کہ: امام صاحب سے فقہ اکبر میں اس مسئلہ پر چھ مختلف متن ملتے ہیں؛

(۱) ایک رائے یہ ہے کہ: والدین نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے؛ اور اس رائے میں نہ تو کوئی شک ہے؛ اور نہ ہی اس پر کوئی ایسا اعتراض کہ اس کا جواب نہ ہو؛ کیونکہ آپؐ کی ولادت سے قبل جو لوگ فوت ہوئے اگر وہ اپنے قبیلے یا قوم کی طرف مبعوث کئے گئے نبی پر ایمان لا چکے تھے تو انہیں بلا کسی شک وشبہ مؤمن سمجھا جائے گا؛

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ: والدین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت فطرت پر ہوئی؛ فطرت کی وضاحت امام اعظم ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

۲۱: كلُّ مولودٍ يولد على فطرة

خلق الله تعالىٰ الخلقَ سليماً من الكُفرِ و الايمان ؛ ثم خاطَبهُم وامرهم ونهاهم

یعنی: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو اسلام اور کفر سے سالم پیدا کیا ہے، اور پھر ان کو امر ونواہی کے احکامات دیئے؛ تو گویا فطرت نام ہے کفر اور ایمان سے ورے ہونے کا۔ جب کہ اسلام بذات خود دین فطرت کا نام ہے، لہذا اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی پر عمل کرے یا دین فطرت پر ہو تو وہ مسلمان ہی سمجھا جائے گا، کیونکہ اس زمانے کے لئے باقاعدہ کوئی رسول نہیں بھیجا گیا تھا اور ہر قبیلہ اور قوم کی طرف جو نبی بھیجا گیا اس زمانے کے لوگوں کا اسی پر ایمان لانا ان لوگوں کے ایمان دار ہونے کی دلیل تھی؛ جیسے کہ حدیث میں آتا ہے: كل مولودٍ يولد على فطرة؛ یعنی ہر پیدا ہونے والا اس کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر ماحول، اس کا خاندان، اس کے رسم رواج، اس کو ایک ڈگر پر چلاتے ہیں اور وہ اسی پر چل نکلتا ہے؛ اس ساری بات کے پیش نظر ان کے بارے میں اسلام کی رائے قابل قبول اور قابل عمل ہے۔

(۱): وفي النسخة "ووالدا رسول الله ماتا على الفطرة" والفطرة هو السلامة من الشرِّ والاستعداد للخير ؛ فمعناه مات على الاسلام كما قال النبي صلى الله عليه وسلم كل مولود يولد على فطرة الاسلام والنسبة بين الايمان والاسلام عموم وخصوص من وجه ، وابوكم ابراهيم هوسماكم المسلمين من قبل وفي هذا. وابواهما صلى الله عليه وسلم كانوا مؤمنين على دين الحنيف وهوغير المنسوخ حتى اتى دين النبي في اخر

الزمان.

(۳) تیسری رائے یہ کہ والدین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کفر پر ہوئی۔

اس بارے میں جان لینا چاہئے کہ: جس نسخہ کی یہ عبارت ہے اس میں تحریف ہوئی ہے ؛جیسا کہ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں:

وما فی الفقه من ان والدیه ماتا علی الکفر فمدسوس علی الامام

یہ جو مسئلہ کہ فقہ اکبر میں ہے حضورؐ کے والدین کی موت کفر پر ہوئی ہے یہ متن میں تحریف ہے جب کہ اصل عبارت اور طرح ہے۔

شیخ ابراہیم قوتلانی اپنے مقالے (الامام علی القاری) میں نقل کرتے ہیں:

وانی بحمد الله رأیت لفظ 'مَامَاتَا' فی نسختین بدار الکتب المصریة قدیمتین وعلی القاری بنی شرحه علی النسخة الخاطئة

میں نے الحمد للہ دارالکتب مصریہ میں دو نسخے دیکھے جن میں (ماماتا) کے الفاظ تھے: اور یہ تحریف کا قصہ یوں ہوا کہ شیخ مرتضٰی الزبیدی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد احمد بن مصطفٰی الحلبی کے ہاتھ سے فقہ اکبر کے اس مقام پر لکھا ہوا دیکھا:

ان الناسخ لما رأی تکرر ما فی ماماتا ظن ان احدهما زائدة فحذها فذاعت نسخة الخاطئة

یعنی لکھنے والے نے [مَامَاتَا] کے دو [ما] دیکھ کر اندازہ لگایا کہ ایک [مَا] زائد ہے لہذا اس نے ایک [مَا] حذف کر دیا اور یہ غلطی والا نسخہ دنیا میں پھیل گیا؛ ملا علی القاری اور دوسرے شارحین نے نسخوں کی تصحیح میں زیادہ محنت نہیں کی جس سے یہ نسخہ عام ہو گیا؛

اور اس کو تسلیم کرتے ہوئے ملا علی القاری نے شرح فقہ اکبر میں نسخہ زید کا متن اسی طرح نقل فرمایا ہے کہ:

والدا رسول الله ماتا علی الایمان

مگر اس مقام پر انہوں نے ترجیح اسی بات کو دی کہ آپ کی فوتگی کفر پر ہوئی؛ جب بعد میں مسئلہ ان کے لئے واضح ہوا تو اپنی آخری تصنیف شرح الشفاء میں آپ خود فرماتے ہیں:

و ابوطالب لم يصح اسلامه ؛ و ابويه ففيه اقوال ؛ و الا صح اسلامهما على ما اتفق عليه الاجلة من الا مة

والدین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤمن ہونے میں متعدد اقوال ہیں؛ مگر صحیح ترین رائے یہ ہے کہ ان کی وفات اسلام پر ہوئی ہے اور امت کے جلیل القدر آئمہ کی رائے بھی یہی ہے؛ اور جب ملا علی القاری کا پہلا مؤقف تھا تو انہوں نے اپنے مؤقف کی تائید میں ایک رسالہ[**أدلة معتقدأبی حنيفة الامام فی أبوی الرسول عليه السلام**] بھی لکھا مگر بعد میں حقیقت حال معلوم ہو جانے کے بعد اپنا مؤقف بدل لیا؛ اور شرح الشفاء میں اس کی وضاحت بھی لکھ دی؛ اور بالفرض والمحال اگر ملا علی کی کفر والی رائے کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے ان کی مراد کفر لغوی ہوگا یعنی آپ نے زمانہ نبوت نہیں پایا اور یوں اسلام عرفی معنوں میں آپ پر صادق نہیں آتا اور آپ ویسے مسلمان نہیں ہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایمان لانے والے تھے۔ جب کہ حق بات وہ ہے جو متن میں مذکور ہوئی کہ آپ کے والدین کی وفات ایمان پر ہوئی؛ مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب الشفاء عن والدی المصطفیٰ میں دیکھی جا سکتی ہے

نوٹ: اور اس پر تمام اہل السنۃ والجماعۃ اور اہل التشیع حضرات کی کتب متفق ہیں مگر اہل تشیع سیدہ فاطمہ کے علاوہ ساری اولاد کو نبوت سے پہلے کی اولاد مانتے ہیں اور اسی کو سب اولاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وجہ فضیلت قرار دیتے ہیں۔ جب کہ اصل حقیقت معلوم ہونی چاہئے کہ فاطمہؓ کے والد اور ام کلثومؓ، رقیہؓ اور زینبؓ کے والد ہونے میں تو شک نہیں اور آپ کا اعلانِ نبوت تو چالیس برس کی عمر میں ہوا؛ جبکہ آپؐ تو اس وقت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كنت نبياً و آدم منجدل بين الماء و الطين

یعنی جب آدمؑ پانی اور مٹی کی شکل میں تھے میں اس وقت بھی نبی تھا؛ لہذا: وقتی تخصیص یا فضیلت سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہے؛ البتہ حضرات شیعہ کے ہاں دوسری وجہ فضیلت فاطمہؓ کا علیؓ سے نکاح ہونا ہے؛ چونکہ ان کے نزدیک سارے صحابہ کرامؓ کو چھوڑ کر اصل فضیلت حضرت علیؓ کی ہے؛ اسی طرح انہوں نے اصل فضیلت کو فاطمہؓ کے اندر بند کر دیا اور ان فضیلتوں کی وجہ سے دوسروں سے ان کار کر دیا؛ اور یہ ان کی کم ہمتی ہے ورنہ کسی کو تو کسی ایک وقت میں ایک دوسرے پر فضیلت ہو سکتی ہے۔ اگر اس کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو جھگڑا سرے سے نہیں رہے گا۔

باب بست و چہارم:

عقائد میں تفویض کا راستہ اختیار کرنے کا بیان

عقیدہ نمبر (۱۱۶):

اگر کسی شخص پر علم توحید یا علم عقائد کی باریکیوں میں سے کوئی بات سمجھنا مشکل ہو جائے؛ یا کوئی اور مسئلہ جیسے صفاتِ باری کا مسئلہ سمجھ نہ آ رہا ہو تو اس کو چاہئے کہ فی الحال جو بات درست طریقے سے سمجھ میں آتی ہو اس کو مان لے؛ اور یہ عقیدہ رکھے کہ: جو بات اللہ تعالیٰ کے ہاں صحیح اور درست ہے اس پر میرا ایمان ہے؛ اور وہی عقیدہ ہے اور بعد میں جب کوئی ایسا عالم ملے جو اس کی تسلی و تشفی کر سکتا ہو تو اس سے پوچھ کر اپنی رائے درست کر لے۔

عقیدہ نمبر (۱۱۷):

اس مسئلہ کے معلوم کرنے میں ہرگز دیر کرنا درست نہیں ہے؛ اور اگر کوئی شخص اس پر توقف اختیار کر لے تو اس کا یہ عذر اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ قبول نہ ہوگا؛ اور اس عقائد کے مسئلہ پر توقف کر لینے سے شریعت اسلامیہ میں اس کے بارے میں کفر کا حکم دیا جائے۔

نوٹ: ہاں! شرعی مسائل کی مندرجہ ذیل صورتوں میں توقف اختیار کرنا درست ہے

(۱) اگر کسی مسئلہ میں جانبین کے دلائل برابر ہوں

(۲) کسی مسئلہ کا درست جواب معلوم نہ ہو سکتا ہو

(۳) یہ کہ: وہ مسائل اصول سے تعلق رکھتے ہوں؛ ان مسائل کے جواب میں فوری طور پر یہ کہنا چاہئے کہ: جیسے اللہ کے ہاں درست بات ہے اس پر ہم ایمان رکھتے ہیں؛ مگر جیسے ہی کوئی درست بتانے والا عالم ملے اس سے پوچھ کر اپنی تصحیح کر لینی جانی چاہئے؛ جیسا کہ خود امام صاحبؒ سے بارہ مسائل میں توقف ثابت ہے؛ اور کسی نے ان مسائل میں سے

بعض کو نظم کرتے ہوئے یوں کہا ہے:

من قال لا ادری عالم یدره　　فقد اقتدی فی الفقه با لنعمان

فی الدهر والخنثیٰ کذاک جوابه ومحل اطفال ووقت ختانه

اور ایک دوسرے امام نے ان مسائل کو یوں لکھا

وورعاً للامامِ الاعظمِ النُّعمانِ　　سببُ التّوقّفِ فی جوابٍ عانِ

سؤر الحمارِ ؛ بفاضل جلالةٍ ؛　　وثواب جنّیّ علی الایمانِ ؛

والدهر ؛ والکلب المعلم ؛ ثم مع　　ذریة الکفا ؛ و وقت ختان

یعنی جو شخص ایسی بات میں لا ادری کہے جس کو وہ نہیں جانتا تو وہ فقہ میں امام اعظم کی اقتدا کر رہا ہے؛ کیونکہ انہوں نے بھی کئی مسائل کا جواب دینے کی بجائے توقف اختیار کیا

(۱) یعنی اگر کوئی یہ بات کرے کہ میں اتنے دہر میں فلاں سے بات نہ کروں گا تو اس دہر سے کتنا زمانہ مراد ہے؟

(۲) خنثیٰ مشکل: یعنی ایسا ہیجڑا جو اپنی دونوں شرم گاہوں سے برابر پیشاب کرے اس کو وراثت کے مسائل میں آدمی جانا جائے یا عورت کا حکم لگا کر وراثت کا حق دار قرار دیا جائے؟

(۳) کفار اور مشرکین کے فوت شدہ نابالغ بچوں کے بارے میں کیا رائے رکھی جائے کہ وہ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں،

اس مسئلہ پر بعد میں امام نے اپنی رائے تبدیل فرمالی تھی؛ اور فرمایا یہ بچے جنت کے غلمان ہوں گے؟

(۴) ختنہ کس عمر تک کر سکتے ہیں؟

دوسرے شعر میں کچھ مسائل تو وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے ہیں اور باقی مسائل کی تفصیل یہ ہے؟

(۵) آیا گدھے کا جوٹھا پاک ہے یا ناپاک؟

(۶) گندگی کھانے والی مرغی کتنے دن بند رکھنے سے پاک سمجھی جائیگی؟

(۷) جنات کے ایمان لانے سے ان کو ثواب ہوگا یا نہیں ہوگا؟

(۸) کلب معلم یعنی سکھلایا ہوا کتا کس کو سمجھا جائے؟

اور کچھ مسائل جو اسکے علاوہ ہیں، اور بعض ائمہ نے انکو ذکر کیا ہے مندرجہ ذیل ہیں؛

(۹) فرشتے انبیاء سے افضل ہیں یا نہیں؟

(۱۰) والدین مصطفیٰ ایمان پر فوت ہوئے یا کفر پر؟ اس کی وضاحت متن فقہ اکبر میں کردی گئی ہے اور تفصیل کے لئے وہاں دیکھنا چاہیے؛

(۱۱) یزید بن معاویہ کو برا کہنا چاہیے، یا اچھا؟

(۱۲) اگر کوئی شخص ایسا کلمۂ کفر بولتا ہو جس کی ننانوے توجیہات کفر کی اور ایک توجیہ ایمان کی ہو اس پر کفر کا فیصلہ دینا چاہیے یا نہیں؟

باب بست و پنجم:

معراج نبوی کا بیان

عقیدہ نمبر (۱۱۸):

معراج کی خبر جس نے دی اور جس سے ہم تک پہنچی ہم اس کے تصدیق کرتے ہیں؛ یہ واقعتاً حق اور سچ ہے اور جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ گمراہ اور بدعتی ہے۔

نوٹ: سوال یہ ہے کہ آیا معراج جسمانی تھا یا روحانی؟ بعض آئمہ اس کے روحانی ہونے کے قائل ہیں؛ مگر حق اور صریح بات یہ ہے: معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی تھا؛ ورنہ روحانی معراج تو کئی انبیاء اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی بار ہوا ہے؛ اور آپ کا خاصہ معراج جسمانی ہے یعنی آپ نے اپنے جسمِ اطہر سمیت ساتوں زمین اور ساتوں آسمانوں اور پھر جنت اور دوزخ کو دیکھا اور اپنے اللہ سے ہم کلام ہوئے اس کا نام معراج ہے

مسئلہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسد اطہر سمیت بھی چونکہ اس قدر زیادہ احادیث میں مذکور ہے جو درجہ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں اس لئے امام اعظم نے اس کو بھی علم عقائد کے اساسی مسائل میں ذکر فرمایا ہے۔

باب بست وششم:

علامات قیامت ونزول مسیح علیہ السلام

عقیدہ نمبر ۱۱۹: دجال کا مشرق سے نکلنا، حق اور سچ ہے

عقیدہ نمبر ۱۲۰: اور یأجوج مأجوج کا نکلنا یا ظاہر ہونا؛ حق اور سچ ہے۔

عقیدہ نمبر ۱۲۱: اور مغرب کی طرف سے سورج طلوع ہونا یہ سب حق اور سچ ہے

عقیدہ نمبر ۱۲۲: حضرت مسیح علیہ السلام کا قیامت کے قریب آسمان سے اترنا؛ حق اور سچ ہے

عقیدہ نمبر ۱۲۳: اور دیگر تمام علامات قیامت جو صحیح احادیث میں وارد ہونے سے معلوم ہیں حق اور سچ ہیں؛ اور وہ سب قیامت سے پہلے یقیناً واقع ہو کر رہیں گی؛

عقیدہ نمبر ۱۲۴: اور اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے اور توفیق صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتی ہے

پہلی بحث حضرت مسیح علیہ السلام زندہ ہیں:

اس بحث کو مسئلے کی وضاحت کی غرض سے تین حصوں میں بیان کیا جائے گا

پہلا حصہ قرآن کریم میں حیات مسیح:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيامة يكون عليهم شهيدا (النساء: ۱۵۹)

اور اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو آپ کی موت سے پہلے آپ پر ایمان نہ لائے اور وہ قیامت کے دن ان کے گواہ بن کر پیش ہوں گے۔

دوسرا حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نزول مسیح علیہ السلام کے بارے میں چالیس اصحاب نبی سے زیادہ افراد نے روایات نقل فرمائی ہیں جن کے اسمائے گرامی درج ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں:

لینزلن ابن مریم فیکم حکما عدلا فلیقتلن الدجال ولیقتلن الخنزیر ولیکسرن الصلیب وتکون سجدة واحدة للہ رب العالمین

یقیناً تم میں ابن مریمؑ ایسے حاکم بن کر نازل ہوں گے جو عدل کو عام کر دیں گے دجال کو قتل کر دیں گے خنزیر کے انسانی استعمال کا خاتمہ ہو جائے گا اور صلیب کی پرستش چھوڑ دی جائے گی اور پوری دنیا میں صرف ایک اللہ رب العالمین کے لئے سجدہ کیا جانے لگے گا۔

تیسرا حصہ حضرت مسیح کے بارے میں اجماع الامہ:

امام ابن حیان نے فرمایا:

واجمعت الامة علی ما تضمنه الاحادیث المتواتر من ان عیسی فی السماء حیٌّ وانه ینزل فی آخر الزمان (تفسیر بحر المحیط)

اس بات پر امت کا اجماع ہے اور احادیث متواترہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت مسیح علیہ الاسلام زندہ ہیں آسمانوں میں ہیں اور آخر زمانہ میں آپ کا نزول ہوگا۔ اور صاحب جامع البیان کا فرمان:

والاجماع علی انه حیٌ فی السماء، وینزل، ویقتل الدجال، ویؤیّد الدین

اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت مسیح آسمانوں میں زندہ ہیں اور آپ نازل ہوں گے اور دجال کو قتل کریں گے اور دین کی تائید فرمائیں گے

پانچواں حصّہ

اُردو ترجمہ

الفقہ الابسط

تالیف:

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ

راوی وسائل

ابو مطیع حکم بن عبداللہ تعالیٰ بلخیؒ

ولادت: ۱۱۵ھ.................وفات: ۱۹۹ھ

معہ حواشی مفیدہ

الشیخ علامہ زاہد الکوثری

ترجمہ وتشریح

مفتی رشید احمد العلوی

مقدمہ مترجم

تمام تعریفیں اسی ذات کے لئے ہیں جو تعریفوں کا پیدا کرنے والا ہے اور یہ تعریفیں اسی ذات بے مثل سے شروع ہو کر اسی پر منتہی ہو جاتی ہیں؛ اور بے شمار رحمتیں اور برکتیں اس کی طرف سے بھیجے گئے آخری رسول کے لئے مختص ہو کر اہل دنیا کے لئے آرام اور راحت کا باعث ہوں، جو اس عارضی دنیا میں امن و آشتی کا دائمی پیغام لے کر عارضی قیام کے لئے وارد ہوئے؛ مگر اہل دنیا کو دائمی مسرتوں، خوشیوں، لذتوں کا رہرو بنا گئے، اور آپ کی پاکباز روز قیامت تک جاری رہنے والی آل دنیا اور اہل دنیا کے لئے چراغ ہدایت آپ کے اصحاب کرام؛ دنیاوی زیب و زینت کا باعث آپکے اہل بیت؛ اور آپ کی نجی زندگی کے امین اور عام لوگوں کے لئے زندگی میں تعلیم و تعلم کے گلہائے گوہر فشاں امہات المؤمنین، نور نبوت کی پوری کائنات میں بکھری ہوئی کرنوں کو اپنے دامن میں سمیٹے اہل دنیا کی نئے انداز سے شیرازہ بندی کرنے والے ائمہ مجتہدین؛ اور ان میں خاص اور اماموں کے سردار مقامِ اجتہاد میں اولیں اور مصداق بشارت سید المرسلین حضرت امام الائمۃ سراج الامۃ ابوحنیفہ نعمان بن الثابت الکوفی الکابلی، جن کی ہر رائے کتاب اللہ تعالیٰ وسنت نبویہ علیہ التحیۃ والثناء کے منوال پر پوری اتری ہوئی ہے؛ اور قیامت تک اخلاص کے ساتھ آپ کی اتباع کرنے والوں پر لاتعداد رحمتیں اس ذات کی طرف سے نازل ہوں؛ جس کے خزانوں میں اس ساری تقسیم کے بعد بھی رائی کے دانے برابر کمی واقع نہیں ہوتی۔

امام اعظم ابوحنیفہ اپنے زمانے کے امام الائمہ، اور حدیث نبوی کے مطابق سراج الامہ تھے؛ آپ کی تصانیف کی تعداد تو تیس سے زیادہ ہے مگر امام صاحب سے نقل کی گئی کتاب ﴿الفقہ الاکبر﴾ کے دنیا میں کئی نسخے پائے گئے ہیں؛ بنیادی طور پر اس نام کی دو مختلف کتابیں ہیں: مندرجۂ ذیل میں امام اعظم کے شاگرد ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی کا نقل

کردہ نسخہ کئی راویوں کے ذریعے منقول ہے؛ اوران نسخوں میں قدرے اختلاف بھی ہے؛ لہذا متعدد نسخوں کو سامنے رکھ کر اس نسخے کی تکمیل کی کوشش کی گئی ہے؛ اس میں اگر کوئی اچھائی ہے تو اس نسخہ کے اصل مصنف حضرت امام اعظم، یا محض اللہ تعالیٰ کے دائمی فضل کی وجہ سے ہے اور اگر کوئی کمی یا نقص دیکھنے کو ملے تو بلا کسی بحث وتکرار اس کا ذمے دار یہ عاجز ہے؛

عاذنا الله جلّ وعلا من شرور انفسانا ومن سيّئات اعمالنا حتى نرى ربنا وهو الموفّق و المُعين و آخر دعوانا ان الحمد للّه ربّ العَالِمينَ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد وآله وصحبه اجمعين

یہ نسخہ سعیدیہ ہے جو اس سے قبل حیدر آباد ہندوستان سے مولانا العلامہ المحقق ابوالوفاء رئیس جمعیۃ احیاء المعارف العمانیہ کی تحقیق سے طبع ہوا تھا

سند اوّل: شیخ زاہد الکوثری فرماتے ہیں کہ؛ الفقہ الابسط کو ابوبکر محمد بن محمد الکاسانی سے روایت کیا ہے انہوں نے ابوبکر علاء الدین محمد بن احمد سمرقندی سے انہوں نے ابومعین میمون بن محمد مکحول نسفی سے انہوں نے ابوزکریا یحی بن مطرف نے نصر بن یحی سے اور انہوں نے حکم بن عبداللہ البلخی سے روایت کیا ہے؛

جبکہ متن میں مطبوعہ سند یوں ہے کہ ابوالمعین میمون بن محمّد بن معتمد المکحول النسفیکو؛ ابوعبداللہ حسین بن حسین الکاشغری نے (جو الفضل کے لقب سے معروف ہیں) انکو: ابو مالک نصران بن نصر حمّ الختلی نے ان کو ابوحسین علی بن حسین بن محمّد غزالی نے بیان کیا؛ اور انہوں نے ابوحسین احمد بن موسی فارسی سے؛ اور انہوں نے نصر بن یحی فقیہ سے؛ اور انہوں نے ابومطیع حکم بن عبداللہ البلخی سے سنا کہ: وہ فرماتے ہیں

سند دوم: مصطفٰی (۱۲۱۹ھ) عاشر سے منقول فقہ اکبر کے نسخے پر سند یوں منقول ہے:

یہ منقول ہے حسین بن محمد بن حسین میمی بصری سے، انہوں نے باد طاہر محمد بن ابراہیم

کورنی سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے خیر الدین زملی سے انہوں نے محمد بن سراج عمر حانوتی سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے محبّ محمد جرباش سے انہوں نے ابوالخیر محمد بن محمد رومی سے انہوں نے ابوالفتح محمد بن محمد حریری سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے قوام اتقانی سے انہوں نے حسین سغناقی سے انہوں نے محمد بن محمد بن نصر بخاری سے انہوں نے شمس الائمہ کردری سے انہوں نے صاحب ہدایہ سے انہوں نے ضیاء یرسوخی سے انہوں نے علاء سمرقندی سے انہوں نے ابومعین نسفی سے انہوں نے حسین بن علی کاشغری سے انہوں نے نصران بن نصر ختلی سے انہوں نے علی بن حسین بن محمد غزال سے انہوں نے علی بن احمد فارسی سے انہوں نے نصیر بن یحی سے انہوں نے ابومطیع بلخی سے انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے روایت کی ہے

سند سوم: اور شیخ الاسلام سے عالم و متعلم پر ایک سند اور مذکور ہے جو ابومعین بن محمد نسفی اسی سند کے ساتھ اپنے والد سے اور انہوں نے عبدالکریم بن موسی بزدوی سے انہوں نے ابو منصور ماتریدی سے انہوں نے احمد بن اسحاق جوزجانی سے انہوں نے ابوسلیمان جوزجانی سے انہوں نے محمد بن مقاتل رازی سے اور آخری دونوں نے ابومطیع بلخی اور عصام بن یوسف سے ان دونوں نے ابومقاتل سے انہوں نے امام اعظم سے روایت نقل کی ہے:

باب اول :

علم فقہ کی اہمیت وعظمت کا بیان

(ا) ابو مطیع بلخی فرماتے ہیں:

میں نے امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت سے پوچھا کہ فقہ اکبر کا مطلب کیا ہے اور یہ کس فن کو کہتے ہیں؟

امام اعظم نے فرمایا:

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں خواہ وہ ابتداءً ہوں یا انتہاءً؛ ظاہراً ہوں یا باطناً اور توحید کے لحاظ سے ہوں یا بزرگی وعظمت کے لحاظ سے، اور عقیدہ کے لحاظ سے یا حقیقت کے لحاظ سے؛ یا تشریعی اصولوں کے لحاظ سے ہوں، یہ سب کی سب تعریفیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہی سزاوار ہیں۔

اور تمام تعریفیں اسی اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو بندوں کے تصور وخیال سے بھی پہلے تعریفات کا مستحق ہے اور درود وسلام ہوں ہمارے آقا ومولا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آلؓ پر۔

اور فرمایا: فقہ اکبر اس کو کہتے ہیں کہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کسی شخص کو کافر نہ کہا جائیگا؛ اور نہ ہی ارتکاب گناہ کی وجہ سے کسی شخص کے ایمان کی اس سے نفی کی جائے گی۔

اور یہ کہ اچھے کاموں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنے کو لازم پکڑا جائے۔

اور اس بات پر یقین رکھا جائے کہ اگر کسی شخص کے مقدر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ پہنچنا ہے وہ چوک نہیں سکتا (غلط نہیں ہوسکتا) اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع کر دیا جائے وہ کبھی بندے کو نہیں مل سکتا۔

اور ہم اصحاب پیغمبرؐ میں سے کسی سے بھی برائت کا اعلان نہیں کرتے اور ان سے دل وجان سے راضی ہیں اور نہ ہی ہم ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتے۔

اور ہم حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں کیونکہ وہی ذات ہے جو مخفی اور پوشیدہ احوال کو جانتی ہے۔

شیخ کوثری فرماتے ہیں یہاں فقہ سے مراد ایسا علم ہے جس کو علم عقائد کہتے ہیں اور وہ عقائد کی تصحیح کا ذریعہ بنے جو ایسا علم ہوگا وہ امام اعظم کے نزدیک افضل فقہ قرار دیا جائے گا، ورنہ فقہ سے مراد امام اعظم کے نزدیک ایسا علم ہے جو پورے عقائد، سارے عمل اور اخلاقیات تینوں کو شامل ہوتا ہے، اسی لئے تو فقہ کی تعریف بہت خوبصورت پیرائے میں یوں فرمائی ہے۔

هو معرفة النفس مالها وما عليها

علم فقہ نفس اور لوازمات نفس کے تقاضوں کا نام ہے۔

باب دوم:

فقاہت اور دانائی اور اس کی حقیقت

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

کہ فقہ اور دانائی دو طرح کی ہوتی ہے

(۱) دینی معاملات میں فقاہت اور دانائی حاصل کرنا۔

(۲) احکام شرعیہ فرعیہ میں فقاہت اور دانائی حاصل کرنا۔

اور ان میں اول الذکر زیادہ نفع بخش اور سودمند ہے کیونکہ اس سے آدمی یہ جان لیتا ہے کہ اپنے پروردگار کی عبادت کیسے کرے اور اس کا قرب کیسے حاصل کرے، جب کہ شریعت کا علم زیادہ حاصل کرنے سے صرف زیادہ معلومات جمع ہوسکتی ہیں۔

(۲) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آپ یہ فرمائیں سب سے زیادہ نفع مند فقاہت و دانائی کس کو کہتے ہیں؟

امام اعظم نے فرمایا:

دانائی اور فقاہت کی اصل حقیقت تو یہ ہے کہ انسان صاحب ایمان (fatheful) ہو اور عالم بالایمان بھی ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ شریعت کا لازمی اور بقدر ضرورت علم بھی رکھتا ہو، اور اس کی شرعی حدود سے مکمل آگاہی بھی ہو (جس سے حلال حرام، جائز ناجائز، پاک اور ناپاک سے آگاہ ہوجائے) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے لئے جو راہ سنت متعین کی ہے اس سے بھی آگاہ ہو، تاکہ اس کو دین کی پیروی کرنے میں کوئی دشواری نہ پیش آئے اور ہر متبع دین کو دین کی حدود اور نبی علیہ السلام کا سنت طریقہ معلوم ہوسکے؛

اور سب سے اہم بات یہ کہ آئمہ امتؒ کے اختلافی مسائل کا علم بھی اس کو ہوتا ہے کہ کسی نئے پیش آمدہ حالات میں ان مسائل سے صحیح رہنمائی حاصل کی جاسکے اور ان کے آپس میں اختلافات کی وجہ سے ان کے بارے میں کسی قسم کی بدگمانی سے بچا جاسکے۔ کیونکہ فرمایا گیا ہے:

اختلاف الامة رحمة

اُمت کا مسائل دینیہ میں آپس کا اختلاف اللہ تعالیٰ کی رحمت کا موجب ہوتا ہے۔

حضرت امام اعظم نے فقاہت کی عظمت بیان کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بھی نقل فرمائی ہے۔

آپ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد کے ساتھ حج بیت اللہ کیا جب کہ میری عمر سولہ سال کی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس وقت میری عمر دس سال کی تھی۔ جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا اور میں نے ایک بہت بڑا لوگوں کا حلقہ دیکھا، اور ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ میں نے ایک شیخ کو دیکھا جس کے پاس بہت سارے لوگ جمع تھے۔

میں نے اپنے والد سے پوچھا یہ شیخ کون ہیں یا یہ کس کا حلقہ علمی ہے؟

انہوں نے فرمایا: یہ ایک ایسے شخص کا علمی حلقہ ہے جو صحابی رسول کے شرف سے بار یاب ہیں اور ان کا اسم گرامی عبداللہ بن حارث بن جزء زبیدی ہے

میں نے پوچھا: ان کے پاس کونسا علم ہے؟

انہوں نے جواب دیا کہ نبی علیہ السلام کی وہ احادیث ہیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہوئی ہیں۔

میں نے اپنے والد سے کہا مجھے بھی ان کے قریب کردیں تاکہ میں بھی ان سے وہ احادیث سن لوں؟

میرے والد نے مجھے صحابی رسول کے قریب کرنا شروع کیا اور درمیان میں جو لوگ

آتے تھے انکو ہٹاتے جاتے تھے یہاں تک کہ میں ان کے بالکل قریب ہو گیا۔

جب میں ان کے قریب ہوا تو میں نے ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں نے ان سے سنا۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ کے دین میں فقاہت حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے غموں میں اس کے لئے کافی ہو جاتے ہیں، اور اس کو وہاں سے رزق دیتے ہیں جہاں سے ان کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ جامع المسانید

باب سوم:

ایمان کی حقیقت اور اس کی علامات

(۳) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آپ مجھے ایمان کی اہمیت کے بارے میں کچھ بتایئے؟

امام اعظم نے فرمایا:

حدیث اوّل:

مجھے علقمہ نے یحییٰ بن یعمر سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ میں نے ایک بار حضرت ابن عمرؓ سے کہا تھا:

مجھے دین کے بارے میں بتائیں اس کی کیا حقیقت ہے؟

ابن عمرؓ نے فرمایا: آپ پر ایمان سے متعلقہ ضروری باتیں سیکھنا لازم ہے اور جب تم انکو سیکھ لوگے تو تمہیں پتہ چلے گا کہ دین اور ایمان کی کیا حقیقت ہے یا ایمان کی اصل کیا چیزیں ہیں؟

یحییٰ ابن یعمرؒ فرماتے ہیں میں نے پوچھا ایمان کی حقیقت کیا ہے؟

وہ فرماتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے اس کا جواب دینے سے پہلے میرا ہاتھ پکڑا اور ایک عمر رسیدہ بزرگ آدمی کے پاس لے گئے اور مجھے ان کی ایک طرف بٹھادیا۔

اور وہ ان سے کہنے لگے کہ یہ شخص ایمان کی حقیقت کے بارے میں دریافت کرنا چاہتا ہے؟

حضرت ابن عمرؓ نے بتایا کہ: یہ شیخ بھی شرکائے غزوہ بدر میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جانب میں تھا اور یہ بزگ دوسری جانب میرے ساتھ تھے؟

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ہمارے پاس ایک ایسا شخص داخل ہوا جس کے خوبصورت لمبے بال؛ سر پر عمامہ باندھے ہوئے تھا، ہم یہ سوچ رہے تھے کہ وہ اجنبی شخص کسی دیہات سے آیا ہوگا کیونکہ اس کو ہم میں سے کوئی نہیں جانتا تھا، وہ لوگوں کے کندھے پھلانگتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا بیٹھا اور کہنے لگا؛

نو وارد: یا رسول اللہ ایمان کی کیا حقیقت ہے؟

حضورؐ: ایمان اس بات کا نام ہے کہ بندہ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں؛ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں؛ اور تمام ملائکہ پر ایمان لانا؛ اس کی طرف سے نازل شدہ کتابوں؛ اس کی طرف سے بھیجے گئے رسولوں ؛اور ہر نیک و بد کے فیصلے کیلئے آخرت کے دن پر؛ اور اچھی بری تقدیر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر ایمان لانا؛

نو وارد: آپ نے سچ فرمایا!

ابن عمرؓ: ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ دیہاتی آدمی ہے خود ہی سوال کر رہا ہے اور خود ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر رہا ہے جیسے یہ سب کچھ جانتا ہے؛

نو وارد: اسلام کی نشانیاں اور اس کے لوازمات کیا ہیں؟

حضورؐ: نے ارشاد فرمایا کہ نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا، اور غسل جنابت کرنا۔

ابن عمر: اس نو وارد نے پھر اس کی تصدیق کی جس کی وجہ سے ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ دیہاتی آدمی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر رہا ہے؛ گویا آپ کو تعلیم دے رہا ہے۔

نو وارد: احسان کیا چیز ہے؟

حضورؐ: احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے عمل (اور ایک روایت کے مطابق

عبادت) ایسے کیا کر جیسے تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، اور اگر ایسے نہیں ہوسکتا تو اس کی عبادت ایسے کیا کر جیسے وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

نو وارد: آپ نے سچ کہا ہے؛ اچھا اب آپ یہ بتائیں کہ قیامت کب آئے گی؟

حضورؐ: نے فرمایا کہ اس کے بارے میں جواب دینے والا سوال کرنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔

ابن عمر: اس کے بعد وہ شخص اٹھا اور چلا گیا؛

جب لوگ اس کی کی طرف متوجہ ہوئے کہ دیکھیں وہ کون شخص ہے لیکن اتنے میں ہی وہ شخص غائب ہو چکا تھا اور کسی کو معلوم نہ ہوسکا کہ وہ کس طرف چلا گیا ہے؟

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی یہ حالت دیکھی کہ اس نو وارد کے بارے میں تجسس کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ جبرئیلؑ تھے جو تمہارے لئے دین کے بنیادی ارکان سکھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف لائے تھے؛

(۴) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

جو شخص اس بات پر مکمل یقین رکھتا ہو اور ایمانیات کی ان تمام باتوں کا اقرار کرتا ہو، تو کیا وہ شخص مؤمن کہلائے گا؟

امام اعظم نے فرمایا:

ہاں جب کوئی شخص اسلام کے تمام ارکان کو مانتا ہو ، اور اس کی تمام باتوں کا اقرار کرتا ہو تو وہ پکا مؤمن ہے؛

تخریج حدیث اوّل: حدیث اول بہت سارے محدثین نے نقل فرمائی ہے اور سب میں الفاظ کا تھوڑا بہت فرق ضرور ہے البتہ مفہوم سب کا ایک جیسا ہے۔

اس حدیث کو امام خوارزمی نے اس سند سے نقل کیا ہے، عن حماد عن ابراہیم عن علقمہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ، اور یہاں متن میں امام ابو حنیفہ براہ راست علقمہ سے اور وہ یحیٰ بن یعمر سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث کو بخاری نے اور احمد

نے ابن عمر سے ۔طبرانی نے کبیر میں ،بیہقی نے حیاۃ الانبیاء میں اصفہانی نے ترغیب میں ،دیلمی نے فردوس میں ،محمد نے آثار میں، حصکفی نے مسند میں، بخاری اور بزار نے انس بن مالک سے روایت نقل کی ہے مسلم ترمذی ابوداود نسائی ابن ماجہ نے کہمس سے روایت نقل کی ہے اور امام نے جامع المسانید میں سعید بن منصور نے طبرانی ،ترمذی ، ابونعیم نے الحلیہ میں ،نسائی نے سنن کبری میں ابی یعلی نے مسند میں ،احمد نے تعظیم قدر الصلوۃ میں تاریخ واسط میں حلیۃ الاولیاء میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

نوٹ: احسان کو قرآن کریم میں تزکیہ؛ احادیث میں زہد؛ یا اخلاص اور ائمہ تصوف اسی کو تصوف کہتے ہیں؛ اوراس کا نتیجہ یا اثر جو انسان کی طبیعت میں پیدا ہوتا ہے وہ حدیث مذکورہ میں پتہ چلتا ہے کہ اس سے دنیا میں انسان کے اندر وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے آخرت میں رؤیت باری حاصل ہوتی ہے؛ شیخ کوثری کو کہنا ہے کہ اس حدیث جبریل کے متعدد طرق جو معمولی الفاظ کے فرق سے امام اعظم سے ان کی مسانید وغیرہ میں منقول ہیں۔

نوٹ: امام ابومطیع کی طرف سے کیے گئے سوال کے جواب سے معلوم ہوا کہ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ایمان کے صرف دو ارکان ہیں (۱) زبان سے اقرار کرنا (۲) اور دل سے تصدیق سے کرنا۔اور ضروری ہے کہ یہ دونوں چیزیں یک بارگی اور اکٹھی ہوں، ان کی تقدیم و تاخیر یا ایک کی عدم موجودگی اور دوسری کی موجودگی ایمان کی صحیح کو معنوں میں موجودگی میں خلل کا باعث ہوگی؛ اور رہا یہ مسئلہ کہ عمل ایمان کا حصہ ہے یا نہیں اس میں ائمہ اہل السنّت میں اختلاف ہے اس بارے میں حضرت امام صاحب کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ عمل کو ایمان کا جزو نہیں مانتے اور یہی رائے ائمہ اہل السنّت ماتریدیہ کی ہے اور یہی حق ہے۔

باب چہارم:

عقائد سے لاعلمی، جہالت یا اس میں شک، تاویل کا قائل ہونا

(۵) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص ایمانیات کی کسی چیز کا انکار کرے یا کسی چیز کے بنانے والے کے بارے میں لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے کہے کہ میں نہیں جانتا اس کا خالق کون ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

امام اعظم نے فرمایا:

وہ شخص کافر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

اللہ خالقُ کلّ شیءٍ (الزمر:۶۱)

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پیدا کرنے والے ہیں

اور اس شخص کی لاعلمی کا مطلب یہ ہے کہ وہ یوں کہہ رہا ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور بھی خالق ہے اور یہ بات صریحاً کفر ہے؛ اور اس طرح کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم میں واضح طور پر بیان کی گئی باتوں کا انکار کر رہا ہے، جیسا کہ سورۂ زمر کے حوالے سے اوپر ایک آیت مذکور ہوئی ہے۔

اور اسی طرح اس شخص کا حکم ہے جو یہ بات کہے کہ میں نہیں جانتا اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر نماز، روزہ اور زکوۃ، فرض کی ہیں؟ وہ بھی کافر ہو جائے گا کیونکہ یہ فرائض اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم میں بیان کر دیئے گئے ہیں، اور کسی بھی ایسے منصوص عمل کا انکار کرنا کفر ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

اقیموا الصلوۃ و آتوا الزّکوۃ (الحج:۷۷)

تم سب لوگ نماز قائم کیا کرو اور زکوۃ ادا کرتے رہا کرو

اللہ تعالیٰ کا رمضان کے روزوں کے بارے میں ارشاد ہے:

کتب علیکم الصیام (البقرۃ:۱۸۳)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم سب لوگوں پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحَمْدُ فِی السّمٰوَاتِ والاَرضِ وَعَشِیّاً وَحِیْنَ تُظْھِرُوْنَ (الروم:۱۷)

تو تم اللہ کی پاکیزگی بیان کیا کرو جب شام کا وقت ہو اور صبح کا وقت ہو، اور اسی کے لئے ساری حمد ہوتی ہے تمام آسمانوں اور تمام زمینوں میں، اور اسی کے لئے تمام تعریفیں ہوتی ہیں جب شام کا وقت ہوتا ہے اور جب دوپہر ہوتی ہے

اور جو شخص پانچ نمازوں کے فرض ہونے (۱) میں شک کرنے کی بناء پر ان کا رکر رہا ہے اس لئے وہ کافر ہے۔

(۶) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ان مذکورہ آیات پر تو کامل ایمان رکھتا ہوں مگر اس کی تفسیر اور تاویل کو اچھی طرح نہیں جانتا، تو اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

امام اعظم نے فرمایا:

ایسے شخص کو کافر نہیں کہا جائے گا، کیونکہ وہ ان آیات کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے پر ایمان رکھتا ہے اگرچہ وہ ان کی تاویل اور تفسیر میں غلطی کرنے والا ہے۔

(۱) نوٹ: پانچ نمازوں کا تذکرہ قرآن کریم میں اگرچہ صراحتاً اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا مگر مختلف آیات میں سے اس کا ثبوت مل جاتا ہے اور ایک آیت تو اپنے مفہوم میں بڑی واضح

ہےاور پانچ نمازوں کے ثبوت میں بڑی واضح ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حافظوا علی الصلواۃ والصلوۃ الوسطیٰ (البقرۃ)

تمام نمازوں کی حفاظت کرواوران میں خاص طور سے درمیانی نماز کی حفاظت کرو

اس آیت کے مفہوم کو صحیح طور سے سمجھنے اوراس سے پانچ نمازوں کے ثبوت کے لئے پہلے تین ضابطے جاننا ضروری ہے

پہلا ضابطہ: یہاں ابتدائے آیت میں لفظ ﴿صلواۃ﴾ جمع ہےاورعربی زبان میں جمع کا لفظ کم ازکم تین افراد کے لئے بولا جاتا ہے؛ لہٰذا اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ﴿الصلوٰۃ الوسطیٰ﴾ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے اوپراتنی نمازیں فرض ہیں جن کی مقدار کم ازکم تین ہے؛

دوسرا ضابطہ: الصلوٰۃ الوسطیٰ کے علاوہ باقی نمازیں مجموعی طور پر جفت ہونی چاہئے؛ کیونکہ عدد جفت دو برابر حصوں میں تقسیم ہوکر دوحصوں میں تقسیم ہوجاتا ہے؛اوران دونوں حصوں کے درمیاں میں ﴿الصلوٰۃ الوسطیٰ﴾ کورکھنے سے آیت کا مفہوم پورا ہوجاتا ہے؛ کیونکہ اگر یہاں تین نمازیں ہوں جوکم ازکم جمع کے لئے ضروری ہے توان کا درمیان کوئی نہیں ہوتااوراگر درمیان بنائیں ایک ایک طرف اورایک دوسری طرف توباقی نمازوں کی تعداد جمع نہیں رہتی بلکہ صرف دوباقی رہ جاتی ہےاوراس پرصیغہ جمع کا اطلاق نہیں ہوسکتااوراگرکل فرض نمازوں کی تعداد چار سمجھی جائےتواس صورت میں ﴿الصلوٰۃ الوسطیٰ﴾ کوئی نماز نہیں رہتی کیونکہ دوحصے برابر ہوجاتے ہیں اوردوعدد کادرمیان نہیں ہوتالہٰذاضروری ہے کہ یہ کل طاق عدد ہوں تاکہ ان کودوبرابر حصوں میں تقسیم کرنے سے ﴿الصلوٰۃ الوسطیٰ﴾ باقی بچ جائے؛

تیسرا ضابطہ: الصلوٰۃ الوسطیٰ نکال کر باقی اتنی نمازیں انسان کے ذمے واجب الاداء ہونی چاہئیں کہ ان پرصیغہ جمع کااطلاق ہوسکے اور ﴿الصلوٰۃ الوسطیٰ﴾ اپنی جگہ وسطی ہی رہے؛اوریہ کم ازکم پانچ کاعدد ہے کیونکہ اگرنمازوں کی اس سے زیادہ تعداد میں یہ ضابطہ پوراہوتا ہوتو وہ ہمارا مقصوداصلی نہیں ہے۔مزید تفصیل کے لئے احکام القرآن لجصاص"

ملاحظہ فرمائیں۔

اجماع امت: اور پوری امت کا اجماع بھی پانچ نمازوں کی فرضیت پر ہے؛ اس سے زیادہ فرائض کا کوئی شخص قائل نہیں ہوا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سے زیادہ فرض نمازوں کی تاکید ملتی ہے

اعتراض: اگر یہ کہا جائے کہ یہاں ﴿والصلوۃ الوسطی﴾ میں (و) جمع کے لئے ہے؟

جواب: اس صورت میں ﴿الصلوۃ الوسطی﴾ کا مفہوم واضح نہیں ہوتا؛ کیونکہ صلوٰۃ جمع میں سے ایک نماز وسطی بھی معلوم ہوجاتی ہے اور وہ تین یا چار نمازوں میں سے بھی ہوسکتی ہے ،البتہ یہاں (و) ترتیب کے لئے ہے اس صورت میں اس آیت کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے۔ یعنی لفظ صلوٰۃ جمع میں وسطی کو جمع کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں یہ صلوٰۃ کا لفظ جمع ہی رہے گا، مفرد یا تثنیہ نہ بنے گا اور یہ ہی اس بحث میں ہمارا مقصود اصلی ہے؛ اسی بناء پر کہا گیا کہ پانچ نمازوں کا انکار کفر ہے۔

باب پنجم:

دارالحرب یا دارالکفر میں ایمان لانے کا حکم

(۷) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص دار الحرب میں قیام رکھتے ہوئے ایمانیات کی تمام باتوں کا اقرار کرے، البتہ فرائض اسلامیہ، اور احکامات شرعیہ سے بالکل ناواقف ہو، اور نہ ہی کتاب اللہ کے احکامات میں سے کچھ جانتا ہو، اور نہ ہی ایمان کے لوازمات کو جانتا ہو؛ البتہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس پر ایمان کا اقرار کرتا ہو، اگر ایسا شخص مرجائے تو کیا وہ مؤمن ہو گا یا نہیں؟

امام اعظم نے فرمایا:

ہاں وہ مؤمن ہی ہوگا کیونکہ اس نے اقرار اور تصدیق کی ہے۔

(۸) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

میں نے کہا کہ نہ تو اسنے علم حاصل کیا اور نہ عمل کیا، سوائے اس کے کہ ایمان کا اقرار کیا ہے، اگر وہ مرگیا کیا پھر بھی مؤمن ہے؟

امام اعظم نے فرمایا: ہاں بالکل وہ مؤمن ہے۔

خلاصۂ مباحث ایمان

(۹) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

میں نے امام ابوحنیفہ سے سوال کیا کہ مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے؟

امام اعظم نے فرمایا:

ایمان یہ ہے کہ: تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کے بارے میں گواہی دے اور اس کی کتابوں کے بارے میں؛ اس کے رسولوں کے بارے میں اس جنت اور دوزخ کے بارے میں ؛ قیامت کے دن کے بارے میں؛ اور ہر اچھی اور بری چیز کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے کی گواہی دینا ایمان کی بنیادی باتیں ہیں۔

اس موضوع کی تشریح میں امام ابواللیث سمرقندی فرماتے ہیں:

جان لو! کہ ایمان کی تکمیل کے دو اعضاء ہیں دل اور زبان کیونکہ جو شخص دل سے یہ پہچانتا ہے کہ اللہ ایک ہے، مگر زبان سے اقرار نہیں کرتا ہے وہ شخص کافر ہے اور جو شخص زبان سے تو اقرار کرتا ہے مگر دل سے تصدیق نہیں کرتا وہ منافق ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ ایمان لانا صرف دل کا معاملہ ہے زبان کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے وہ شخص فرقہ کرامیہ سے تعلق رکھتا ہے؛ تفصیل اس اجمال کی امام صاحب کی کتاب الوصیہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے:

حقیقت ایمان کے بارے میں اختلاف

اور لوگوں میں ایمان اور عمل کے بارے میں اختلاف ہوا ہے:

(۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایمان زبان سے اقرار، دل سے تصدیق اور اعضاء سے اعمال کے ہونے کا نام ہے اور یہ رائے اہل بدعت کی ہے

(۲) بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ ایمان دل سے تصدیق کا نام ہے اور وہ لوگ کہتے

ہیں کہ زبان سے اقرار کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے، یہ فرقہ جہمیہ اور اہل تجسیم (مجسمہ) اور اس دور کے بعض جاہل صوفیاء کی رائے ہے

(۳) اور اس بارے میں درست ترین رائے یہ ہے کہ: خالی زبان سے اقرار جس میں دل کی تصدیق شامل نہ ہو منافقت ہے؛ اور اس کے برعکس خالی دل کی تصدیق جس میں زبان کا اقرار نہ ہو کفر ہے؛ جبکہ دونوں رکن یعنی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار، ایمان کی صحیح شکل ہے۔

اس کی مثال یوں ہے کہ جسے چتکبرا گھوڑا ہوتا ہے؛ کیونکہ اگر گھوڑا سفید ہو تو اس کو سفید (اشعب) کہتے ہیں اگر سیاہ ہو اس کو سیاہ (ادھم) کہتے ہیں اور اگر اس میں سفیدی اور سیاہی دونوں ہوں اس کو (ابلق) یعنی چتکبرا کہتے ہیں؛ اور اسی طرح یہاں ایمان کی صورت حال ہے کہ زبان سے اقرار، دل کی تصدیق کے بغیر نفاق ہے؛ دل سے تصدیق ہو یا نہ ہو زبان سے اقرار نہ ہو تو کفر ہے؛ زبان سے اقرار دل سے تصدیق دونوں ہوں تو ایمان ہے؛

ایمان کی کامل تعریف: یہ ہے کہ آدمی اپنی زبان سے ایسا اقرار اور دل سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق کرے کہ اللہ تعالیٰ ایک اکیلا وحدہ لاشریک ہے؛ اس کی کیفیت جانی نہیں جاسکتی؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام کی مناجات کے جواب میں فرمایا کہ: اے موسیٰ دو باتیں تو جان سکتا ہے اور دو باتیں نہیں جان سکتا،

(۱) تو یہ جان سکتا ہے کہ: میں معبود برحق ہوں مگر میری کیفیت کو تو نہیں جان سکتا

(۲) تو یہ جان سکتا ہے کہ: میں رزاق ہوں مگر تو یہ نہیں جان سکتا کہ کہاں سے اور کیوں رزق دیتا ہوں۔

یہ تفصیل بات کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

شیخ کوثری 'ارض اہل شرک' سے مراد یہ لیتے ہیں اہل شرک کا ایسا علاقہ جہاں ابھی تک دعوت توحید نہ پہنچی ہو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کے لئے تو عقلی دلیل کافی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ان الله لایغفر اَن یُشرک به

بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو معاف نہیں کرے گا جس نے اس کے ساتھ شرک کیا۔

مراد اس آیت سے یہ ہے کہ اس حکم ربانی میں کوئی زمانی یا مکانی قید نہیں لگائی گئی اور یہ ایک بین الاقوامی اور دائمی صداقت ہے اس کا خلاف کبھی بھی قابل قبول نہ ہوگا اور جہاں تک مسئلہ احکام شرعیہ کا ہے اس کے بارے میں ہم یہ کہیں گے کہ جس شخص کو وہ احکامات ملے ہوں اس نے اگر ان کے موافق عمل نہ کیا وہ اس کی سزا کا مستحق ہے اور جس کو وہ احکامات نہیں ملے اس کی کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔

باب ششم:

اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت کا بیان

امام اعظم نے فرمایا:

تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ نے اعمال کسی کے سپرد نہیں کیئے کہ جو چاہیں کرتے پھریں کوئی ان سے پوچھنے والا نہ ہو۔ بلکہ تمام لوگ اپنے تخلیقی مقصد کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں اور ہر شخص تقدیر کی طرف سے جاری کیئے گئے پروگرام کے پورا کرنے میں لگا ہوا ہے۔

(۱۰) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص ان تمام باتوں کا اقرار کرے لیکن وہ یہ کہے کہ مشیت اور مرضی میری ہی چلتی ہے اگر میں چاہوں ایمان لاؤں اور اگر نہ چاہوں تو ایمان نہ لاؤں اور وہ اپنے اس دعوے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول پیش کرے:

فَمَنشَآء فَلیُؤمِن وَمَن شَآء فَلیَکفُر (الکھف:۲۹)

بس تم میں سے جو شخص چاہے وہ ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرلے

تو ہم اس شخص کے استدلال کا کیا جواب دیں گے؟

امام اعظم نے فرمایا:

یہ شخص اپنی سوچ میں جھوٹا ہے۔ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا:

کَلّاانَّهٗ تذکرة فمَن شاء ذَکرہ وَمایَذکُرونَ الاّاَن یَّشَآء الله

(المدثر:۵۶۴)

یادرکھو! بے شک یہ نصیحت کہ بات ہے، بس جو شخص چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے اور اس کا فائدہ اسی کو ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَاتشَاؤنَ اِلاَّاَن یّشَاء الله (التکویر:۲۵)

جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے وہی ہوتا ہے، تمہاری چاہت کسی کے کام نہیں آتی ہے۔

اعتراض کا جواب:

اوران کا مندرجہ بالا استدلال جوانہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

فمن شاء فلیؤمن و من شاء فلیکفر (الکھف:۲۹)

بس تم میں سے جو شخص چاہے وہ ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کر لے

سے اخذ کیا تھا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو وعید اور ڈراوا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری دنیا سے مستغنی ہیں ان کو کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفاز کو کفر اختیار کرنے کی اجازت دے دی ہے؛

اوراسی بناء پر اس مذکورہ شخص کو کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس نے قرآن کریم کی اس آیت کورد نہیں کیا البتہ اس کی تفسیر اور تاویل میں اس کو غلطی لگی ہے، اور وہ درست مفہوم تک رسائی حاصل نہیں کرسکا۔

(۱۱) ابومطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھ پر جو مصیبت آتی ہے وہ میرے اپنے شامت اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے اس کا اللہ کی طرف سے ہونے کا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی اللہ نے مجھے اس میں مبتلاء کیا ہے تو کیا اس قسم کی سوچ رکھنے والے شخص کافر کو کہا جائے گا یا نہیں؟

امام اعظم نے فرمایا: اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔

(۱۲) ابومطیع بلخی نے پوچھا: آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

امام اعظم نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مااَصَابَکم مِن حَسنة فَبِما کسبَت اَیدِیکُم (الشوری:۳۰)

جس شخص کو بھی کو مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے یا تمہارے اپنے گناہوں کی شامت اعمال ہوتی ہے

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

مَا اَصَابکَ مِن حَسَنۃ فَمِن اللہِ وَمَا اَصَابکَ مِن سَیئَۃ فَمِن نَفسِکَ (النساء:۷۹)

ہر وہ مصیبت جو اچھائی کی شکل میں تم پر آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے؛ اور وہ مصیبت جو برائی کی صورت میں ہوتی ہے وہ تمہارے اپنے گناہوں کا وبال ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے مقدر کرنے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔

(۱۳) ابو مطیع بلخی نے پوچھا: تو وہ آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے رشاد فرمایا:

یضِلُ اللہ مَن یَشَاء وَیھدِی مَن یَشَاءُ (المدثر:۳۱)

اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے؛ اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے۔

اس کا کیا مطلب ہوگا؟

امام اعظم نے فرمایا: یہ بات اپنی جگہ درست ہے، مگر تعبیر اور تاویل کی غلطی اور اس کا درست مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔

(۱۴) ابو مطیع بلخی نے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب ہے:

اِن اللہ یَحُولُ بَینَ المَرأ وَ قَلبِہ (الانفال:۲۴)

اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دلوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے

امام اعظم نے فرمایا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمن اور کفر کے درمیان اور کافر اور ایمان کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں اور جو عمل اللہ تعالیٰ بندے کو نہ کرنے دینا چاہتے ہوں اس سے روک دیتے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ مؤمن کو کفر اختیار نہیں کرنے دیتے اور کافر کو ایمان نہیں قبول کرنے دیتے۔

نوٹ: اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ولا یحیق المکرُ السّیءِ الا باَھله

برائی کرنے والے کی طرف اس کی برائی چلائی جائے گی

شیخ کوثری: اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں

ذات حکیم و خبیر کا منشا اور مقتضیٰ یہ ہے کہ اس نے بندوں کو جن احکامات کے عمل کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے، ان میں ان کو آزاد چاہت اور اختیار کے ساتھ پیدا کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ازلی مشیت بھی ان افعال کو شامل ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت انکو آزاد یا خودمختاری کے حکم سے خارج نہیں کر دیتی ورنہ اشیا کی حقیقت ہی سرے سے بدل جاتی اور ایسا ہونا مشکل ہے ، اور اللہ تعالیٰ کے بہت سارے احکامات ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ بندے کی آزادی کو بھی بیان کر رہے ہیں اور دونوں میں کوئی چیز مانع نہیں ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

لایکلف الله نفسا الا وسعها

نہیں مکلّف بنایا جاتا کسی انسان کو مگر اسی کی طاقت و وسعت کے مطابق

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وما تشاؤون الاان یشاء الله

اور نہیں کوئی چاہت سوائے اللہ تعالیٰ کی چاہت ہے

اور یہ نصوص کو جمع کر کے ان کے مطابق عمل کرنے کا طریقہ ہے

اور اسی طرح امام اعظم سے زید بن علی شہید نے سوال کیا تھا:

سوال: کیا اللہ تعالیٰ نے ہی ہمارے لئے گناہ مقدر کیا تھا؟

جواب: تو کیا کوئی انسان جبرا بھی گناہ کا ارتکاب کر سکتا ہے، یعنی کیا جبرا بھی کوئی گناہ، گناہ ہی ہوتا ہے بلکہ وہ تو جبر ہے؟۔

اللہ تعالیٰ کی تقدیر اس کی مشیت اور اس کا علم ان سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس میں بھی تقدیر اور مشیت باری اللہ تعالیٰ کے علم میں مندرج ہو جاتے ہیں:

باب ہفتم:

توفیقِ عمل، وقوعِ عمل میں توافق

نسخہ دکنیہ مطبوعہ حیدآباددکن: میں عبارت یوں منقول ہے:

امام اعظم نے فرمایا:

بے شک وہ استطاعت اور طاقت جس کے ذریعے انسان گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے یہ وہی استطاعت ہوتی ہے جس کو اطاعت خدا کی بجاآوری کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے؛ ہر آدمی سے اللہ تعالیٰ اسی استطاعت کے استعمال پر پوچھ گچھ کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت بندوں میں پیدا کر کے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کو استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا راستہ اختیار کریں، نہ کہ گناہ اور نافرمانی کے کام سرانجام دیں، اور اگر کوئی انسان گناہ کے کام کرے گا تو اس گناہ کا بدلہ اسی کے کرنے والے کو ملے گا ، نہ کہ اس گناہ کے عمل کو استطاعت کی طرف منسوب کیا جائے گا؛

اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ عمل کی انجام دہی کی طاقت، عمل کے ساتھ ہی ہوتی ہے نہ عمل سے پہلے اور نہ ہی عمل کی انجام دہی کے بعد اس لئے کہ عمل کا ہر ہر جز استطاعت کے ساتھ جڑا ہوا ہے جب عمل کرنے کی طاقت ملتی ہے تو انسان سے وہ عمل صادر ہوتا ہے؛

نسخہ حسینیہ مطبوعہ حیدرآباددکن: میں حضرت امام اعظم سے عبارت یوں منقول ہے:۔

ہر شخص کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ فعل کے صادر ہونے کی توفیق دونوں طرف سے برابر ہے نہ فعل سے پہلے ہے اور نہ فعل کے صادر ہونے کے بعد؛ اب جو شخص یہ کہے کہ توفیق عمل، وقوع عمل سے پہلے ہوتی ہے وہ فرقۂ جبریہ سے تعلق رکھتا ہے؛ اور جو یہ کہتا ہے کہ عمل کا صادر ہونا پہلے ہوتا ہے اور اس عمل کی توفیق بعد میں حاصل ہوتی ہے وہ فرقۂ قدریہ

سے تعلق رکھتا ہے؛

(۱۵) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ارتکاب گناہ کو کیوں لازم کرتے ہیں اور پھر اس بناء پر ان کو سزا بھی دیتے ہیں یہ تو سراسر زیادتی ہے، ایسے شخص کو کیا جواب دیا جائے گا؟

امام اعظم نے فرمایا:

اس کو جواب دیتے ہوئے آپ کہیں کہ کیا انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت نہیں دی کہ وہ اپنی ذات کے لئے برائی اور اچھائی یکساں طور پر سر انجام دے سکتا ہے؟

اگر وہ شخص کہے کہ نہیں اور اس نہیں کی وضاحت یوں پیش کرے کہ ہر انسان نفع اور نقصان میں تو مجبور ہے؛ مگر اطاعت اور معصیت میں مجبور نہیں ہے۔

تو آپ اس سے پوچھو کیا شر اور برائی کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے یا کسی اور نے پیدا کیا ہے؟

اگر وہ شخص کہے کہ شر کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے؛ تو اس شخص نے اپنی بات کا خود رد کر دیا ہے کیونکہ اگر شر اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے تو معصیت کا اظہار اسی شر کا نتیجہ ہوتا ہے؛

اور اگر کہے کہ شر اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کی، تو اس اقرار کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کر رہا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ (الفلق: ۱،۲)

اے نبی آپ کہہ دیجئے میں اپنے اس پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں جو صبح کو پیدا کرتا ہے اور اس کی پیدا کردہ ہر چیز کے شر سے بھی اسی کی پناہ میں آتا ہوں۔

(۱۶) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی پوچھے کہ کیا تم یہ نہیں کہتے کہ اللہ کی مشیت میں کفر اور ایمان دونوں شامل ہیں؟

امام اعظم نے فرمایا: ہم کہیں گے کہ ہاں بات تو ایسے ہی ہے۔

سوال: اگر وہ شخص یہ کہے کہ ایسا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا قول تو یہ ہے

هُواَهلُ التَّقوى وَاَهلُ المَغفِرَة (المدثر:۵۶)

وہ اللہ تعالیٰ تقوی کا بھی مالک ہے اور مغفرت کا بھی مالک ہے

جواب: ہم کہیں گے ہاں بات ایسے ہی ہے۔

(۱۷)ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

وہ شخص یہ کہے کہ، کیا وہ کفر کا بھی مالک یا اہل ہے یا نہیں ہے؛ تو ہم اس کو کیا جواب دیں گے؟

امام اعظم نے فرمایا:

اس کو یوں کہنا کہ: اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے اس کو اطاعت نصیب فرمانے کا تو مالک اور اہل ہے مگر جس کے لئے نہیں چاہتا اس کے لئے گناہ اور کفر کا اہل اور مالک نہیں ہوتا ہے۔

نوٹ: امام ابو مطیع کے سوال نمبر: ۱۵ اور اس کے بعد کے کلام میں امام اعظم ان لوگوں کا رد فرما رہے ہیں جن کا خیال ہے کہ خیر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور شر یا برائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتی، اصل میں یہ عقیدہ عیسائیت سے اسلام میں داخل ہوا ہے اور مسلمانوں میں سے متعدد فرقوں نے اس کو اختیار کر کے اہل السنت والجماعت کے راستے سے ہٹ گئے تھے،

اس لئے یہاں اس بات کی مکمل وضاحت فرما دی گئی ہے کہ خیر اور شر دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور خیر و شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی استطاعت ملنے کے بعد بندے سے صادر ہوتے ہیں اسی لئے ہم عقائد کی کتابوں میں اس بات کا اقرار کرتے ہیں:

والقَدرِ خَيرِهٖ وشرِّهٖ منَ الله تَعالى

کہ ہر اچھی اور بری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔(العلوی)

شیخ کوثری کا اس بارے میں یہ کہنا ہے کہ

کہ استطاعت کو کسی سے چھین لیا جانا اس کا مطلب یہ ہے کہ استطاعت اصل میں بندے کے مکلّف بننے میں اصل مدار و محور ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے استطاعت بندے کے ہاتھ میں دے دی ہے لہٰذا اس کے بعد ہم یہ بات کہنے کے مجاز نہیں نہیں ہیں کہ بندہ مجبور محض بنایا گیا ہے اس لئے کہ اس کو استطاعت اعمال میں ہم آزاد مانتے ہیں۔

باب ہشتم:

اللہ تعالیٰ کی قدرت، مشیّت کا بیان

(۱۸) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے کہ ان پر جھوٹ بولا جائے تو ان کو کیا جواب دیا جائے؟

امام اعظم نے فرمایا:

تو اسے کہو کہ کیا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا کلام یا بول چال کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ پر جرأت ہے یا نہیں؟

(۱۹) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر وہ شخص جواب دے کہ ہاں یہ تو اللہ تعالیٰ پر بڑی جرأت کی بات ہے۔

امام اعظم نے فرمایا:

سوال: تو اس سے پوچھو کہ آدمؑ کو تمام اسماء کا علم کس نے دیا تھا؟

جواب: اگر وہ جواب دے کہ اللہ تعالیٰ نے دیا تھا؛

سوال: تو ان سے پوچھو کہ کیا کلمات کفر اسی کلام کا نتیجہ ہوتے ہیں یا کسی اور کلام کی وجہ سے ہوتے ہیں؟

جواب: اگر کہے ہاں اسی کلام کی وجہ سے ہے۔

سوال: تو ان سے پوچھو کہ اچھا یہ بتاؤ کہ کافر کو کفریہ کلام کرنے کی طاقت کون دیتا ہے؟

جواب: اگر وہ شخص کہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہیں؛ تو وہ شخص خود اپنے ہی کلام میں الجھ گیا

ہے، کیونکہ شرکیہ اور کفریہ کلمات بھی بولنے اور کلام کرنے سے پیدا ہوتے ہیں؛ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو اس کو بولنے کی طاقت ہی نہ دیتے۔

(۲۰) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آدمی کی اپنی مرضی ہے چاہے تو کوئی عمل کرے چاہے تو کوئی عمل بھی نہ کرے، اور اگر چاہے تو کچھ کھائے اگر چاہے تو کچھ بھی نہ کھائے؛ اگر چاہے تو کچھ پیئے اگر چاہے تو کچھ بھی نہ پیئے؟

امام اعظم نے فرمایا:

ایسے شخص سے یہ پوچھو کہ کیا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ سمندر پار کر جائیں اور فرعون کے لئے یہ بات مقدر کی کہ وہ غرق ہو جائے؟

(۲۱) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

میں کہتا ہوں کہ کیا فرعون کی قدرت میں یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی تلاش میں نکلے اور اپنے ساتھیوں سمیت غرق نہ ہو؟

امام اعظم نے فرمایا:

اگر وہ لوگ جواب ہاں میں دیں، کہ ہاں اس کو اس بات کی قدرت تھی کہ وہ خود اور اس کے ساتھی غرق ہونے سے بچ جاتے، تو اس طرح کا کلام کر کے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کر رہے ہیں۔

اور اگر وہ لوگ جواب انکار میں دیں کہ فرعون کو اس بات کی قدرت نہیں تھی کہ وہ خود اور اپنے ساتھیوں کو غرق ہونے سے بچالیتا تو وہ اپنی ہی بات کے خلاف بات کر رہے ہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور ذات کی قدرت کے قائل ہو کر شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں ، اور ساتھ ہی اس کا انکار بھی کر رہے ہیں۔

حدیث دوم:

ابو مطیع نے فرمایا:

کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضرت حماد سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم میں سے کسی بھی شخص کی تخلیق اس طرح ہوتی ہے کہ: ہر انسان اس دنیا میں آنے سے پہلے چالیس دن تک نطفہ شکل میں ماں کے پیٹ میں رہتا ہے؛ پھر وہ اتنے ہی عرصہ کی مقدار علقہ (لوتھڑا) بنتا ہے؛ پھر وہ اسی قدر وقت کے بعد مضغہ (مجسم صورت) بن جاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اس کا (۱) رزق (۲) عمر؛ (۳) اور اس کا بدبخت (۴) اور خوش قسمت ہونا لکھتا ہے؛ اور قسم ہے اس ذات کی جس کے بغیر کوئی معبود نہیں آدمی جہنمیوں والے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جہنم اور اس کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی کتاب سبقت لے جاتی ہے؛ اور وہ شخص جنت والا کوئی کام کرتے ہوئے مرجاتا ہے اور جنت کا حق دار بن جاتا ہے؛ اور بعض آدمی جنتیوں والے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر اس پر سبقت لے جاتی ہے اور وہ شخص جہنمی لوگوں والا کوئی کام کرتے ہوئے مرجاتا ہے اور سیدھا جنت میں چلا جاتا ہے۔

تخریج:

اس حدیث کو امام خوارزمی نے امام صاحب سے انہوں نے یزید بن عبدالرحمٰن سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

چالیس راتوں تک نطفہ ہوتا ہے، پھر اس کے بعد چالیس راتوں تک علقہ بن جاتا ہے، اس کے بعد چالیس راتوں تک مضغہ بن جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو تخلیق کے دوسرے دور میں داخل فرماتے ہیں۔

اس دوران ایک فرشتہ اللہ تعالیٰ کے پاس آکر سوال کرتا ہے کہ اے اللہ یہ مذکر ہوگا یا

مؤنث ہوگا، خوش بخت ہوگا یا بد بخت ہوگا، اس کی موت کیسے ہوگی اس کا رزق کیسے اور کتنا ہوگا ،اس کی عمر کتنی ہوگی، جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ملائکہ کو معلوم ہوتا ہے اس کو لکھ دیا جاتا ہے

اور فرمایا: خوش بخت وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے اور بد بخت تو اپنی بدبختی ماں کے پیٹ میں سے لیکر آتا ہے اور ایک روایت میں الفاظ یوں ہیں: زیادہ بد بخت وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ سے بدبختی لے کر پیدا ہوا، اور خوش بخت وہ ہے جو اوروں سے نصیحت حاصل کرتا ہے۔

اس باب میں ایک روایت امام حماد سے بھی منقول ہے لیکن وہ مرسل ہے لیکن اس حدیث کی اسناد صحیح جدا ہیں۔

اس حدیث کو امام طحاوی نے مشکل الحدیث میں اور بخاری نے مسلم نے ابو داود نے ترمذی نے رزین نے اور ابن ماجہ نے اور طیالسی نے اعمش عن زید بن وہب عن ابن مسعود کے طریق سے اور خطابی نے نقل کیا ہے۔

باب نہم:

تقدیر باری اور اَمرِ معروف ونہیِ منکر

(۲۲) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو پہلے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے اور اس عمل کے ذریعہ لوگ اس پر اعتماد کرنے لگیں اور وہ شخص لوگوں میں اعتماد پیدا ہو جانے کے بعد ان لوگوں کو جماعت کے اجتماع کے خلاف بغاوت پر اُکسانے لگے ،اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آیا اس کا یہ عمل جائز ہے؟

امام اعظم: فرمایا کہ اس کا یہ عمل بالکل جائز نہیں۔

(۲۳) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے کاموں کے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور برائی سے روکا ہے اور یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جو ہر شخص کو ادا کرنی لازم ہے؟

امام اعظم: بات تو آپ کی بالکل درست ہے، لیکن امر بالمعروف کے ذریعہ جو فساد وہ لوگ برپا کرنا چاہتے ہیں وہ ان کی اصلاح احوال کی کوشش سے کہیں زیادہ نقصان دہ ہے؛ کیونکہ جب فساد برپا کیا جائے گا تو اس میں خون بہایا جائے گا اور حرام کو حلال جانا جائے گا۔

اس مسئلہ میں ایک طرف تو وہ واجب کی ادائیگی کی کوشش کر رہے ہیں جس کی بناء پر ان کی تعریف کی جانی چاہئے اور دوسری طرف وہ معاشرہ میں فساد کا ذریعہ بن رہے ہیں جس پر ان کی مدد نہیں کی جانی چاہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے کام کرنے والوں کے لئے نہ تو کفر کا فتویٰ دیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان کے فاسد عمل پر جواز کا حکم لگایا جا سکتا ہے؛

اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وان طآئفتان من المؤمنين اقتتلو فاصلحوا بينهما فإن بغت إحدٰهما على الأخرٰى فقاتلوا التي تبغي حتّٰى تفيءَ الى أمر الله

(الحجرات:۹)

اگر مؤمنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان مصالحت کرادو اور اگر ایک جماعت دوسرے پر چڑھائی کردے تو زیادتی کرنے والی جماعت کے خلاف لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود میں واپس آجائیں۔

(۲۴) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کیا ان میں سے باغی گروہ کے ساتھ تلوار سے جنگ کی جائے گی؟

امام اعظم: ہاں ان کو پہلے اچھائی کا حکم دیا جائے گا اور برائی سے روکا جائے گا، اگر وہ لوگ اس طرح نصیحت قبول کرلیں تو بہت بہتر ہے، ورنہ ان سے اس وقت تک لڑائی کی جائے گی تاوقتیکہ بغاوت کا راستہ چھوڑ کر درست عمل اختیار کرلیں اور راہِ عدل پر چلنے والی جماعت سے مل جائیں اور اس سارے طریقہ کار میں امام المسلمین کے ظالم ہونے کی پرواہ نہیں کی جائے گی

حدیث سوم:

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا يضرّكم جورُمَن جار ولا عَدلُ مَن عَدَلَ لكُمْ أجرُكُمْ وعَلَيهِ وِزرُه

ظلم کرنے والے کا ظلم اور حدود سے تجاوز کرنے والے کا اپنی حد سے تجاوز کرنا تمہارے لئے کسی قسم کے نقصان کا باعث نہیں ہوگا۔ اگر تم اچھائی کرو گے تو اللہ تعالیٰ سے اجر پاؤ گے اور ظلم وزیادتی کرنے پر اس کا بدلہ اور سزا کے مستوجب بنو گے۔

حدیث سوم:

امام اعظم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر کوئی شخص دنیا میں ارتکاب گناہ کرتا ہے اور اس کو دنیا میں اگر سزا دے دی جاتی ہے ،تو اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ آخرت میں اس کی سزا نہیں دیتے ،اور اگر کوئی شخص دنیا میں کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ستاری کرتے ہوئے اس کو معاف فرما دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہیں کہ جس گناہ کو وہ معاف فرما دیں اس کی آخرت میں دوبارہ اس کو سزا دیں اس کو خوارزمی نے نقل کیا ہے۔

نوٹ: اہل السنّت والجماعت کے نزدیک امام المسلمین یا خلیفۃ المسلمین یا امیر المؤمنین کا معصوم عن الخطاء ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک یہ ہوسکتا ہے کہ اس منصب پر فائز شخصیت فاسق وفاجر ہو البتہ کفریہ اعمال کے ارتکاب سے مکمل اجتناب ضروری ہے کیونکہ کفریہ اعمال کے ارتکاب سے بندہ اس منصب کی اہلیت سے گر جاتا۔

اور یہ وہ منصب ہے جس کو اختیار کرنے کا حکم اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو دیا ہے اور اسلامی تعلیمات میں اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

باب دھم :

فرقۂ خوارج اوران کے عقائد کا بیان

(۲۵) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔
آپ کی ایسے خوراج کے بارے میں کیا رائے جو:
(ان الحکم الاللہ تعالیٰ)
ہمیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی حکومت وحاکمیت قابل قبول وقابل تسلیم نہیں ہے کا نعرہ لگا کر صحابہ کرام کی برائی کرتے ہیں۔
ان کو خوراج محکّمہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعہ تحکیم کے پیش آجانے کے بعد حضرت علیؓ سے بغاوت کر گئے تھے، اوران کا مشہور نعرہ تھا
(اِنِ الْحُکْمُ اِلَّالِلّٰہِ
حکم صرف اللہ کا چلنا چاہئے اس کے علاوہ کسی اور کا نہیں چلنا چاہئے
امام اعظم: اس فرقہ کے لوگ اہل خوراج میں سب سے بڑے درجہ کے خبیث ہیں؛
(۲۶) ابو مطیع بلخی نے پوچھا: کیا ان کو کافر کہا جائے گا؟
امام اعظم: نہیں ان کو کافر نہیں کہا جائے گا لیکن ان کو راہ راست پر لانے کے لئے ضرورت کے وقت ان سے جنگ ضرور کریں گے؛ کیونکہ ہمارے ائمہ خیر نے ان کے ساتھ خود جہاد کیا ہے لہٰذا ان کی اتباع کرتے ہوئے ہم بھی ضرورت کے وقت ایسا ہی کام کریں گے اوران کو راہ راست پر لانے کے لئے ان کے ساتھ جہاد کریں گے، اوران ائمہ خیر میں خاص طور سے حضرت علیؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ شامل ہیں۔
(۲۷) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اہل خوارج اللہ تعالیٰ کی بڑائی میں تکبیر بھی کہتے ہیں اور قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتے ہیں، کیا پھر بھی ان کے خلاف جہاد کیا جائے گا؟

امام اعظم: نے فرمایا کہ کیا آپ کو ابوامامہؓ کی حدیث یاد نہیں جب وہ دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوئے وہاں فرقۂ خوارج کے چند مقتولین کے سر پڑے ہوئے تھے۔

ابوامامہ: ابوغالب حمصی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا! اے ابوغالب! کیا یہ آپ کی سرزمین کے لوگ نہیں ہیں؟ میں چاہتا ہوں کہ آپ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھوں کہ آپ کی رائے میں یہ کیسے لوگ ہیں؟

ابوغالب: یہ سب لوگ آگ کے کتے ہیں! آگ کے کتے! اور آج تک آسمان کے نیچے جتنے لوگ قتل کیے گئے ہیں ان میں سب سے بدترین مقتول یہ لوگ ہیں؛ اور یہی باتیں کرتے ہوئے ابوغالب رونے لگے۔

ابوامامہ: آپ کیوں رو رہے ہیں؟

ابوغالب: یہ لوگ تو پہلے مسلمان تھے۔

ابوامامہ: بڑے تعجب سے بولے کہ یہ بات جو میں سن رہا ہوں کیا آپ ان لوگوں کے بارے میں فرما رہے ہیں؟

ابوغالب: کیا آپ وہی بات نہیں کہو گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

يَوم تَبْيَضّ وجُوهٌ وتسوَدّوُجوهٌ فامّا الّذِينَ اسْودَّت وُجوهُهُم اَكَفرتُم بعدَاِيمانِكُم فَذُوقُوا العَذابَ بماكُنتُم تكفرُون وامّا الّذِينَ ابْيضّت وُجُوهُهُم فَفِي رَحْمَةِ الله هُمْ فِيهاخٰلدُون

(العمران:۷،۱۰۶)

ایک دن ایسا ہے جس میں بہت سارے چہرے خوش بخت اور سفید چمک دار ہونگے ، اور بہت سارے چہرے سیاہ اور بد بخت ہوں گے اور جو چہرے سیاہ ہوں گے اس کی وجہ کیا ان کا ایمان لانے کے بعد کفر کرنا نہیں ہے، پھر ان کو چاہئے کہ کفر کرنے کی وجہ سے عذاب

میں مبتلاء ہوں اور جو سفید چہروں والے ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے اور اس اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔

ابوامامہ: کیا آپ نے خود یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی؟

ابوغالب: سبحان اللہ! ایک بار، دو بار، حتی کہ سات بار تک اسی طرح کہا۔

امام اعظم: نے فرمایا

فرقۂ خوراج کو کافر کہا جانا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر کرنے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جو انعامات کئے لیکن یہ لوگ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کی بجائے اس کی ناشکری کرنے لگے تھے۔

نوٹ: کفران نعمت سے مراد یہ ہے اللہ نے ان پر کئی نعمتیں نازل کیں، انبیاء کے ذریعے مکمل دین اور صحابہ کرام کے ذریعہ مکمل راہ عمل اور ان کے لئے کامل کتاب اور اس کتاب کو بیان کرنے والے نبی؛ اور ان کے متبع صحابہ کرام کی ایک جماعت جس کی توثیق پر حضور اکرمؐ نے مہر تصدیق ثبت کردی ہے:

بایّهم اقتديتم اهتديتم

یعنی ان میں جس کی اتباع کرو گے ہدایت پاجاؤ گے

اور خوارج کا کفر کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کفر کی وجہ سے کہ اب اتنی بڑی نعمت کا انکار کیا اور یہ کفر نہیں تو اور کیا ہے۔

باب یاز دھم:

تأویل یا ان کار سے غلط کام کرنے کا حکم

(۲۸) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر فرقۂ خوراج کے لوگ عام مسلمانوں کے خلاف بغاوت کا راستہ اختیار کریں ،اور جنگ وجدل اور غارت گری کا بازار گرم کریں اور ایسا کرنے کے بعد وہ ہمارے ساتھ صلح کرنے پر آمادہ ہو جائیں، تو کیا ان کی طرف سے کی ہوئی سابقہ کارستانیوں کی ان کو سزا دی جائے گی؟

امام اعظم نے جواب دیا کہ:

دوران جنگ جن جرائم کا وہ ارتکاب کر چکے ہیں اس کا کوئی بدلہ نہیں لیا جائے گا؛ اور اسی طرح دوران بغاوت ان سے صادر ہونے والے افعال جو شرعی حد کا موجب ہوں ان پر کوئی حد جاری نہ کی جائے گی اور دوران بغاوت کسی کو ناحق قتل کرنے کی بناء پر ان سے قصاص بھی نہیں لیا جائے گا۔

(۲۹) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ ان کے جرائم پر کوئی حد یا قصاص بھی جاری نہ کی جائیں؟

امام اعظم نے فرمایا:

اس کی وجہ وہ حالات تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں میں پیدا ہوئے تھے؛ وہ یہ کہ ایک جماعت مطالبہ کرتی تھی کہ ان کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے اور دوسری جماعت اس عمل کی مخالف تھی۔

تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اس بارہ میں اجماع منعقد ہو گیا کہ

(۱): جو شخص تأویل سے کسی کا خون بہائے اس پر قصاص لازم نہیں ہوگا۔

(۲): اور جو شخص تأویل کرتے ہوئے کسی عورت کے ساتھ زنا کرے اس پر شرعی حد جاری نہیں کی جائے گی۔

(۳): اور اسی طرح جو شخص کسی کا مال تأویل سے جائز سمجھتے ہوئے ہتھیا لے اُس پر اِس مال ہتھیانے کے جرم کی حد نافذ نہیں کی جائے گی۔

ہاں اگر ہتھیانے والے کے پاس اصل مال برآمد ہو جائے تو وہ اس سے لیکر اصل مالک کو لوٹا دیا جائے گا۔

باب دوازدھم:

کافر کے کفر کی کیا حدود ہیں؟

(۳۰) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ میں کافر کو کافر نہیں جانتا، اس کو کیا جواب دیا جائے گا؟

امام اعظم: وہ بھی اس کافر کی طرح کافر ہو جائے گا؛

(۳۱) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ کافر کا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ یعنی انجام کے لحاظ سے کافر کہاں جائے گا؟

امام اعظم نے فرمایا:

وہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافر کا ٹھکانا جہنم ہے اور یہ شخص اس کے ٹھکانہ کے بارے میں شک میں ہے اور اس کے جہنمی ہونے کا یقین نہیں رکھتا۔

باب سیز دہم:

ایمان کی حقیقت پر حضرت معاذؓ وابن مسعودؓ کی حدیث

(۳۲) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس سے سوال کیا جائے کہ کیا آپ مؤمن ہیں یا نہیں؟ تو وہ جواب دے کہ (اللہ اعلم) اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے؟

امام اعظم نے فرمایا: وہ شخص ایمان میں شک کرنے والا ہے۔

(۳۳) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آپ یہ فرمائیں کہ کیا کفر اور ایمان کے درمیان نفاق کے علاوہ کوئی اور درجہ بھی ہے، جہاں اس شک کرنے والے کو فائز کیا جائے؟

امام اعظم نے فرمایا:

وہ شخص تین مرتبوں میں سے کسی ایک پر لازماً فائز ہوگا کیونکہ ان تین مراتب کے علاوہ کوئی چوتھا مرتبہ نہیں ہے یعنی یا تو وہ شخص

(۱): مؤمن (۲): یا کافر (۳): اور یا منافق ہوگا۔ اور جو شخص اپنے ایمان میں میں شک کرے وہ منافق نہیں ہوسکتا بلکہ کافر ہوگا

(۳۴) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

امام اعظم نے فرمایا:

حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابن مسعودؓ والی حدیث کی بناء پر جس کی تفصیل یوں ہے۔

حدیث چہارم

جو مجھے امام حماد نے بیان فرمائی کہ حارث ابن ملیکہ حضرت معاذ بن جبلؓ کے پاس علم حاصل کیا کرتے تھے جب حضرت معاذ بن جبل کی موت کا وقت قریب ہوا، تو حضرت حارثؒ رونے لگے؛

معاذؓ: اے حارث تیرے رونے کی کیا وجہ ہے؟

حارث: مجھے یہ بات تو معلوم ہے کہ آپ کی آخرت کی زندگی، دنیا سے بدر جہا بہتر ہے لیکن میں سوچتا ہوں آپ کے بعد کونسا عالم ہے جس کی خدمت میں رہ کر میں علم حاصل کرسکوں گا؟

معاذؓ: کوئی بات نہیں صبر کرو اور میرے بعد تم عبداللہ بن مسعودؓ پاس چلے جانا ان سے علم حاصل کر لینا۔

حارثؒ: مجھے کوئی وصیت فرما دیجئے اس کے بعد جو اللہ تعالیٰ نے چاہے وہ اس کی مرضی۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے مجھے وصیت کی اور دوران وصیت یہ بھی کہا کہ اہل علم کی علمی لغزش سے ڈرتے رہنا۔ اس کے بعد حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے اور حارث کوفہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کے طلباء میں آ کر شامل ہو گئے اور علم حاصل کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ایک دن جب اذان ہوئی تو حارث نے سب لوگوں سے کہا: اس سچی دعوت یعنی اذان کا جواب دینے کے لئے تیار ہو جاؤ کیونکہ ہر مسلمان جو اذان سنے اس کو اسکا جواب دینا واجب ہے؛ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں نے ان کی طرف خاص نظروں سے دیکھا اور ان سے کہا کہ کیا یہاں صرف تمہی مؤمن ہو؟

حارث: ہاں میں واقعی مؤمن ہوں!

یہ بات سن کر ابن مسعودؓ کے سارے شاگرد حارثؒ کو کن انکھیوں سے یوں تاڑنے لگے کہ شائید اس نے کوئی غلط بات کر دی ہو؛

حارث: نے پریشانی میں اپنا سر جھکالیا اور آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور اس دوران حضرت معاذ کے لئے رحمت کی دعائیں کرتے جاتے تھے؛

اسی دوران یہ ساری بات حضرت ابن مسعودؓ کو بتادی گئی؛ ملاقات پر انہوں نے حارثؓ سے پوچھا کہ کیا تو یہ کہتا کہ تو مؤمن ہے؟

حارثؓ: ہاں میں واقعی مؤمن ہوں۔

ابن مسعودؓ: کیا آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو جنتی لوگوں میں سے شمار کرتا ہے؟

حارثؓ: اس کا جواب دینے کی بجائے اپنے استاد حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحمت کی دعاء کرنے لگے؛ کیونکہ انہوں نے وصیت فرمائی تھی: کہ عالم کی بھول چوک سے ڈرنا اور یہ بھی وصیت فرمائی تھی کہ بلاوجہ کسی کے بارے میں منافق ہونے کا فیصلہ نہ صادر کردینا۔

ابن مسعودؓ: کیا تو نے کوئی غلطی دیکھی ہے؟

حارثؓ: میں آپکو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ یہ بتائیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی تین قسموں کے علاوہ بھی کوئی قسم تھی؟

(۱): ظاہر و باطن کے لحاظ سے مؤمن (۲) ظاہر و باطن کے لحاظ سے کافر (۳) باطنی لحاظ سے منافق اور ان تین میں آپ کسی گروہ میں ہیں۔

ابن مسعودؓ: اب جبکہ آپ نے اللہ کی قسم دی ہے: تو میرا جواب سنو اور وہ یہ کہ میں ظاہر و باطن کے لحاظ سے مؤمن ہوں۔

حارث: پھر آپ نے میری (انّی لمؤمن) کہ میں واقعی مؤمن ہوں والی بات کہنے پر ملامت کیوں کی؟

ابن مسعودؓ: کوئی بات نہیں یہ میری غلطی سمجھ لو؛ اور میرے پاس ہی اس کو دفن کردو؛ اور اس کو یہیں بھول جاؤ پھر انہوں نے بھی حضرت معاذؓ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دعاء کی؛

حدیث چہارم:

امام اعظم نے اسی حدیث کو کئی اور طرق سے بھی نقل فرمایا ہے مثلاً خوارزمی نے جواب تیمی سے انہوں نے حارث بن سوید نقل کیا کہ ایک آدمی حضرت معاذ کی خدمت کیا کرتے تھے جب ان کو موت آ گئی تو وہ حضرت عبداللہ کے طلباء میں شامل ہو گئے

ایک دن حضرت عبداللہ نے انہیں بلایا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم سچے مؤمن ہو؟

اس نے کہا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہیں کہ رسول اللہ صلہ اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کی تین ہی اقسام تھیں:

(۱) تصدیق کو ظاہر کرنے والا اور اسی کو دل میں بھی رکھنے والا، ایسا شخص اللہ تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اہل ایمان کے نزدیک ایمان والا شمار ہوتا تھا۔

(۲): اپنی ظاہر اور باطن کے ساتھ ایمان کو جھٹلانے والا، ایسا شخص اللہ تعالیٰ اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مؤمنوں کی نظر میں کافر شمار ہوگا (۳): اپنے ظاہر میں ایمان والا اور باطن میں کفر چھپانے ولا، ایسا شخص منافق ہے

حضرت عبداللہ نے فرمایا: میں ظاہر و باطن کے لحاظ سے ایمان کا دعوے دار ہوں

باب چہار دہم:

اپنے یا کسی زندہ شخص بارے دعوائے جنت یا جہنم کرنا

نسخہ حسینیہ میں منقول ہے:

امام اعظم نے فرمایا:

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور دوران گفتگو کہنے لگا اے ابن عباس:۔

انا مؤمن ان شاء الله تعالیٰ

اگر اللہ نے چاہا تو میں مؤمن ہوں؛ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا:

ثکلتک امّک اتؤمن بالله تعالیٰ وبماجاء من الله تعالیٰ

تیری ماں تیری موت کا بوجھ اٹھائے اور تیرے مرنے پر روئے کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس ایمان کے بارہ میں کہہ رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے؟

وہ شخص کہنے لگا کہ: ہاں؛

جس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم یہ کہا کرو کہ میں سچا مؤمن ہوں، اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی:

﴿انما المؤمنون الذين آمنوا بالله ورسوله ثم لم يرتابوا﴾

(الحجرات:۱۵)

بے شک مؤمن وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اس کے رسولوں پر پھر اس میں کسی قسم کے شک میں مبتلا نہیں ہوئے

یعنی وہ نہ تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی شک میں مبتلاء ہوئے اور نہ اس کے رسول

کے بارے میں کسی شک میں مبتلا ہوئے، اور نہ ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی کسی بات میں شک کیا، کیونکہ کسی ایک بات کا استثناء ایمان کو باطل کر دیتا ہے یعنی سارے ایمان میں سے ایک بات کا بھی انکار کر دیا تو گویا سارے ایمان کا انکار لازم آئے گا۔

اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ

میں اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا دعوے دار ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا

قیامت کا دن ضرور آئے گا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتابیں ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا

تو ایسا شخص بلا کسی تردد کے خود بخود کافر ہو جائے گا۔

اور ہم یہ کہتے ہیں جس طرح فارسی زبان کے کسی جملے میں استثناء سے حکم ثابت نہیں ہوتا ایسے ہی عربی میں بھی کسی جملے کے استثناء کا حکم ہوتا ہے۔

اور اس کی صاف ستھری مثال فقہ میں یوں سمجھو کہ ایک شخص اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے: اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تجھے طلاق ہے! یا اپنے غلام کو کہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میری طرف سے تو آزاد ہے! یا کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں نے فلاں شخص کا اتنے پیسوں کا مقروض ہوں! یا وہ کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں نے بیچ دیا یا میں نے خرید لیا!

تو ان تمام صورتوں میں کچھ بھی لازم نہیں آئے گا کیونکہ جملے میں استثناء کی وجہ سے سارے مسائل کا حکم ہی باطل ہو گیا ہے جب مسائل کی یہ حالت ہے کہ استثناء کی وجہ سے اس میں سے حکم باطل ہو جاتا ہے تو ایمان کا معاملہ تو اس سے زیادہ حساس ہے لہذا وہاں بطریق اولی استثناء سے حکم بدل جائے گا۔

امام اعظم نے فرمایا:

ہر شخص کو چاہئے کہ وہ یوں کہا کرے میں سچا مؤمن ہوں کیوں کہ ایمان کے اظہار میں

کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہے۔
(۳۵)ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔
تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا ایمان ملائکہ کے ایمان کی طرح ہے؟
امام اعظم نے فرمایا: ہاں ایسا کہہ سکتے ہیں، کیونکہ ایمان لانے کے لئے ایمانیات میں سب برابر ہیں۔
(۳۶)ابو مطیع بلخی نے پوچھا:
خواہ اس شخص کے عمل بہت تھوڑے ہوں پھر بھی وہ سچا مؤمن ہوگا؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے؛

حدیث پنجم:

امام اعظم:۔نے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا نبی علیہ السلام نے ایک معروف صحابی حضرت حارثہؓ سے پوچھا

(کیف اصبحت؟)

رسول اللہؐ اے حارثہ تو نے صبح کس حال میں کی ہے؟
حارثہؓ: میں نے سچا مؤمن ہونے کی حالت میں صبح کی ہے؛
رسول اللہؐ دیکھو کیا کہہ رہے ہو؟ کیونکہ ہر حق بات کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے تو تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟
حارثہؓ: اے اللہ کے رسولؐ! میرا نفس دنیا سے بے رغبت اور بے زار ہوگیا، یہاں تک کہ میرا دن بیتابی اور رات بیداری میں گذرتی ہے؛ اور میرا حال یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا عرش واضح اور ظاہر طور پر دیکھتا ہوں؛ اور میں جنتی لوگوں کو جنت میں ایک دوسرے کی زیارت کے لئے آتے جاتے، اور جہنمی لوگوں کو جہنم کی آگ میں غوطے کھاتے دیکھ رہا ہوں۔
رسول اللہ فرمایا تو ایمان کی حقیقت تک پہنچ گیا ہے، اس پر قائم رہنا، اور یہ جملہ تین

مرتبہ ارشاد فرمایا؛

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر کوئی شخص چاہے کہ ایسے شخص کو دیکھے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایمان کے نور سے منور کر دیا ہے اس کو چاہئے کہ وہ حارثہؓ کو دیکھ لیا کرے۔

حارثہؓ: یارسول اللہ! میرے لئے شہادت کی دعا کیجئے۔

رسول اللہؐ نے ان کے لئے شہادت دعا کی؛ اور اس دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے کہ حضرت حارثہ کو شہادت نصیب ہوئی۔

(۳۷) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کوئی مؤمن جہنم میں داخل نہیں ہوگا؛ اس شخص کا کیا جواب ہے؟

امام اعظم: اس کو جواب دو کہ قیامت کے دن جہنم میں صرف مؤمن ہی داخل ہوں گے۔

(۳۸) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔

تو اس دن کافروں کا کیا معاملہ ہوگا؟

امام اعظم: وہ سب لوگ اس دن ایمان والے ہو جائیں گے؛

(۳۹) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔

یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟

امام اعظم: کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا:

فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَحدَهُ وَكَفَرنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشرِكِين فَلَم يَكُ يَنفَعُهم ايمانهم لَمَّا رَأَوْا بَأسَنا (الغافر:۸۵)

جب وہ لوگ ہماری آزمائش اور عذاب کو دیکھیں گے تو فوراً کہیں گے ہم اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لاتے ہیں، اور ہم جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے ان کا انکار کرتے ہیں؛ اگرچہ ان کو عذاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد ایمان لانا کوئی نفع نہ دے گا

لہٰذا جو بھی جہنم میں جائے گا وہ پہلے ایمان لائے گا مگر ان کا اس وقت ایمان لانا ان کے لئے کوئی فائدہ مند ثابت نہ ہوگا؛

نوٹ: اور دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: اولئک ھم المؤمنون حقا یعنی یہ ہی لوگ سچے مومن ہیں؛

اب جو شخص یوں کہیا نا مومن ان شاء اللہ؛ تو اس سے پوچھا جائے کہ آپ کس لحاظ سے استثنیٰ کر رہے ہیں؛

(۱) اگر زمانہ ماضی کا استثناء کر رہے ہیں: تو یوں کہنا چاہتے ہیں کہ میں گذشتہ کل ان شاء اللہ مؤمن ہوں گا

(۲) یا یہ کہ زمانہ حال میں استثناء کرے اور کہے میں اس وقت مؤمن ہوں؛

(۳) یا یہ کہ زمانہ مستقبل میں استثناء کرے؛ تو یوں کہنا ہوگا میں کل آئندہ مؤمن ہوؤں گا؛ اگر تو وہ ماضی یا حال کے بارہ میں کہے کہ: میں گذشتہ کل یا موجودہ وقت میں انشاء اللہ مؤمن ہوں تو ان دولفظوں کے ساتھ اس کا کفر لازم آئے گا؛ اور اگر مستقبل کے بارے میں استثناء کرے اور کہے کہ میں ان شاء اللہ کل مؤمن ہوں گا؛ یہ صورت درست تو ہے مگر بدعت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من لم یکن مؤمنا حقاً کان کافراً حقاً

یعنی یہ کہ جو شخص مؤمن سچا نہیں تو وہ کافر سچا ہوگا؛

شیخ کوثری۔ ایمان یقین محکم کا نام ہے لہذا کوئی ایسا عمل جو یقین محکم میں مانع ہو اس کی ایمان میں گنجائش نہیں ہے اس لئے ایمان کو ہم کامل ایمان ہی کہیں گے اور جو اس میں کمی یا زیادتی کا عنصر پایا جاتا ہے اس کی وجہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو ایمان لانے کے بعد بندوں کو مکلّف بنائے جانے کے لئے حکم کئے جاتے ہیں اور جن حضرات نے اعمال کو ایمان کا ایک رکن قرار دیا ہے ان کو اپنے ایمان اور خوارج اور معتزلہ کے ایمان کے مفہوم میں فرق کرنا ناممکن ہوجاتا ہے۔

خلاصۂ کلام:

ایمان کا دعوے ایک اختلافی امر ہے بعض احباب کے نزدیک یہ کہنا کہ میں مؤمن ہوں گویا یہ کہنا ہے کہ میں جنتی ہوں جب کہ امام اعظم نے اس مقام پر اس بات کی مکمل وضاحت پیش کر دی ہے کہ دعوئے ایمان اور چیز ہے اور جنتی ہونا اور چیز ہے کیونکہ ایمان کے ساتھ ساتھ کوئی شخص گناہ گار بھی ہوسکتا ہے اور اس کے گناہوں کی وجہ سے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہنم کی سزا بھی دی جاسکتی ہے لیکن بعض لوگوں کے نزدیک ایمان کے ساتھ جہنم کی سزا نہیں دی جاسکتی اسی لئے جب کسی نے یہ کہا کہ میں مؤمن ہوں تو فوراً اس سے یہ سمجھا گیا کہ شائد اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص کہتا ہے میں جنتی ہوں جس کی وجہ سے مسئلہ متنازع بنتا چلا گیا ہے

باب پانزدھم:

ایمان پر معاصی کے اثرات

امام اعظم ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ:

جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے، یا چوری کرے، یا ڈاکہ ڈالے، یا گناہ کے کام کرے، یا فسق وفجور کا راستہ اختیار کرے، یا زنا کرے، یا شراب نوشی کرے یا کوئی ایسی نشہ آور چیز استعمال کرے جس سے اس کو نشہ ہو جاتا ہو، تو اس کو مؤمن فاسق کہیں گے کافر نہ کہیں گے اور ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے گناہوں کی وجہ سے جہنم کا عذاب دیا جائے گا اور اس پر ایمان کی نسبت غالب آ جانے کے بعد اس کو جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا کہ

جو شخص ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے، مگر اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے: میں نہیں جانتا کہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ علیہما السلام اللہ تعالیٰ کے رسول تھے یا نہیں تھے؟ تو وہ شخص کافر ہوگا؛

اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کافر جنتی ہیں یا جہنمی ہیں؟

وہ اللہ تعالیٰ کے قول کا انکار کرنے کی وجہ سے خود کافر ہے۔ کیونکہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا

(فاطر:۳۵)

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے ان کے لئے جہنم کا عذاب جو مرنے کے بعد ان کو دیا جائے گا

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فلهُمْ عَذَابُ جَهَنّم ولهم عذابُ الحَرِيق (البروج:۱۰)

ان کفار کے لئے جہنم کا عذاب، اور وہ بھی ایسا عذاب جو جلانے والا ہے

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَهُم عَذَابٌ شَدِيدٌ (الشوری:۱۶)

ان کفار کے لئے شدید ترین عذاب ہے

ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہ عذاب اور سزا کفار کے لئے ہے۔

اور جو شخص ان آیات کے بارے میں شک کرتا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی ان آیات میں شک کرنے کی بناء پر ان کار کر رہا ہے لہذا وہ کافر ہے۔

اس بات کی دلیل وہ قول جو امام اعظم نے سعید بن میبّب سے نقل کیا ہے جس کے الفاظ یوں ہیں:

امام صاحبؒ نے فرمایا:

مجھ تک حضرت سعید بن میبّبؒ سے یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص کافر کو کافر نہ جانے اور ان کے جہنمی ہونے کا قائل نہ ہو وہ بھی انہی کی طرح کافر ہوگا۔

(۴۰) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آپ اس شخص کے بارے میں مجھے بتائیں جو ایماندار تو ہے، مگر عبادات میں سے نہ نماز، نہ روزہ، اور نہ ہی نیک اعمال میں سے کوئی عمل سرانجام دیتا ہے، کیا ایسے شخص کو اسکا ایماندار ہونا مفید ہوگا یا نہیں ہوگا؟

امام اعظم نے فرمایا:

وہ شخص بندۂ مؤمن ہے مگر اس کی آخرت اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے وہ چاہے تو اس کو عذاب دے یا اس کے حال پر رحم فرماتے ہوئے اس کی بخشش فرما دے، اور جو شخص ایمانیات اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے کسی چیز کا صراحتاً انکار نہ کرتا ہو، وہ اہل ایمان میں سے سمجھا جائے گا۔

باب شانزدہم

ایمان وعمل کا تعلق اوراس پر گناہ کے اثرات

حدیث ششم:

امام اعظم نے اپنی سند متصل کے ساتھ ایک حدیث نقل فرمائی ہے:

آپ فرماتے ہیں کہ مجھے بعض اہل علم نے کہا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شام کے مشہور شہر حمص میں تشریف لائے تو بہت سے لوگ آپ کی زیارت کے لئے جمع ہو گئے ان زائرین میں سے ایک نوجوان نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چند سوالات پوچھے:

سوال: اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، حج بیت اللہ بھی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد بھی کرتا ہے، غلام بھی آزاد کرتا ہے اور اللہ کے راستے میں زکوۃ بھی دیتا ہے، البتہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شک کرتا ہے کہ پتہ نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے بھی یا نہیں؟

معاذ بن جبلؓ یہ شخص جہنمی لوگوں میں سے ہے؛

سوال: اچھا تو اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو ایمان تو رکھتا ہو، مگر عمل صالح نہیں کرتا، یعنی نہ وہ نماز پڑھتا ہے، نہ روزہ رکھتا ہے، نہ حج کرتا ہے، نہ اپنے مال میں سے زکوۃ دیتا ہے، البتہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان کا اقرار کرتا؟

معاذ بن جبلؓ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید کے ساتھ ساتھ عذاب کا خوف بھی ہے۔

سائل: اے ابوعبدالرحمٰن! (حضرت معاذ بن جبل کی کنیت) آپ کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ

جیسے اس شخص کو شک کے ہوتے ہوئے کوئی عمل فائدہ نہیں دیتا، اسی طرح ایمان کے ہوتے ہوئے اس شخص کو کوئی گناہ اس کے ایمان کو نقصان نہیں دے سکتا، اور پھر وہ نوجوان اٹھا اور چلا گیا۔

معاذ بن جبلؓ اس وادی میں شائد اس نوجوان سے زیادہ فقیہ اور سمجھ دار کوئی اور شخص نہ ہو۔

شیخ کوثری فرماتے ہیں:

لاینفع مع الشک: کا مطلب یہ ہے کہ یہاں جو عمل کی ایمان کے ساتھ ہونے سے نفی کی جارہی ہے اسکا ایک خاص فائدہ ہے اور وہ یہ کہ ایمان کے بعد وہ شخص دائمی جہنمی ہونے سے بچ سکتا ہے اور وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں یا رسول اللہ کی رسالت کے بارے میں اپنے دل میں شک رکھتا ہو اس کو دائمی جہنمی ہونے سے نہیں بچایا جاسکتا اس لئے حضرت معاذ کے شاگرد نے ایمان بلا شک رکھنے والے کے لئے جہنمی ہونے کی نفی کردی ہے اور جو ایمانیات میں شک کرتا ہو اس کے لئے سابقہ ساری نیکیوں کے ضائع ہونے کی بھی نفی کردی گئی ہے

اور اسی طرح لایضر مع الایمان: سے یہاں مراد ایک قسم کا ضرر خاص ہے، اور ضرر سے مراد ایسا ضرر ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے امید ختم کرنے کا باعث بنے جیسا کی اوپر متن میں گزر چکا ہے لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو اور اس سے معافی کی امید نہ رکھتا ہو اس کے بارے میں تو خطرہ ہی خطرہ ہے اور جو گناہوں کے بارے میں ڈرتا بھی ہو اور ایمان بھی اللہ تعالیٰ پر رکھتا ہو وہ مؤمن ہے، اسی کے بارے میں حضرت معاذ کا قول ہے 'ارجولہ واخاف علیہ' یعنی اس کے بارے میں ایمان کی وجہ سے بخشش اور گناہوں کی وجہ سے عذاب کا خوف رکھتا ہوں، اس کے دائمی جہنمی ہونے کا نہیں کہا اس لئے کہ اس کے ایمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید ہے۔

باب ہفت دہم:

مسئلہ استوی علی العرش کی حقیقت

امام اعظم نے فرمایا کہ

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں؟ تو وہ اپنے اس قول کی بناء پر کافر ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا:

الرحمن علی العرش استوی (طہ:۵)

اللہ تعالیٰ عرش عظیم پر مستوی ہو گئے

جبکہ اللہ تعالیٰ کا عرش ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے؛

(۴۱) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

میں تو یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہو گئے، مگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا اللہ تعالیٰ کا عرش کہاں ہے؟ آیا آسمانوں میں ہے یا زمین میں ہے، تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

امام اعظم نے ارشاد فرمایا:

جب کوئی شخص عرش معلیٰ کے آسمانوں میں ہونے کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہے کیونکہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ قرآن کریم کی آیات کا انکار کر رہا ہے۔

کیونکہ قرآن کریم میں لفظ فوق استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب اوپر ہے، لہذا ہم اللہ تعالیٰ کے لئے اس سے بلندی کا مفہوم مراد لیتے ہیں، نہ کہ پستی کے لحاظ سے اس کا مفہوم مراد لیتے ہیں۔

شیخ کوثری نے اس موقعے پر کافی مفصل حاشیہ تحریر فرمایا ہے جو ان شاء اللہ اپنی فقہ ابسط کی شرح میں ملاحظہ فرمایا جا ہے

باب ہیژدھم:

ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت اور انقلاب

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ:

ہم باغیوں کے ساتھ ان کے بغاوت کرنے کی وجہ سے لڑتے ہیں نہ کہ ان کو کافر سمجھنے کی وجہ سے بلکہ ہم ان کو مسلمان ہی جانتے ہیں؛ اور ہم عدل پر قائم رہنے والی جماعت کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھتے ہیں؛ اگر چہ ان کا سربراہ اور بادشاہ ناانصافی تو کرے لیکن ایمان کی حدود میں قائم رہے، اور کفر کی حدود میں داخل نہ ہو چکا ہو؛

اور اسی طرح ہم ایسے باغی گروہ کا ساتھ نہیں دیتے جو ظلم اور فساد کو عام کرنے والا ہو خواہ وہ اہل السنّت والجماعت میں سے ہو؛ اور اس صورت میں صالح جماعت کی مدد کریں گے اور ان کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھتے ہوئے ان کی مدد کریں گے؛ اور جو حضرات حق پر قائم رہنے اور حق کو قائم کرنے میں تمہاری مدد کرنے والے ہوں ان کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھیں گے؛

اگر اہل السنّت والجماعت کے لوگ بغاوت کا راستہ اختیار کر لیں تو ہم ان سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں؛ اور ان کی بجائے اہل حق کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھیں گے؛

اور یہ سب باتیں مندرجہ ذیل آیات کی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

الم تکن ارضُ اللہ واسعةً فتھاجرُوفیھَا (النساء:۹۷)

کیا اللہ نے زمین کو بڑا وسیع نہیں کیا تا کہ تم اس کی طرف ہجرت کر جاؤ

اور دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے

اِنّ اَرضِی وَاسِعَةٌ فَاِیّایَ فَاعْبُدُوْنَ (العنکبوت:۵۶)

بے شک میری زمین بہت وسیع ہے لہذا اس میں میری ہی عبادت کیا کرو

حدیث ہفتم:

امام ابو حنیفہ نے امام حماد سے انہوں حضرت ابراہیم سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی سرزمین پر فتنہ اور معصیت اس انداز اور مقدار میں ظاہر ہو جائے کہ اس کو بدلنا ممکن نہ ہو، اور نہ ہی اس کے بدلنے کی کوئی صورت اور طاقت نظر آتی ہو تو مذکورہ بالا آیت پر عمل کرتے ہوئے تحول کیا جائے، تا کہ انسانی معاشرہ اور ماحول اللہ تعالیٰ کے اوامر کی تکمیل اور اور اس کے نواہی کی تعمیل کے لئے مستعد ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے غالب ہونے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔

حدیث ہشتم:

امام ابو حنیفہ نے اپنی سند کے ساتھ مرفوعا نبی علیہ السلام سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص ایسی سرزمین میں تحول (انقلاب) پیدا کرتا ہے جہاں لوگوں کے اسلامی احکامات کی بجائے فتنہ میں مبتلاء ہونے کا اندیشہ ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں (۷۰) ستر صدیقین کا اجر لکھتے ہیں۔

نوٹ: اور کسی مسلمان کو یہ بات ہرگز مناسب نہیں کہ: کوئی شخص اہل السنّت والجماعت کے اجماع کی مخالفت کرے کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

لایجتمع امتی علی الضلالة

یعنی میری امت گراہی پر کبھی جمع نہیں ہوگی

اور فرمایا: تمہارے لئے سواد اعظم یعنی اہل السنّت والجماعت کے راستے پر چلنا لازم ہے؛ اور جو شخص بھی سچے مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کرتا ہے وہ گمراہ اور بدعتی ہے؛ کیونکہ جماعت کی حفاظت کرنا رسول اللہ کی سنت ہے اور رسول اللہ کی ایسی سنت کی حفاظت فرائض میں سے ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

اطیو اللہ تعالیٰ وطیعو الرسول

یعنی فرائض میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اور سنن میں اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما آتاکم الرّسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا

جو دین کی باتیں تمہیں رسول اللہ ﷺ سے پہنچے ان کی اطاعت کرو، اور جس بات سے وہ منع فرمائیں ان سے رک جاؤ۔

اور جان لو کہ نبی علیہ السلام نے نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو واجب قرار دیا ہے اور جو شخص اس کی حفاظت نہیں کرتا اور بلا عذر اس کی پاسداری نہیں کرتا وہ مذکورہ دلائل کی بناء پر بدعتی ہے،

اس بارے میں حضرت امام اعظم نے اپنی سند متصل کے ساتھ فرمایا کہ

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من سل السیف علی امتی فان لجھنم سبعة ابواب ، باب منھا لمن سل السیوف (اخرجہ ابو محمد البخاری والخوارزمی)

جس شخص نے میری امت پر تلوار اٹھائی تو اس کو علم ہونا چاہئے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں جن میں سے ایک دروازہ صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو میری امت پر تلوار اٹھانے والے ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں سند متصل کے ساتھ امام اعظم فرماتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیس بشیء ممن عصی اللہ بہ عزوجل اعجل عقوبة من البغی وما من شیء اطیع اللہ تعالیٰ بہ اسرع ثوابا من الصلة الرحم و فی روایة قال کان اعجل الطاعة ثوابا صلة الرحم ، والیمین الفاجر تدع الدیار بلاقع (اخرجہ المظفر ، ومحمد بن حسن ، والاصفہانی)

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سب سے جلدی جس بات کی سزا بندے کو دی جاتی ہے وہ بغاوت ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سب سے جلدی ثواب کا حق دار بنانے والی بات صلہ رحمی ہے، اور جھوٹی قسم تو شہروں کو بنجر اور بے آباد کر دینے کا باعث ہوتی ہے۔

اور ایک روایت میں امام اعظم سند مرسل صحابی ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر سے نقل فرماتے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا:

ما آسای علی شیء کما آسی علی ان لا اکون قاتلت الفئة الباغية وعلى الصوم الهواجر (اخرجہ المظفر والخوارزمی)

مجھے کسی بات پر بھی اتنا افسوس نہیں ہوتا جتنا کسی باغی گروہ سے قتال نہ کرنے، اور چھوڑے ہوئے روزوں پر جتنا افسوس ہے۔

نوٹ: تحول کا مطلب ہے تبدیل کرنا اور اس کے مترادف آج کل انقلاب کی اصطلاح عموماً استعمال ہوتی ہے اسی لئے شارح الفقہ الاکبر (الفقہ الابسط) مولانا عبیداللہ العلویؒ کا ارشاد ہے کہ امام صاحب کے اس فرمان میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب برسر اقتدار حاکم سے ظلم عظیم ہونے لگے اور ناصح کی کوئی نصیحت اس پر اثر انداز نہ ہو تو ایک متبادل جماعت بنا کر وہاں انقلاب برپا کر دینا چاہئے ایسی صورت میں انقلابی کام کرنے والا شخص باغی نہ کہلائے گا۔

اور مولانا عبیداللہ سندھی سورۃ العصر کی تفسیر میں انقلاب یا تحول کے لئے چار درجات متعین فرماتے ہیں اور انہی چار درجات کی وجہ سے کسی جگہ تحول ممکن ہے؛

(۱) ایمان، نظریہ یا نصب العین: جس پر اس جماعت کا سارا دارومدار ہوگا اعلیٰ نظریہ اعلیٰ کارکردگی اور ادنیٰ نظریہ ادنیٰ کارکردگی کا باعث ہوگا۔

(۲) لائحہ عمل: طریقہ کار، یا عمل صالح؛ جس پر چل کر انسان اپنے مقصود اصلی کو حاصل کر سکتے ہیں۔

(۳) نصیحت حق: جماعتی افراد کو بدنام کرنے ان کو معاشی یا معاشرتی نقصان پہچانے کے

لئے باطل قسم کا پراپیگنڈہ کئے جانے کی صورت میں ہم جماعت ساتھیوں کو راہ حق پر جمے رہنے کی ہدایت اور تلقین کرنا۔

(۴) **وصیت صبر:** اس پراپیگنڈہ سے متاثر ہو کر افراد کا جماعت کو یا نظریہ کو چھوڑنا یا معاشی نقصان پہنچانے کے لئے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آنے سے جماعتی نقصان یا جماعتی افراد کا جماعت سے وفاداریاں ترک کرنا یا بدلنا اس پر اپنے پکے ارکان کو صبر کی تلقین کرنا کیوں کہ جو شخص حوادثات زمانہ سے اپنی وفاداری بدل لے یا جماعت کی مخالفت شروع کردے وہ اصل میں محول یا انقلابی نہیں ہے؛

(انقلاب کے لئے انسانوں کی اقسام)

اور مذکورہ باب میں امام صاحبؒ کے فرمان کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانوں کی ان کے احوال طبعی کے لحاظ سے تین اقسام ہیں:

(۱): وہ آدمی جو دل کا کمزور اور احوال زمانہ سے نابلد ہے اس کو چاہئے کہ اپنا تعلق جماعت عادلہ کے ساتھ رکھے مگر ظالم حکمران کے ساتھ ملا رہے اس کے خلاف کوئی سیاسی کاروائی نہ کرے بلکہ خاموش رہ کر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے۔

(۲): وہ شخص جو دل کا قوی اور احوال زمانہ پر وسیع نظر رکھنے والا ہو اس کو چاہئے کہ ظلم سے عدل کی طرف تحول اور انقلاب کی جدوجہد کرے؛ اور اس مرتبہ کا اجر بہت زیادہ ہے جیسا کہ امام صاحب نے متن میں ارشاد فرمایا ہے؛

(۳): وہ شخص جس کی احوال زمانہ پر نظر تو بڑی وسیع ہو مگر طبیعت میں بہت کمزوری ہو اس کو چاہئے کہ اس علاقے سے ہجرت کر کے کسی دوسرے علاقہ میں چلا جائے اور وہاں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔

نوٹ: صدیقیت ولایت کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے جو انبیاء کے بعد ساری دنیاء کے درجات ولایت سے افضل ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

اولئک الذین انعم اللہ علیھم من النبیین و الصدیقین و الشھداء و الصالحین

یعنی یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ان میں انبیاء بھی ہیں صدیقین بھی ہیں اور شہداء بھی ہیں اور صالحین بھی ہیں۔

باب نوزدھم:

عذاب قبر اور اس کے انکار کا حکم

امام اعظم ابوحنیفہ فرماتے ہیں:
جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں عذاب قبر کا قائل نہیں ہوں وہ ناپاک خبیث اور ہلاک ہونے والے طبقہ جہمیہ میں سے ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا انکار کر رہا ہے؛
اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

سنعذّبهم مرّتين (التوبۃ:۱۰۱)

ہم ان کو دو بار عذاب دیں گے

ایک بار قبر میں اور دوسری بار قیامت کے دن۔
دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

وانّ للّذين ظلموا عذاباً دون ذلك (الطور:۴۷)

بے شک جن لوگوں نے ظلم کیے ان کے لئے عذاب ہے، علاوہ اس عذاب کے
اور اس عذاب سے مراد عذاب قبر ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

ولنذيقنهم من العذاب الادنى دون العذاب الاكبر (السجدۃ:۲۱)

اور یقیناً ہم انکو ایک قریبی عذاب کا مزا چکھائیں گے سوائے بڑے عذاب کے

یہاں قریبی عذاب سے مراد عذاب قبر ہے

(۴۲) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:
اگر کوئی یہ کہے کہ میں ان تمام آیات پر ایمان تو رکھتا ہوں لیکن ان کی تاویل یا

تفسیر پر ایمان نہیں رکھتا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

امام اعظم نے فرمایا:

اس کو کافر کہا جائے گا کیونکہ قرآن کی تاویل اور تفسیر یہ سب قرآن کے ہی اجزاء ہیں اگر ان کا انکار کرتا ہے تو وہ قرآن کا انکار کرتا ہے اور اسی وجہ سے اس شخص کو کافر کہا جائے گا۔

نوٹ: اس پر اعتراض کرنا کہ قبر میں میت پتھر کی طرح ہوتی ہے اس کو جزاء و سزا کا کیا فائدہ ہے؟

توجب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایک نظام بنایا ہے اسی کے ماتحت رہنے سے خاتمہ بالخیر اور اس سے سرمو تفاوت کرنے سے فائدہ نہ ہوگا؛

البتہ عذاب قبر کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل نقاط سمجھنا ضروری ہے۔

(۱) یہ مادی دنیا ہے اس میں ہر چیز مادی ہے، لہذا اس سے مرتب شدہ اثرات بھی مادی ہوں گے؛ خواہ فائدہ ہو یا نقصان؛ روپیہ ہو یا پیسے، مال ہو یا دولت، گھر ہو یا گاڑی، یہ سب مادیت کی مثالیں ہیں، ان کے ملنے سے فائدہ، نہ ملنے سے سزا معلوم ہوتی ہے؛

(۲) مرنے کے بعد کی دنیا نفسانی دنیا ہے اس میں جزاء سزا کا تعلق انسانی نفس سے ہو گا؛ اور انسانی نفس لذات اور خواہشات کا گرویدہ ہے، اور یہ لذات و خواہشات مادی نہیں ہیں؛ اگر کسی چیز ذائقے سے نفس مانوس ہو لیکن اس چیز کی شکل وصورت سے نہ مانوس ہو تو بدمزگی حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے ایک چیز ایک شخص کو مزے دار دوسرے کو بدمزہ معلوم ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح قبر کی زندگی اور جزا و سزا کا تعلق نفس سے ہوگا؛ اور جسم یا روح سے نفس کا تعلق اسی قدر ہوگا جس قدر مادی دنیا کا نفس کے ساتھ ہے؛ جب معاملہ اس طرح ہے تو جزا و سزا کی نوعیت کا صحیح پتہ نہ چل سکے گا اس لئے ذات باری تعالیٰ کی طرف سے:

ولکن لا تشعرون

کی نوید سنادی گئی ہے۔

(۳) روح کا تعلق عالم حشر جنت و دوزخ سے ہے: جیسے دنیا میں نماز پڑھنے سے مزا نہیں آتا آخرت میں اس کا بدلہ مزے اور لذت کی شکل میں ملے گا؛ اسی طرح روحانی لذت اور مزا تو اصل ہوگا مگر نفس اور جسم سے اسی قدر متعلق ہوگا جس قدر انسانی جسم کا دنیا میں نفس اور روح سے تعلق ہوگا؛ مگر لذات کا انداز بدل جائے گا اس لئے عذاب قبر کا انکار کرنا، اور آخرت میں جنت و دوزخ خالص روحانی جاننے سے ان کی حقیقت کا انکار لازم آتا ہے ؛اور یہی بات انسان کو کفر کی طرف لے جاتی ہے۔

حقیقی بات یہ ہے کہ یہ تینوں جہان (عالم ارواح؛ عالم دنیا؛ عالم عقبی) اپنی اصل اور حقیقت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں؛ اور انسان جب ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے اس کی لذات و منفعت کی نوعیت بدل جاتی ہے؛ یہ درست رویہ نہیں ہے کہ جو محسوس نہ ہو اس کا انکار کر دیا جائے؛ کیونکہ ضروری نہیں جو محسوسات کی حدود میں نہ آئے وہ معدوم سمجھ کر رد کر دیا جائے ،غیر محسوسات کا رد کر دینا اپنے حواس پر ماتم کرنے کے مترادف ہے؛ اس لئے کہ دنیا میں ہزار ہا اشیاء موجود ہونے کے باوجود محسوس نہیں ہوتیں؛

مثلاً ایٹم Atom ہم دیکھ نہیں سکتے؛ جراثیم Germs ہم محسوس نہیں کر سکتے؛ آواز ریڈیو کے ذریعے سن سکتے ہیں بغیر ریڈیو کے نہیں سن سکتے: تصویر ٹی وی کے ذریعے دیکھ سکتے ہیں بغیر ٹی وی کے نہیں دیکھ سکتے؛ موبائل فون پر کسی سے بات کر سکتے ہیں مگر اس کے بغیر بات نہیں کی جا سکتی؛ یہ اور اس کی ہزار ہا مثالیں ہیں جو اس بات کی شاہد عادل ہیں کہ محسوسات اور حواس بذات خود دھوکہ کھا جاتے ہیں؛ لہٰذا ان کی وجہ سے عذاب قبر یا ایمان کے دوسرے ارکان کا انکار کرنا عقل کی بات نہیں ہے

خلاصہ بحث یہ ہے کہ:

انسانی جسم دنیاوی لذات کا رسیا ہے جبکہ انسانی نفس عالم نفس کا شیدائی اور روح عالم ارواح کے فراق میں بے تاب رہتی ہے۔

دنیا میں انسانی جسم ان تین اشیاء کا مجموعہ ہے؛ لیکن مادیت غالب ہونے کی وجہ سے

تمام اثرات جسم پر مرتب ہوتے ہیں جنکا تعلق اس دنیا سے ہے؛ اور جب تعلق انسانی نفس سے ہو جائے تو ان کے اثرات عالم نفس یا قبر میں مرتب ہوتے ہیں مگر جسم اور روح وہاں بھی ساتھ ہوتے ہیں اسی طرح جنت، دوزخ یا حشر میں جو اثرات مرتب ہوں گے وہ انسانی روح کے ذریعہ نفس اور جسم پر بھی ہوں گے مگر انسان روحانیت سے نا آشناء ہونے کی وجہ سے دنیا میں مادیت کو اصل چیز سمجھتا ہے جبکہ یہ مادیت بچوں کے اخروٹ اور بلور اور انسانی سوچ وفکر سے بھی زیادہ عارضی ہیں۔

باب بستم:

متاؤلین کون ہیں اور ان کا کیا حکم ہے

حدیث نہم:

ابو مطیع فرماتے ہیں:

مجھے حضرت امام ابوحنیفہ نے اپنی متصل سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے بیان فرمایا کہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کے بدترین لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں

انّی فی الجنته

کہ میں تو جنتی ہوں؛ جہنم میں ہرگز نہ جاؤں گا

حدیث دہم:

امام صاحب نے فرمایا کہ

میں تمہیں ابوظبیان سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتا ہوں اور وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری امت کے متاؤلین پر افسوس ہے؟

کسی نے پوچھا اے اللہ کے نبیؐ متاؤلین کون لوگ ہیں؟

تو آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی طرف سے کہیں کہ فلاں شخص جنتی ہے ،اور فلاں شخص جہنمی ہے۔

حدیث یازدہم:

امام اعظم فرماتے ہیں کہ:

میں تمہیں نافع عن ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہوئے بتاتا ہوں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہ نہ کہا کرو کہ میری امت کے فلاں افراد جنت میں اور فلاں افراد جہنم میں ہیں، بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کردو تاکہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے بارہ میں فیصلہ کرے۔

حدیث دوازدہم:

امام صاحب نے فرمایا حضرت حسن بصری سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندوں کو جنت یا دوزخ میں داخلہ کا سرٹیفیکیٹ جاری نہ کیا کرو، یہاں تک کہ قیامت کے روز میں ان کے درمیان فیصلہ کروں، اور ہر ایک کو اس کا مناسب اور صحیح ٹھکانہ دے دوں، اور جو کسی بھی شخص کا اصل مقام ہے اس مقام پر میں ان کو پہنچادوں۔

نوٹ: آج کے دور میں یہ فتنہ عام ہو رہا ہے بعض لوگ تصوف کا جعلی لبادہ اوڑھ کر دعویٰ کرتے پھرتے ہیں کہ ہم آپ کو بتاتے ہیں فلاں جنت میں اور فلاں جہنم میں ہے؛ اپنی جہالت تو ان کی ہے ہی مگر ساتھ ہی تصوف جیسے پاکیزہ چشمے کو ناپاک اور بدنام کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں؛ یاد رکھنا چاہئے کہ کشفِ قبور کے ذریعے اگر کسی کو کچھ معلوم ہوتا ہے تو وہ اس سے کم تر ہے جس پر کسی بات کی بنیاد رکھ کر دعویٰ کیا جاسکے۔ بعض اوقات کشف قبور کا عمل کرنے والے پر اس کا اپنا باطن کھلتا ہے؛ یا کسی مستقل عمل کی وجہ سے میت کے بارے میں فیصلہ کرنا کہ وہ جنت یا جہنم میں ہے سراسر غلط اور گمراہی ہے۔

اور بعض اہل تصوف میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی کی میت کے جنازے میں کوئی

بزرگ شامل ہو گئے تو یہ اس کی بخشش کی نوید اور اگر وہ بزرگ کسی عذر کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے یہ اس میت کے لئے بدشگونی سمجھی جاتی ہے؛ بلکہ میت کے ایمان کے حال میں مرنے کے بعد حسن ظن رکھنا ایمان کا حصہ ہے؛اور بدگمانی کرنا سرے سے غلط ہے، اچھا گمان کرو اچھے الفاظ سے یاد کرو اور میت کے لئے دعا کرتے رہو؛اور ہرگز ہرگز اس کے بارہ میں دعویٰ کرنا کہ وہ جنتی یا جہنمی ہے غلط اور باطل ہے؛اس لئے کہ اگر کوئی کیفیت معلوم ہو بھی جائے جس سے معلوم ہو کہ یہ کیفیت جہنمی ہونے کی ہے؛ تاہم اللہ تعالیٰ کے غیبی نظام پر کسی کو دسترس نہیں ہے؛اور انسان کے اس دنیا میں ہونے کی وجہ سے کسی کو ایک کیفیت سے مختلف معلوم ہوتی ہے اور دوسرے کو اس اپنی کیفیت سے مشابہ معلوم ہوتی ہے لیکن انسان اپنی کم مائیگی اور غیبی نظام سے پوری طرح آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنی طرف سے حتمی فیصلہ کر لیتا ہے؛ یہ ایک قسم کی گمراہی ہے اس سے بچنا ہر اس شخص کے لئے لازم ہے چاہے یہ اشخاص سالکان راہ طریقت میں سے ہوں یا راہروان منزل حقیقت سے از حد ضروری ہے؛ اور بارگاہ ایزدی میں دست بستہ التجاء ہے راہ بیان وصادق وفاء میں ہماری حفاظت فرمائے اور اس بات کی تمنا ہے کہ اللہ ان آزمائشوں میں نہ مبتلا کرے کہ کیفیات خلط ہونے پر راہ گم گشتہ کا راہی بنادے (آمین)

باب بست ویکم

اہل السنّت والجماعت اور اہل بدعت کی امامت کا حکم

(۴۳) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کہ قاتل کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

امام اعظم نے فرمایا:

امام چاہے نیک ہو یا بد اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس صورت میں تمہارے نماز کی ادائیگی کا تمہیں اجر ملے گا اور امام بننے کی اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے امامت کے لئے آگے ہونے کا گناہ ملے گا۔

(نسخہ حسینیہ منقول ہے)

امام اعظم نے فرمایا:

ہر شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ ہر فاسق وفاجر کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو جائز سمجھے۔

کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

صلّوا خلف کل برّ و فاجر

ہر فاسق اور فاجر کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو؛

اس مسئلہ میں روافض کا ہمارے ساتھ اختلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک فاسق وفاجر کے پیچھے نماز درست نہیں ہوتی اور ہمارے نزدیک ہر گناہ گار آدمی کے پیچھے نماز جائز ہے؛ بشرطیکہ وہ بدعتی نہ ہو کیونکہ ہمارے نزدیک بدعتی کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوتی۔

اور جو شخص فاسق وفاجر کے پیچھے نماز کی ادائیگی کو جائز نہیں سمجھتا وہ صحیح معنوں میں بدعتی ہے۔

اس پر امام صاحب نے اپنی سند کے ساتھ امام مکحول شامی سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں کو مرض موت کے وقت کہا:۔

چار باتیں ایسی ہیں جو میرے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سند متصل کے ساتھ پہنچی ہیں اور میں نے اب تک تمہارے سامنے بیان نہیں کیں مگر اب جبکہ میں اس دنیا سے جانے والا ہوں اس لئے آپ کے سامنے بیان کرنے لگا ہوں ان کو دھیان سے سنو اور یاد رکھو اور وہ یہ کہ:

(۱) اہل قبلہ میں سے کوئی شخص اگر چہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے، تو بھی اس کو کافر مت کہو۔

(۲) اور اہل قبلہ سے اگر کوئی شخص خواہ جتنے گناہ کر کے فوت ہوا ہو، اس پر نماز جنازہ ضرور پڑھو۔

(۳) اور ہر امام کی اقتداء میں نماز پڑھ لیا کرو، خواہ اس سے فسق و فجور کا ارتکاب ہی ہوا ہو۔

(۴) اور ہر امیر جو کفار کے ساتھ تمام شرائط کو پورا کرتے ہوئے جہاد کی دعوت دے تو اس کے ساتھ مل کر کفار کے ساتھ جہاد ضرور کرنا۔

امام صاحب سے نسخہ حسینیہ میں یوں منقول ہے۔

اور کسی ایمان والے شخص کے لئے مناسب نہیں کہ اہل السنّت والجماعت کے راستے کی خلاف ورزی کرے کیونکہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

(۱) میری اُمت گمراہی کے راستے پر جمع نہیں ہو سکتی، لہٰذا تمہارے لئے لازم ہے کہ تم سوادِ اعظم کے راستے کو اختیار کرو۔

(۲) اور جو شخص عام مسلمانوں سے اپنا راستہ جدا کرتا ہے وہ حقیقی معنوں میں گمراہ اور بدعتی ہے؛ کیونکہ جماعت کے ساتھ جڑے رہنے اور اس کی حفاظت کا حکم نبی علیہ السلام کی طرف سے دیا گیا ہے اور نبی علیہ السلام کی ایسی سنتوں کی حفاظت فرائض شرعیہ میں سے ہے۔

اور دلیل اس کی اللہ تعالیٰ کا قول ہے جس میں آپ ارشاد فرمایا:

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول (محمد:۳۲)

اطاعت کرو تم اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسولؐ کی

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس کے فرائض کے پورا کرنے سے ؛اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت آپ کی مقرر کردہ سنتوں کی ادائیگی سے لازم ہے؛

اور دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

وما آتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنہ فانتھوا (الحشر:۷)

جو بات رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہیں ملے اس کو لے لیا کرو اور جس بات سے وہ تمہیں منع کریں اس سے رک جاؤ۔

(۴۴) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

میں نے پوچھا کہ مجھے اس طبقہ کے بارہ میں بتائیں جو تلواریں لے کر لوگوں کے خلاف بغاوت کرنے نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

امام اعظم:

یہ لوگ خواہشات نفسانی کے بندے اور اہل بدعت میں سے ہیں اور ان کی مختلف اقسام ہیں سب کے سب جہنمی ہیں۔

حدیث سیزدہم:

امام ابوحنیفہ نے ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیں گے اور وہ سارے کے سارے جہنمی ہوں گے سوائے سواد اعظم کے اور وہ سواد اعظم ہی اہل السنّت والجماعت ہیں۔

حدیث چہاردہم:

امام اعظم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ: رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اسلام میں نئی نویلی بات گھڑے گا وہ آخرت میں ہلاک ہوگا اور جو نئی بدعت ایجاد کرے گا وہ گمراہ ہوگا جو گمراہ ہوا وہ جہنم میں جائے گا۔

حدیث پانزدہم:

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا بدترین کام دین میں نئی نویلی بات پیدا کرنا ہے اور ہر نئی بات (جس کو دین یا جزو دین یا لوازم دین سمجھ کر کیا جائے) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

حدیث شانزدہم:

امام ابوحنیفہ نے احداث اور بدعت سے بچنے کا آسان نسخہ تجویز فرماتے ہوئے ایک روایت حضرت ابن عباسؓ سے اپنی سند متصل کے ساتھ بیان فرمائی:

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے نبی مجھے تعلیم دیجئے اور کچھ سکھایئے؟

جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرآن کی تعلیم حاصل کر؛

اس نے دوبارہ یہ ہی کہا؟

آپ نے پھر وہ ہی جواب دیا۔

حتی کہ تین بار یہ جواب دینے کے بعد حضور اکرمؐ نے فرمایا:

قرآن کی تعلیم حاصل کر، چوتھی بار جب اس نے کہا مجھے تعلیم دیجئے تو ارشاد فرمایا حق بات کو قبول کر، خواہ وہ حق بات کہنے والا شخص آپ کو محبوب ہو یا برا لگے؛ اور پھر فرمایا اور قرآن کی تعلیم حاصل کر اور قران کی تعلیم تجھے جدھر کو جھکائے ادھر جھک جا؛

نوٹ: اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

صلّو خلف کل امام برّ و فاجر لکم صلوتکم وعلیھم الھم

یعنی ہر ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو کیونکہ تمہارے لئے تمہاری نماز اور اس کے

لئے ان کا گناہ ہوگا اگر وہ امام بننے کی شرائط پوری نہ کرنے کی وجہ سے امام بنے اس پر ان عمل پر اس کو گناہ ملنے کی وجہ وہ بذات خود ہے؛

نوٹ: کیونکہ ان کے نزدیک امام کا معصوم عن الخطاء ہونا ضروری ہے؛ یہ ہی وجہ ہے ان کے آئمہ خواہ کتنے بھی سیاہ کارنامے سرانجام دیتے رہیں مگر ان کے نزدیک چونکہ امام معصوم ہوتے ہیں لہٰذا اس کو وہ گناہ نہیں جانتے؛ جبکہ ہمارے نزدیک چونکہ امام کا معصوم ہونا ضروری نہیں

نوٹ: اور اہل قبلہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ کے دین پر (بلا کسی قید) مکمل ایمان رکھتے ہوں. اگر کسی ایک چیز کا انکار کردے تو اہل قبلہ نہ رہیں گے؛ جبکہ گناہ کبیرہ کی وجہ سے کفر میں داخل نہیں ہوتے۔

علامات اہل السنّت الجماعت از مفتاح النجاۃ:

اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہدایت یافتہ ہونے کی سات نشانیاں ہیں اور اہل السنّت والجماعت بھی وہی لوگ ہیں جو ان سات باتوں کو مانتے ہیں اور جو ان کو نہیں مانتے وہ اہل السنّت والجماعت کی حدود سے باہر ہو جاتے ہیں۔

(۱) اہل قبلہ پر کفر یا شرک کی گواہی نہیں دیتے اور نہ ان کو منافق جانتے ہیں یہ تو ظاہری بات ہے؛

(۲) ان کے راز دل کی پوشیدہ باتیں اور مخفی معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں کہ وہ جو چاہے ان کے ساتھ معاملہ فرمائے۔

(۳) اہل قبلہ میں سے کسی کے مرجانے پر ان کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔

(۴) پانچ نماز، جمعہ، جماعت کے ساتھ، اور ہر نیک و بد امام کے اقتداء میں پڑھ لیتے ہیں۔

(۵) ہر نیک و بد خلیفۂ مسلمین کی اقتداء کرتے ہوئے دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کے

لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

(۶) اپنے حکمرانوں اہل فتنہ کے خلاف تلوار کے ذریعہ بغاوت نہیں کرتے اگر چہ وہ ظلم کرنے کی عادت اختیار کریں، اور اللہ تعالیٰ سے ان کی اصلاح اور عافیت کی دعا کے ساتھ انکو حفاظت کے راستے کی طرف دعوت دیتے ہیں اور ان کے لئے ہدایت کی دعا کرتے ہیں ان کی ہلاکت اور برے انجام کی دعا نہیں کرتے۔

(۷) ہر قسم کی خواہشات کو دباتے اور چھپاتے ہیں کیونکہ ہوا و ہوس ابتداء سے انتہاء تک باطل اور بے کار ہیں اور یہ بات عقل مند شخص کے لئے کافی ہے اور اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

امام ابونصر احمد بن احمد الجامیؒ سے مفتاح النجاۃ میں روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے فرمایا جو شخص اہل السنّت والجماعت کے راستہ پر ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے ہر دن کا اجر ایک ہزار انبیاء بنی اسرائیل کے اجر کے برابر دیں گے اور اس کے ہر ایک دن کے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے ایک شہر آباد کرتے ہیں؛ اور اس کے ہر قدم اٹھانے اور رکھنے کے بدلے میں دس نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں درج کی جاتی ہیں، اور اسی راہِ اہل السنّت پر قائم رہتے ہوئے جو شخص نماز پڑھتا ہے با جماعت نماز پڑھتا ہے اس کو ہر رکعت کے بدلہ میں ایک شہید کا اجر اور بدلہ دیا جاتا ہے۔

صحابہ کرام نے پوچھا کہ: آدمی کو کب اور کیسے پتہ چلے گا کہ وہ اہل السنّت والجماعت کے راستہ پر قائم ہے یا نہیں؟ تو حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا جب اپنے دل میں دس باتیں دیکھے اور ان پر پوری دل و جان سے عمل پیرا ہو تو سمجھ جائے کہ وہ اہل السنّت کے راہ پر چل رہا ہے۔

(۱) جماعت کو ترک نہ کرے یعنی مسلمانوں کی جماعت کو کسی صورت میں بھی چھوڑ کر اپنی جماعت بنانے کی کوشش نہ کرے۔

نوٹ: اور آج کل یہ فتنہ عام ہے ہر شخص چھوٹی چھوٹی بات پر نئی جماعت بنانا اور نئی پارٹی

بنانے کی فکر میں رہتا ہے اگرچہ ان کے اکثر مسائل ایک جیسے ہوتے ہیں مگر ایک دو مسائل کے اختلاف کی وجہ سے ایک نئی جماعت معرض وجود میں آ جاتی ہے۔ابتداء میں تو اخلاص ہوتا ہے لہٰذا لوگ محبت کے ساتھ اور اس فرق کو پیش نظر رکھ کر چلتے رہتے ہیں مگر سربراہ کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد تو بس ایک ایسا فرقہ بن جاتا ہے جن کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ہماری غرض وغائیت اور مقصد تخلیق کیا تھا۔ ہر گروہ کے احباب صرف اسی قدر جانتے ہیں کہ جو ہماری جماعت میں نہیں وہ کافر، مشرک، منافق یا کم ازکم بدعتی اور گناہ گار تو ضرور ہے۔جبکہ یاد رکھنا چاہیے کہ چھوٹے موٹے علمی اختلافات کو علمی ہی رہنا چاہیئے ذاتی نہیں بن جانا چاہیے اور نہ ہی ایک الگ فرقہ بن جانا چاہیئے۔

(۲) یہ کہ کسی صحابی کو سب وشتم نہ کرے اور ان کی زندگیوں میں ہو چکی ہوئی بھول چوک کو بیان کر کے مورد طعن وتشنیع نہ بنائے اور خاص طور پر جن کے بارے میں اللہ نے خود فرمادیا:

اولئک الذین امتحن الله قلوبهم لتقوی لهم مغفرة و اجر عظیم

یعنی اس جماعت کو اللہ نے تقویٰ کا لباس پہننانے کے لئے آزمایا تو کامیاب پایا اسی لئے ان کو اجر عظیم کا انعام عنایت فرمایا مگر جدید دور کے پرفتن انداز میں جمہوریت اور اکثریت کا بے ہنگم راگ الاپ کر اللہ تعالیٰ کے کسی کام اور تخلق کو بھی مورد طعن وتنقید بنانا اور یہ جاننا کہ یہ ہماری آزادی کا حق ہے؛ جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے لئے کچھ حدود و قیود مقرر فرمائی ہیں اس پر رکنا اور ان پر قائم رہنا انسانی تخلیق کا اصل مقصد ہے اور اس میں کامیابی ہے۔ورنہ سوائے خسران وعدوان اور مورد غضبان الٰہی کے اور کچھ نہیں ہے۔

(۳) اس امت کے کسی فرد یا جماعت پر اپنی تلوار لے کر حملہ آور نہ ہو اور نہ ہی اس پر جماعت سازی کرے۔

(۴) اور اچھی بری تقدیر کے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہونے کو نہ جھٹلائے کیونکہ وہی اچھائی کو اور برائی کو پیدا کرنے والی ذات ہے؛ تفصیل اس کی امام صاحب کی زبانی اسی

کتاب میں قبل ازیں گزر چکی ہے۔

(۵) اور ایمان میں کسی طرح شک پیدا نہ کرے اور نہ ہی ایمان کے اقرار کو مشیت باری کے ساتھ معلق کرے۔

نوٹ: اس کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ کہ اپنے دعویٰ ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ کی قید لگانے دوسرے یہ کہ معمولی گناہ کی وجہ سے کفر یا شرک یا نفاق کا حکم اور فیصلہ صادر کردے

(۶) اور اللہ کے دین میں شکوک وشبہات پیدا نہ کرے کیونکہ:

اماالذین فی قلوبهم زيغ فيتبعون ماتشابه منه ابتغاء الفتنة

جن لوگوں کے دلوں میں اللہ کی طرف سے کجی اور ٹیڑھا پن پیدا کر دیا گیا ہے وہ اللہ کی آیات میں فتنہ اور آزمائش پیدا کرنے کے لئے مشتبہ باتوں اور شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں۔

(۷) اہل قبلہ میں سے اگر کوئی مرجائے اس پر نماز جنازہ پڑھنا ترک نہیں کرتے خواہ وہ کس قدر گناہ گار ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ اس پر نماز جنازہ پڑھنا اس کی مغفرت کی دلیل نہیں بلکہ مسلمانی کا حق ادا کرنا ہے۔

(۸) اہل توحید اور اہل ایمان کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ان کے کفر کے قائل نہیں ہوتے اگرچہ ان سے گناہ کبیرہ سرزد ہوئے ہوں۔ بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتے ہیں۔

(۹) سفر وحضر میں موزوں پر مسح کرنا شرعی طور پر نہیں چھوڑتے اور ان کے عدم جواز کے قائل نہیں ہوتے ہاں اگر عذر شرعی ہو جس پر مسح کی بجائے دھونا ضروری ہو یا عذر طبعی ہو کہ طبعیت مطمئن نہ ہوتی ہو یہ اور بات ہے مگر عذر طبعی کو عذر شرعی نہیں جانتے۔

(۱۰) ہر نیک و بد امام کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چھوڑتے اور جو شخص ان دس مین سے ایک خصلت یا چند خصلتوں کو چھوڑتا ہے وہ اہل السنّت کے راستے سے اسی قدر دور چلا جاتا ہے۔ امام سہل بن عبداللہ التستری علامات اہل السنّت میں دس باتیں بتائیں ہیں ان میں

صحابہ کرام کے بارے میں سب وشتم نہ کرنیکا تذکرہ بھی کیا ہے

نوٹ: احداث لغت میں کسی بھی نئی بات کو کہا جاتا ہے جو اس وقت دین کا حصہ ہو یا آئندہ چل کر دین کا حصہ بن جائے یہ نہ بنے؛ احداث اور بدعت میں عموم خصوص ہے یعنی ہر بدعت احداث ہے مگر ہر احداث بدعت نہیں ہے؛ اچھی طرح سمجھ لو!

باب بست ودوم:

کتاب اللہ اور کلام اللہ کی حقیقت

نسخہ حسینیہ میں منقول ہے:

قرآن کا نزول اور اس کی حقیقت:

امام اعظمؒ نے فرمایا کہ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ جان لے کہ جو کچھ مصحف میں لکھا جا چکا ہے وہی حقیقت میں قرآن ہے؛ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ جو مصحف میں لکھا ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا قرآن نہیں ہے دراصل وہ شخص نزول قرآن کا انکار کرتا ہے؛

کیونکہ:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تبارک الذین نزّل الفرقان علی عبده (الفرقان:۱)

وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان یعنی حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب نازل فرمائی ہے

(۲) دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

انا انزلناه قرآناً عربیاً (یوسف:۲)

ہم نے قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے

(۳) ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے:

انّانحن نزّلنا الذّکر وانّاله لحافظُون (الحجر:۹)

قرآن کریم کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

(۴) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

آلٓم ذلک الکتاب لاریب فیه (البقرۃ:۱،۲)

الله اعلم بمراده بذلک

یہ کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے

(۵) اور دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

انا نحن نزلنا علیک القرآن تنزیلا (الدہر:۲۳)

ہم نے قرآن کریم کو ایک خاص طریقے سے نازل کیا ہے

(۶) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

طٰہٰ ماانزلنا علیک القرآن لتشقی (طٰہٰ:۱،۲)

طٰہٰ: ہم نے قرآن بدقسمتی کے لئے نازل نہیں فرمایا

(۷) اور ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے:

نَزَّلَ به الروح الامین (الشعراء:۱۹۳)

ہم نے روح الامین کو قرآن دے کر بھیجا ہے۔

اگر کوئی شخص اس بات کا گمان کرے کہ جو مصحف میں ہے وہ قرآن نہیں ہے تو وہ شخص قرآن کریم کے من جانب اللہ نازل ہونے کا انکار کر رہا ہے اور جو نزول قرآن کا انکار کرے وہ ان تمام آیات کا انکار کر رہا ہے۔ کیونکہ لفظ کتاب اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم پر ہی بولا جاتا ہے۔ اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حکم فرمایا کہ قرآن کریم کو پڑھا کریں۔

(۸) اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ

فاقرؤا ماتیسر من القرآن (المزمل:۲۰)

قرآن پڑھو جس قدر آسانی سے پڑھا جا سکے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جو مصحف میں لکھا ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا قرآن نہیں ہے؛ تو سوال پیدا ہوگا کہ ہمیں کس چیز کے پڑھنے کا حکم دیا جا رہا ہے؟

اور دوسری جگہ قرآن کریم کے استماع یعنی اس کی طرف دھیان رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے:

(۹) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واذا قُرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا (الاعراف:۲۰۴)

جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو دھیان سے سنو اور اس کی طرف متوجہ رہو

تو اگر یہ اللہ کی کتاب ہی نہیں تو حکم کس بات کے استماع کا دیا جا رہا ہے؟

کلام اللہ کی حقیقت اور اس کی اقسام:

قرآن کا مفہوم مشہور ہے، اور متن کا ترجمہ بھی ظاہر ہے۔

امام اعظم فرماتے ہیں کہ:

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام نفسی کا نزول فرمائے، اور کلام نفسی، اس کو کہتے ہیں جس میں مخلوق کا کوئی عمل دخل نہیں ہوسکتا بلکہ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کا طریقہ کلام ہے۔

اور جبریل امین بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ہیں۔ ان کو بھی کلام نفسی کا طریقہ معلوم نہیں ہے، اس لئے وہ بھی مخلوقات ربانی میں سے ایک مخلوق ہیں، اور مخلوق اپنی مدعا کو ظاہر کرنے کا وہی طریقہ اختیار کر سکتی ہے جو ان کی جنس اور نوع کے موافق ہو۔ لہٰذا مخلوق کے کلام کا جو طریقہ ہے وہ انہی حروف اور آواز کے اظہار کے ذریعے ہوتا ہے اور جو کلام جبریل امین نے اللہ تعالیٰ کے کلام میں سے سنا تھا وہ کلام نفسی تھا، انہی مفاہیم کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور ان کو سناتے تھے اور نبی علیہ السلام اس کو سنتے اور سمجھتے تھے۔

اور کلام نفسی کی مثال ایسے ہے جیسے قالب انسانی میں روح کی مثال ہوتی ہے اور وہ انسانی جسم میں حیات اور شعور پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہے اور کلام نفسی آواز اور حروف میں ایسا مقام رکھتی ہے جیسے قالب اور جسم میں روح کی مثال ہو اور حروف اور آواز اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے جبکہ کلام نفسی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے صفت ہے اور اس

کی صفات کو مخلوق نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ الفاظ اور حروف کی روح ہے۔

اور یہ دونوں الفاظ اور روح ہمارے سینے میں محفوظ ہیں، ہماری زبانوں کے ذریعے پڑھے اور بولے جاتے ہیں اور ہمارے مصاحف میں لکھنے کا ذریعہ ہیں۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ پر احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

ولقد آتیناک سبعامن المثانی والقرآن العظم (الحجر:۸۷)

اور بے شک ہم نے آپکو سات آیات دوبار اور قرآن عظیم بھی دیا

اب اگر سورۃ فاتحہ کو قرآن نہ مانیں تو اللہ تعالیٰ اس بات کو بطور احسان تذکرہ کر رہے ہیں اس کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔

اور دوسری بات یہ کہ حکم خداوندی ہے کہ مصحف کو بغیر طہارت کے نہ پکڑا جائے؛ جیسے ارشاد فرمایا کہ:

لایمسّہٗ الاالمطھّرون (الواقعۃ:۷۹)

تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نہ چھوؤ مگر صرف پاک ہونے کی صورت میں

اگر مصاحف میں لکھا ہوا قرآن نہ ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں پاکیزہ ہو کر چھونے کا حکم اور ناپاک ہونے کی صورت میں اس کو چھونے سے منع کیوں کیا جا رہا ہے؟

سوال: اگر کہا جائے کہ قرآن صرف اسی کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

یا اللہ تعالیٰ کا کلام صرف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کو سنایا ہے،

یا اللہ تعالیٰ کا کلام صرف وہ ہے جو جبریل امین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے:

یا اللہ تعالیٰ کا کلام صرف وہ ہے جو مصحف میں لکھا ہوا ہے۔

یا اللہ تعالیٰ کا کلام صرف وہ ہے جو پڑھنے کے دوران قاری کی زبان سے جاری ہوتا ہے۔

یہ ساری باتیں ملا کر اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام

ہے، اوراس طرح کا کلام اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور صفت اور موصوف ایک دوسرے کے لازم وملزوم ہوتے ہیں۔

لہٰذا یا تو معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ حادث ہیں یا ہمارے مصحف بھی قدیم ہیں؟

امام اعظم جواب میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ

اس سوال میں ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول بلا حروف، بلا آواز اور بلا ضرورتِ حروف ہجاء ہے۔

جبکہ جبریلؑ نے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حروف آواز اور ہجاء کے روپ میں سنا تھا کیونکہ یہ ان کی مجبوری تھی۔

اور جبریل نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرتے ہوئے اسی طرح پڑھ کر پہنچایا:

اور حضور اکرمؐ نے صحابہ کرام کے لئے انہی شرائط اور آواز کے ساتھ پڑھ کر سنایا:

پھر اس کے بعد صحابہ کرام نے اس کو سنا اور تمام نے اس کو زبانی یاد کرنے اور جمع کرنے پر اتفاق کیا اور ان میں سے کچھ وہ صحابہ کرام جنہوں نے یاد کیا جمع کیا ان کے نام عبد اللہ بن مسعودؓ، عثمان بن عفانؓ ذوالنورین اور علی المرتضی رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ ہیں ان سب نے قرآن کو مصاحف میں لکھا۔

اور یہ قرآن ان مختلف کیفیات اور حالات میں سے ہوتا ہوا جو نزول قرآن سے جمع قرآن تک وارد ہوئے ان تمام احوال کے مختلف ہونے کے ساتھ یہ قرآن مختلف نہیں ہوا بلکہ تمام حالات میں قرآن کریم ایک ہی رہا اور ہے۔

لہٰذا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اور جو اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو سنایا اور جو جبریل نے سنا اور جو جبریل نے قرآن کریم کی شکل میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نازل فرمانے کے لئے لائے اور نبی علیہ الصلوٰۃ الاسلام کے سننے اور جبریل کے سننے میں کوئی فرق نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے اور صحابہ کے جمع

کرنے میں ؛ اور ہمارے پڑھنے میں باوجود فرق ہونے کے قرآن اپنی اصل کے لحاظ سے ایک ہی ہے اس ساری کیفیات کے بدلنے کے باوجود اس قرآن میں کوئی فرق نہیں پڑا اور ان کیفیات کے بدل جانے سے حادث اور قدیم کا حکم اللہ تعالیٰ کے کلام پر نہیں لگایا جا سکتا۔

سوال: کیا یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا قول ہے؟

جواب: جی ہاں یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے!

سوال: اگر پوچھا جائے کہ یہ کب سے اللہ تعالیٰ کا کلام تھا؟

جواب: اس کا کلام الٰہی ہونا (کب) کی حدود سے دور ہے!

سوال: اگر پوچھا جائے کہ یہ کہاں کلام الٰہی کے حکم میں تھا؟

جواب: اس کا کلام الٰہی ہونا (کہاں) کی حدود و قیود سے وراء ہے!

سوال: اگر پوچھا جائے یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کس طرح کلام الٰہی ہے؟

جواب: اس کا کلام الٰہی ہونا کیفیاتِ کیفیہ سے بہت بلند ہے!

سوال: اگر پوچھا جائے کہ یہ قرآن کتنے زمانے یا مدت یا حالات میں کلام الٰہی تھا؟

جواب: اس کا کلام الٰہی ہونا ہر قسم کی کمیت سے بالا اور مدت کی امتداد سے وراء، اور حالات سے بے حال تھا!

سوال: اگر پوچھا جائے کہ اس کا کلام الٰہی ہونا آواز سے ہوا یا بلا آواز کے ہوا تھا؟

جواب: تو جان لو کہ قرآن کریم کا کلام الٰہی ہونا بلا آواز کے ہوا تھا اور اگر کوئی شخص آواز وصوت کی حدود میں ان کو مقید کر کے اس کو کلام الٰہی سمجھتا ہے وہ بدعتی ہے۔ اس سے کسی قسم کا تعلق رکھنے سے پرہیز کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں۔

نوٹ: قراءت متواترہ میں امام شعبہ عن عاصم اور امام ابو عامر شامی، امام کسائی کوفی اور حمزہ کوفی قرات اسی طرح ہے اور چونکہ امام اعظم قرات جو روایت شخصی کے علاوہ ہے نقل کرتے

ہیں ورنہ عام قرآت جو امام حفص کی ہے اس کے مطابق ترحمہ ہو گا اللہ کی طرف سے روح الامین کے اس کا نزول فرمایا ہے۔

نوٹ: آج کے دور میں بعض لوگوں نے یہ عقیدہ بنالیا ہے کہ جیسے ٹیلی فون ہوتا ہے اس کے ایک طرف ایک آدمی بولتا ہے اور دوسری طرف وہ سنتا ہے درمیان میں (Elctrecity) یا بجلی بطور فرشتہ کام کرتی ہے؛ یا اسی طرح کی فرضی باتیں کرتے ہیں ان کا اس طرح کہنا اپنی عقل کے مطابق ہے ورنہ شریعت میں اس کی کوئی مثال یا ثبوت نہیں ملتا؛ کیونکہ فرشتہ اللہ کی وہ مخلوق ہے جو ازل سے جب سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہوئے ہیں اور جب تک پیدا کئے رکھے گا وہ موجود رہیں گے اور اس کو دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ یہ ملائکہ اس وقت سے ہیں جب سے یہ نظام کائنات پیدا ہوا ہے؛ اور جب یہ نظام نہ تھا تو ان کا وجود بھی سرے سے نہ تھا۔ ان کو از خود نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کے اوامر کے تابع اور اس کی مخلوق ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لایعصون الله ماامرهم ویفعلون مایؤمرون

یعنی جو اللہ تعالیٰ انکو حکم دیتے ہیں وہ اس کی فرمانبرداری کرنے اور اس کے حکم کی تعمیل میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں؛ اور یہ کہ اللہ کی غیبی کائنات اسی کے حکم کے مطابق اس کے آغاز تعمیر سے اختتام دنیا تک اس کے حکم بجالانے میں مصروف اور محو ہے؛ اللہ تعالیٰ اگر اس قسم کی باتوں کو سمجھنے کے لئے بطور مثال ذکر کر دیا جائے تو درست ہے مگر اس کو بطور عقیدہ اختیار کرنا سرے سے دہریت کی فکر اور دعوت ہے اس قسم کی سوچ کا دین اسلام سے قطعی طور پر کوئی تعلق نہیں ہے۔

باب بست وسوم:

اللہ تعالیٰ کی مشیت، رضاء اور اس کے امر کی حقیقت

امام اعظم نے ارشاد فرمایا کہ

مشیت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ چاہنے والا ہے اور ارادہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کیونکہ ہر کام کا مرید اور ہر چیز کا ارادہ کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اور امر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو حکم کرنے والی ذات ہے، اور علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو عالم الملک والملکوت ذات ہے، اور کلام اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو متکلم کی صفت ازلی کے ساتھ متصف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فالھمھا فجورھا وتقوٰھا (الشمس:۸)

پھر الہام کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو فسق و فجور کا، اور تقوی و پرہیز گاری کا

اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انا قد فتنّا قومک من بعدک واضلھُمُ السّامِری (طہ:۸۵)

اے موسیٰ ہم نے آپ کے کوہ طور پر جانے کے بعد آپ کی قوم کو آزمایا مگر انکو سامری نے گمراہ کر دیا تھا:

لہٰذا آزمائش میں ڈالنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور گمراہ بھی وہی کرتا ہے ہدایت بھی وہی دیتا ہے مگر برائی کی اللہ تعالیٰ کی طرف ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے نسبت نہیں کر سکتے۔

(۴۵) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کی تخلیق کو ناپسند کرتے ہوں مگر اس کا حکم کرتے ہوں؟ یا کسی چیز کو پسند تو کرتے ہوں مگر اس کا حکم نہ فرماتے ہوں؟

امام اعظم: ہاں ایسا ہوسکتا ہے

(۴۶) ابو مطیع بلخی: وہ کیسے ہوسکتا ہے؟

امام اعظم: اللہ تعالیٰ اسلام کے اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں؛ مگر کافر کے لئے قبول اسلام پسند نہیں فرماتے، اور اسی طرح کافر کے لئے کفر اختیار کرنا تو پسند فرماتے ہیں مگر اپنی تمام مخلوقات میں سے کسی کو کفر اختیار کرنے کا حکم صادر نہیں فرماتے۔

(۴۷) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔

کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے راضی ہوں، مگر اس کے اختیار کرنے کا حکم نہ دیں؟

امام صاحب: ہاں ایسا ہوسکتا ہے، جیسے عبادات نافلہ ہیں انکو اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا اور اس کے عمل کرنے پر اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔

(۴۸) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔

کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا حکم دیں، مگر اس سے راضی نہ ہوں؟

امام اعظم: ایسا ہرگز نہیں ہوتا

(۴۹) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔

آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

امام اعظم: اس کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کے ساتھ اللہ راضی بھی ہوتے ہیں، اور جس چیز سے راضی ہوں اسی کے اختیار کرنے کا حکم بھی فرماتے ہیں۔

کیا تو دیکھتا نہیں؟ کہ اللہ تعالیٰ ایمان سے راضی ہیں اور بندوں کو اسکے اختیار کرنے کا حکم دیا ہوا ہے؛ کیونکہ امر خداوندی اور اس کی رضاء، اصل میں یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے دو مختلف پہلو ہیں۔

(۵۰) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔

کیا اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کی مرضی کے تابع ہے، یا اس کی مرضی کے خلاف ہے؟

امام اعظم: اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی اس کی مرضی ہے!

باب بست و چہارم:

عذاب کی وجہ مشیت باری ہے یا رضائے خداوندی

اہم نوٹ: یہ سوال ابو مطیع نے حضرت امام اعظم سے چار مرتبہ لیکن مفہوم بدل کر پہلے یہاں ۵۱ نمبر پر اس کے بعد ۵۶ نمبر پر، اس کے بعد ۵۷ نمبر پر، کیا اس کے بعد ۵۹ نمبر پر سوال کیا ہے۔

(۵۱) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ بندوں کو عذاب (اور سزا) اپنی رضاء کی وجہ سے دیتے ہیں یا ناراضگی کی وجہ سے دیتے ہیں؟

امام اعظم: بلکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو عذاب اس بناء پر دیتے ہیں کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والا کام کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کافر کو اس کے کفر کی وجہ سے عذاب دیتے ہیں مگر اس کے کفریہ عمل سے راضی نہیں ہوتے۔ اس طرح انسانوں سے ارتکاب گناہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہیں ہوتے۔ اسی بناء پر مرتکب معاصی کو عذاب دیتے ہیں۔

(۵۲) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ بندوں کو عذاب ایسے کاموں کی وجہ سے دیتے ہیں جو ان کی مشیت اور چاہت کے مطابق ہوں یا ایسے اعمال کی وجہ سے جو ان کی مشیت اور چاہت کے مطابق نہ ہوں؟

امام اعظم: اللہ تعالیٰ ان کاموں پر عذاب دیتے ہیں جو ان کی مشیت اور چاہت کے مطابق ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وجہ کفر اور گناہ کے کاموں کا ارتکاب ہے۔

اور کافر کے لئے کفر اور اسی طرح عاصی کی معصیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عین مطابق ہوتی ہے۔

(۵۳) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔

کیا آپ یہ بات نہیں کہہ چکے کہ: معاصی اور کفریہ اعمال اللہ تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے معرض وجود میں آتے ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کی رضاء کی وجہ سے ہوتی ہے؟

امام اعظم: ہاں بات تو ایسے ہی ہے کہ: مشیت باری تعالیٰ، اس کا ارادہ، اس کا فیصلہ، اور اس کے علاوہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کی مرضی کی وجہ سے معرض وجود میں آتی ہیں۔

ہاں کبھی بندے سے صادر شدہ فعل اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت دونوں کی موافقت کا تقاضا کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کیلئے کئے جانے والے تمام نیکی اور فرمانبرداری والے کام اور کبھی بندے سے صادر ہونے والے افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ مگر اس کی مرضی کے خلاف صادر ہوتے ہیں جیسے انسان سے صادر ہونے والے گناہ اور بُرے اعمال۔

(۵۴) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اس سے تو یہ پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کی مشیت دو جدا گانہ چیزیں ہیں؟

اگر بات ایسے ہی ہے تو یہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کے حکم سے مقدم ہے؟ یا اللہ تعالیٰ کا حکم اس کی مشیت سے مقدم ہے؟

امام اعظم: اس کی مشیت اسکے حکم سے مقدم ہے؛

(۵۵) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔

تو کیا اللہ تعالیٰ کی مشیت، اس کی رضاء (مرضی کے مطابق ہونے) کی وجہ سے ہے یا نہیں؟

امام اعظم: ہاں وہ اللہ تعالیٰ کی رضاء (مرضی) کی وجہ سے ہے۔

اس جواب کے بعد مشیت باری تعالیٰ کے درجات ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

(۱) جو شخص اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق عمل کرتا ہے، گویا وہ اللہ تعالیٰ کی رضاء پر عمل

کرتا ہے۔

(۲) جو شخص اللہ تعالیٰ کی مشیت، اور اس کی اطاعت، اور اسکے حکم کی تعمیل میں عمل بجالاتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف اور رضاء کے مطابق عمل بجالاتا ہے۔

(۳) جو شخص اللہ تعالیٰ کی مشیت، اور اس کے حکم کے خلاف عمل کرتا ہے، وہ اللہ کی رضاء پر عمل نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت پر عمل کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اس کی رضاء شامل نہیں ہے:

(۵۶) ابو مطیع بلخی نے پوچھا: یہی سوال ابو مطیع نے حضرت امام اعظم سے پہلے ۵۱ نمبر پر کیا اور اب دوبارہ لیکن مفہوم بدل کر کیا جا رہا ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ بندوں کو عذاب اپنی رضامندی والی باتوں پر دیں گے؛ یا ناراضگی والی باتوں پر دیں گے؟

امام اعظم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی ناراضگی والی باتوں کی وجہ سے عذاب دیں گے جیسے معصیت کا راستہ اختیار کرنا وغیرہ۔ کیونکہ معصیت بندے کا فعل ہے اور مشیت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اور اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔

(۵۷) ابو مطیع بلخی نے پوچھا: (یہی سوال ابو مطیع نے حضرت امام اعظم سے پہلے ۵۶ نمبر پر کیا اور اب دوبارہ لیکن مفہوم بدل کر کیا جا رہا ہے)

میں نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ بندوں کو اس بناء پر عذاب دیتے ہیں کہ وہ ان سے راضی ہوتے ہیں یا اس بناء پر عذاب دیتے ہیں کہ وہ ان سے ناراض ہوتے؟

امام اعظم: بلکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ایسے کاموں پر عذاب دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی بجائے ناراضگی والے کام ہوتے جیسے کفر اختیار کرنا وغیرہ، لیکن اللہ تعالیٰ اس بات پر تو راضی ہوتے ہیں کہ ان کو عذاب دیا جائے اور ان سے اطاعات وفرمانبرداری والے کام چھوڑنے کی وجہ سے انتقام لیا جائے، اور ان سے معاصی کے ارتکاب کی وجہ سے مؤاخذہ کیا جائے۔

(۵۸)ابو مطیع بلخی نے پوچھا:
کیا اللہ تعالیٰ کی مشیت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ کوئی مؤمن کفریہ اعمال کو اختیار کرے یا نہیں؟
امام اعظم: ہرگز نہیں۔
بلکہ اللہ تعالیٰ کسی مؤمن کے لئے ایمان چاہتے ہیں جیسے کسی کافر کے لئے کفر چاہتے ہیں۔
اور جیسے زانی کے لئے زنا چاہتے ہیں۔
اور جیسے چور کے لئے چوری کے عمل کو چاہتے ہیں۔
اور جیسے اہل علم کے لئے حصول علم۔
اور اصحاب خیر کیلئے خیر اور اچھائی کے اختیار کرنے کو چاہتے ہیں۔
اور اللہ تعالیٰ کفار کے لئے اس وقت سے کفر چاہتے ہیں کہ ابھی کفار کو پیدا بھی نہیں کیا گیا تھا، اور ان کے لئے ابھی یہ فیصلہ نہیں کیا گیا تھا کہ اس مخلوق میں سے ایک گروہ کافروں کا اور دوسرا گروہ گمراہ لوگوں کا ہوگا۔
(۵۹)ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔(یہی سوال ابو مطیع نے حضرت امام اعظم سے پہلے ۵۷ نمبر پر کیا اور اب دوبارہ لیکن مفہوم بدل کر کیا جا رہا ہے)
اللہ تعالیٰ کفار کو عذاب دیتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مرضی پوری کرتے ہیں، یا اس وجہ سے کہ ان کا پیدا کرنا اس کی مرضی کے مطابق نہیں ہے؟
امام اعظم: بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دیتا ہے اس وجہ سے کہ ان کا پیدا کرنا اس کی مرضی کے مطابق ہوا ہے۔
(۶۰)ابو مطیع بلخی نے پوچھا:
آخر اس کی کیا وجہ ہے؟
امام اعظم: کیونکہ اللہ تعالیٰ کفار کو عذاب اور عقاب تو ان کے کفر کی وجہ سے دیتے

ہیں، اور کفر اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں سے نہیں ہے؛ اگر چہ اللہ تعالیٰ اس بات پر تو راضی ہیں کہ کافروں کی تخلیق کریں، البتہ خاص کفر سے وہ راضی نہیں ہوتے، اسی طرح معاصی اللہ تعالیٰ کی رضامندی نہیں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

ولایرضی لعبادہ الکفروان تشکرویرضہ لکم (الزمر:۷)

اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کفر اختیار کرنے پر راضی نہیں ہوتے اور اگر تم اللہ تعالیٰ کا شکر کروگے تو وہ تم سے راضی ہو جائے گا

(۶۱) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کیا آپ نے یہ نہیں کہا کہ معاصی اور کفر اللہ تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے معرض وجود میں آتے ہیں، اور کیا اس کی مشیت اس کی رضا کا دوسرا نام نہیں ہے؟

امام اعظم: ہاں ہم نے اس سے پہلے کہا ہے کہ: ''مشیت باری تعالیٰ، اس کا ارادہ، اس کا فیصلہ، اور اس کے علاوہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کی مرضی کی وجہ سے ہی معرض وجود میں آتے ہیں۔

البتہ کبھی کبھار بندے سے صادر شدہ فعل اللہ تعالیٰ کی مرضی کے ساتھ اس کی مشیت کا بھی تقاضا کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے تمام نیکی اور فرمانبرداری والے کام؛

اور کبھی بندے سے صادر ہونے والے فعل صرف مشیت باری تعالیٰ کے ساتھ مگر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف صادر ہوتے ہیں جیسے انسان سے صادر ہونے والے گناہ اور کفر اور تمام بُرے اعمال''

اس کو اعیان میں اعتبار کر کے بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خاص کافر کو پیدا کیا اور اس میں کوئی اختلاف والی بات نہیں ہے جیسے ابلیس کی تخلیق ہے؛ اب اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق پر تو راضی تھے تبھی اس کو پیدا کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ کفر یا ابلیس کے فسق پر ہر گز راضی نہ تھے؛

اور اسی طرح شراب اور خنزیر کے پیدا کرنے پر اللہ تعالیٰ راضی تو تھے مگر خاص انہی

کو پیدا کرنے میں راضی نہ تھے اور اسی طرح کی صورت احوال اعیان سے آگے بڑھ کر انسانی افعال میں سمجھ لینی چاہئے۔

(۶۲) ابو مطیع بلخی نے پوچھا: آخر ایسا کیوں ہے؟

امام اعظم: اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو تو پیدا کیا اور اس کے پیدا کرنے سے وہ راضی بھی تھے، مگر اس کے فسق و فجور اور انسانوں کے اغواء کرنے کے عمل سے راضی نہیں تھے۔

اسی طرح شراب، خنزیر کو پیدا کرنے پر وہ راضی تو تھے مگر ان کے برے اثرات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خاص ان کی تخلیق سے راضی نہیں تھے۔

(۶۳) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

آخر اس کی کیا وجہ ہے اور ایسا کیوں ہے؟

امام اعظم: اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ شراب کی تخلیق سے راضی ہوتے تو انکو شراب پینے والے سے بھی راضی ہونا چاہئے تھا؛ کیونکہ وہ شخص شراب خوری اسی کی رضا سے کر رہا ہوتا ؛لیکن اللہ تعالیٰ شراب اور ابلیس سے ان کے افعال اور نتیجہ کی وجہ سے راضی نہیں ہے البتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ان سے صادر ہونے والے تمام اعمال سمیت راضی ہیں؛

نوٹ: ۵۳ اسی کو آسان مثال سے یوں سمجھ لو کہ: اللہ تعالیٰ نے کفار کو تو پیدا کیا ہے اور اس میں کسی کا کوئی شک اور اختلاف بھی نہیں اور اللہ تعالیٰ کافر کے کفر سے راضی نہیں ہے اسی طرح شراب خنزیر اور ان کے استعمال کرنے سے صادر ہونے والے تمام افعال پیدا تو اللہ تعالیٰ نے کئے مگر ان سے راضی نہیں ہے وغیرہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو!

باب بست و پنجم:

تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کی ہیں

امام اعظم نے تمام مخلوقات کی پیدائش والی خاص فطرت پر پیدا کئے جانے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ابتدائے تخلیق کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تین قسمیں بتائی ہیں:

(۱) مطیعین: ان میں اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو صرف اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے پیدا کیا ہے، اور انکو ہر قسم کی نافرمانی اور گناہ سے محفوظ پیدا کیا ہے؛ سوائے ہاروت اور ماروت کے ان کو باقی فرشتوں کی تخلیق کے اصل قاعدے سے مستثنیٰ کر کے پیدا کیا ہے؛

(۲) متمردین: ان میں تمام شیاطین شامل ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ نے شر اور فساد کے لئے پیدا کیا ہے؛ ان میں سوائے ایک شیطان کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلط کیا گیا تھا جسکا نام ھام بن ھیم بن قیس بن ابلیس تھا؛ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تو وہ آپ کے دست مبارک پر مسلمان ہو گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سورۃ الواقعہ، سورۃ المرسلات، سورۃ النباء، سورۃ التکویر، سورۃ الکافرون، سورۃ الاخلاص، اور المعوذتینکی تعلیم دی تھی؛ یہ شیطان عام شیطانوں کی تخلیقی فطرت سے مستثنیٰ پیدا کیا گیا تھا؛

(۳) فطریین: انسانوں اور جنوں کو اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت پر پیدا کیا؛

(۶۴) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے جو یہودی کہتے ہیں:

یداللہ مغلولۃ غلت ایدیھم (المائدۃ:۶۴)

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، حالانکہ انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔

تو کیا اللہ تعالیٰ ان کے اس قول پر راضی تھے یا انہوں نے اپنی مرضی سے یہ بات کہی ہے؟

امام اعظم: نہیں اس بات کے کہنے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی شامل نہیں تھی۔

اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

سوال: آپ ان سے پوچھیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ساری مخلوق کو فرشتوں کی طرح اپنا مطیع اور فرمان بردار بنا سکتے تھے یا نہیں؟ اور کیا اس بات پر اللہ تعالیٰ قادر ہیں یا نہیں؟

جواب: (۱): اگر وہ نہیں میں جواب دیتا ہے؛ تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ بات کرتے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں نہیں کی؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

وهو القاهر فوق عباده (الانعام:۱۸)

وہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب رہنے والا ہے

اور دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

قل هو القادر على ان يبعث عليكم عذابا من فوقكم (الانعام:۶۵)

اے نبی آپ فرما دیجئے کہ: اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو قادر ہے اس بات پر کہ تم میں سے کسی پر عذب نازل فرمادے۔

اس جواب کے ذریعے جو انہوں نے اوپر دیا ہے وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر اپنی مطیع اور فرمانبردار مخلوق پیدا نہ کر سکنے کا الزام لگا رہے ہیں اور اس بات کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محتاج اور مجبور ہیں؛

(۲) اور اگر وہ مندرجہ بالا سوال کا جواب ہاں میں دیں، اور کہیں کہ ہاں اللہ تعالیٰ سب مخلوقات کو فرشتوں کی طرح اپنی مطیع و فرمانبردار بنانے پر قادر ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قل فللّٰه الحجّة البالغة فلو شاء لهداكم اجمعين (الانعام:۱۴۹)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ صحیح معنوں میں حجۃ تو اللہ تعالیٰ کے لئے

ثابت ہے اس لئے اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لو شاء لجعلكم امة واحدة ولكن ليبلوكم فی ما آتاكم

(المائدة:۴۸)

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک اُمت بنا دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت لوگوں کو دی ہے اس کی بناء پر اللہ تعالیٰ تم سب کو آزماتے ہیں

سوال: ان سے پوچھنا چاہئے کہ کیا اللہ تعالیٰ ابلیس کو جبریل کی طرح فرمانبردار اور مطیع بنانے کی طاقت رکھتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اگر وہ جواب نہیں میں دین اور کہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کی قدرت نہیں رکھتے؛ تو انہوں نے اپنی بات کا خود رد کر دیا ہے؛ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ جیسی صفات کا انکار کر دیا؛

سوال: اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ: جو شخص زنا کرتا ہے، یا چوری کرتا ہے، یا کسی پاک باز شخصیت پر تہمت لگاتا ہے، تو کیا اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے نہیں؟

جواب: ہاں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔

سوال: تو پھر اس پر سزا کے طور پر حد کیوں جاری کی جاتی ہے؟

جواب: اس کو کہا جائے گا کہ اس پر حد تو اللہ تعالیٰ کا حکم اور اور اس کے امر کی تکمیل کے لئے جاری کی جاتی ہے کیونکہ مجرم پر حد جاری کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، لہذا اس کے حکم کی تعمیل اس کی مشیت کی تکمیل کے لئے کی جائے گی کیونکہ اگر غلام کا چوری کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جائے تو یہ کام دو وجوہ کی بنا پر ہوگا:

(ایک) تو اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہو؛

(دوسرا) اس لیئے کہ لوگوں کے حقوق کی اچھی طرح حفاظت ہو سکے۔

اب اگر لوگ مجرم کے جرم کو معاف کر دیں اور اس کو آزاد کر دیں تو ان کا معاف

کرنا بھی قابل تعریف ہوگا۔

اور یہ دونوں کام یعنی چور کا چوری کرنا اور اس جرم میں بطور سزاء اس کا ہاتھ کاٹا جانا دونوں کام اللہ تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے ہیں؛ یعنی گناہگار سے اس کا گناہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے صادر ہوا، اور اس جرم پر حد جاری ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری کرنے کے لئے لگائی گئی، اگرچہ ایک کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل ہے اور دوسرے کام میں رضا شامل نہیں ہے؛ لہذا تمام ایسے کام جن میں احکام شرعیہ کی مخالفت کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عین مطابق ہونے کے باوجود اس کی رضا کی بجائے ناراضگی کا ذریعہ ہیں؛ اور ایسا شخص اپنے اس قسم کے افعال میں راہ عدل کی بجائے راہ ظلم اختیار کئے ہوئے ہے۔

اگر یہ بات واضح ہوگئی ہے تو اب یہ سوال کرنا کہ ''مجرم پر حد کیوں جاری کی جاتی ہے؟'' یہ سوال فاسد اور بے معنی ہوگیا ہے؛ کیونکہ یہ سوال کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے بہت سارے گناہ کے کاموں میں اس کی مشیت ثابت نہیں کرتے؛ بلکہ ان کے نزدیک بہت سارے کام اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر ہی صادر ہوجاتے ہیں لہذا ان کے نزدیک ایسے کام جو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر صادر ہوں ان پر حد جاری نہیں ہونی چاہئے۔

مثلاً اگر کوئی شخص شراب خوری کرتا ہے یا اس کے جتنے معاصی ہیں وہ سارے اللہ تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے ہیں ان پر حد بھی جاری نہ ہونی چاہئے، جبکہ امام صاحب نے یہاں مسئلہ واضح کردیا کہ اللہ تعالیٰ کی رضاء سے کیا گیا عمل اس کی خوشنودی کا باعث ہے؛ جبکہ اس کی مشیت سے کیا گیا کوئی بھی عمل ضروری نہیں کہ اس کی خشنودی کا باعث ہو؛

نوٹ: ۱، ۲، ۳ اور اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو پیدا فرماتے ہوئے کفر اور اسلام سے سالم رکھا اب جو چاہے اسلام قبول کرلے اور جو چاہے کفر اختیار کرلے؛ پھر ان کو معصوم پیدا نہیں فرمایا بلکہ گناہ کرنا ان کی فطرت میں رکھ دیا؛ سوائے انبیاء اور رسولوں کے کیونکہ انبیاء کا طبقہ کبائر سے محفوظ کردیا گیا ہے وجہ اس کی یہ کہ اگر انکو گناہ سے محفوظ نہ کیا جاتا تو اللہ تعالیٰ

کے پیغام پہچانے میں خلل واقع ہوجاتا اور بعض جھوٹے لوگ دعوائے نبوت کرتے اور لوگوں کو گمراہ کرتے اسی لئے جھوٹا آدمی نبوت کی اہلیت سے محروم ہوجاتا ہے البتہ ان پاکیزہ ہستیوں کے لئے صغائر اور معمولی بھول چوک بشری تقاضوں کے پیش نظر جائز رکھی گئی ہے تاکہ عام انسان ان کو مافوق الفطرت ہستیاں نہ سمجھنا شروع کردیں کیونکہ اس سے نبوت کا اصل مقصد فوت ہوجاتا۔

باب بست وششم:

ایمان اور گناہ کا تعلق اور مؤمنین کی تکفیر

نسخہ حسینیہ میں منقول ہے:

امام اعظم نے فرمایا:

جان لو! کہ کسی مؤمن کو گناہ کی وجہ سے نہ تو کافر کہا جائے گا اور نہ ہی اس کو ایمان سے خارج جان کر اس کے بارے میں کفر کا فتویٰ دیا جائے گا؛ اس مسئلہ کو ایسے سمجھو جیسے نیکیاں کرنے والا شخص اپنی نیکیوں کے زور پر دائرۂ کفر سے نکل کر احاطۂ ایمان میں داخل نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ وہ لوازمات ایمان نہ پورے کرلے؛ اسی طرح کوئی مؤمن چاہے جتنے بھی گناہ کرتا رہے وہ اس وقت تک دائرۂ کفر میں داخل نہیں ہوسکتا جب تک دائرۂ کفر میں داخل ہونے کا باقاعدہ اقرار نہ کرلے؛

(۱): اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

یا ایّھا الذین آمنوا توبوا الی اللہ توبۃً نّصوحا (التحریم:۸)

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پکی سچی توبہ کرو

اب اس آیت میں ایمان والوں کے ایماندار ہونے کا اقرار بھی ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کا حکم بھی ہے اگرچہ ان سے زنا شراب خوری وغیرہ جیسے ہر قسم کے گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہوگا۔

(۲) اسی طرح قصۂ آدم علیہ السلام میں آدم علیہ السلام کو درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا اور جب غلطی سے آدمؑ نے اسی درخت ممنوعہ کا پھل کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کا تذکرہ ان الفاظ سے فرمایا:

وعصٰی آدم ربہٗ فغوی (طہٰ:۱۲۱)

آدمؑ نے اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی؛ اس مقام پر آدم وعلیٰ نبینا علیہ السلام کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا: وکفر آدم؛ یعنی آدم نے اپنے پروردگار کا کفر کیا۔

(۳) اور اسی طرح ہاروت اور ماروت نے جب شراب پی؛ اور زنا کا ارادہ کیا تو اللہ کی طرف سے انہوں نے دنیاوی عذاب کو آخرت کے عذاب پر ترجیح دی؛ اور ان کے اس عمل پر کفر کا فیصلہ نہیں دیا گیا اور نہ ہی انہیں کافر کہا گیا ہے اسی طرح جو شخص گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہے اس کی تکفیر نہ کی جائے گی۔

(۴) اور اسی طرح ایک روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دنیا میں ہدایت یافتہ ہونے کی سات نشانیاں ہیں: اور یہی اہل السنّت والجماعت کی علامات ہیں اگر کوئی شخص ان میں سے جتنی باتوں کے خلاف عمل کرتا یا عقیدۃ رکھتا ہے وہ اتنا ہی اہل السنّت والجماعت کے راستے دور ہے اور وہ سات باتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

اہل السنّت والجماعت کی سات نشانیاں:

(۱): اہل قبلہ (یعنی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر بلا کسی شرط وقید ایمان لاتا ہے) کے بارے میں کفر، شرک، یا منافقت، کا فتوی یا گواہی نہیں دیتے؛

(۲): لوگوں کے دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو کریدنے کی بجائے ان کا معاملہ اور فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں؛

(۳): اہل قبلہ میں سے اگر کوئی مر جائے اس کی نماز جنازہ میں شریک ہوتے ہیں؛

(۴): پانچ نمازیں اور جمعہ، ہر نیک و بد امام کی اقتداء میں با جماعت ادا کرتے ہیں؛

(۵): ہر دشمن اسلام کے خلاف جہاد کرنے کے لئے ہر نیک و بد خلیفہ اور امیر کی اطاعت کرتے ہیں۔

(۶): مسلمانوں کے کسی امام اور مقتداء کے خلاف مسلح بغاوت نہیں کرتے؛ اگر چہ وہ ظلم

وستم کا بازار گرم رکھے، البتہ اسکے لئے اصلاح اور برے راہ سے عافیت کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہتے ہیں، اس کی تباہی اور ہلاکت کی بد دعا نہیں کرتے؛

(۷): تمام خواہشات نفسانی کو چھوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لئے کہ خواہشات نفسانی اول سے آخر تک باطل پر مبنی ہیں۔

(۶۵) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

میں نے کہا جو شخص گناہ گار کو اس کے گناہ کی وجہ سے کافر کہے اسکا جواب کیا ہوگا؟

امام اعظم: اس کے جواب میں یوں کہا جائے کہ:

(۱): اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

وذالنون اذذهب مغاضبا فظنّ ان لن نّقدرعليه فنادىٰ فى الظّلمات ان لااله الاانت سُبحانك انّى كُنتُ من الظّالمين

(الانبیاء:۸۷)

(کہ مچھلی والا (یونسؑ) جب غصہ کی وجہ سے بستی چھوڑ کر چلے گئے شائد وہ یہ خیال کرتے ہوں کہ ہم اس کے پیش آمدہ حالات پر قدرت نہیں رکھتے، پھر وہ ہماری قدرتوں کے آشکارہ ہونے پر اندھیروں میں پکارنے لگے کہ: اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے؛ میں تو ہمیشہ سے ہی ظالموں میں سے رہا ہوں

ان آیات میں یونسؑ کا وہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے؛ جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر اس بستی کو چھوڑ کر چلے گئے تھے جس میں آپؑ کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا؛ ابھی راستے میں کشتی پر سوار تھے کہ طوفان آ گیا لوگوں نے کہا ہم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو اپنے مالک سے بھاگا ہوا ہے؛ وہ شخص معلوم نہ ہونے پر انہوں نے قرعہ کے ذریعے معلوم کیا جو اس دور کی شریعت میں جائز تھا، اور ہر مرتبہ قرعہ میں یونسؑ کا نام نکلتا تھا؛ جس پر انہوں نے لوگوں کے کہنے پر اپنی مرضی سے سمندر میں چھلانگ لگا دی؛ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مچھلی کو حکم دیا اس نے آپؑ کو نگل لیا؛ اب یونسؑ ہر طرف جب سے اندھیرے میں گھرے ہوئے تھے تو اس اندھیرے

میں جو مچھلی کے پیٹ، اور سمندر کی تہہ، اور کالی رات میں تھا، تو یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ دعاء پڑھی؛ قرآن کریم کی آیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یونسؑ کے اس عمل پر ان کو ظالم مؤمن کہا گیا ہے، کافر یا منافق نہیں کہا گیا ہے؛

(۲): اور اسی طرح یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے:

قالوا یا ابانا استغفر لنا ذنوبنا انا کنا خاطئین (یوسف:۹۷)

کہا انہوں نے اے ہمارے باپ! ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کر کہ ہمارے گناہ اور خطائیں معاف ہوں۔

یہاں بھائیوں کے برے عمل کی وجہ سے ان کو گناہ گار تو کہا گیا ہے کافر نہیں کہا گیا ہے؛

(۳): اسی طرح حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا:

لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتأخر (فتح:۲)

تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے آئندہ اور گذشتہ گناہ معاف فرمادے

گناہ معاف کئے جانے کا کہا گیا ہے، کفر میں مبتلاء ہونے یا کفر کی معافی دیئے جانے کا نہیں کہا گیا۔

(۴): اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام نے ایک بنی اسرائیلی کو قتل کیا تو ان کو اس قتل کی وجہ سے گناہ گار کہا گیا، نہ کہ کافر

لہٰذا مندرجہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ ارتکاب گناہ سے خطا کار یا غلطی کا مرتکب قرار دیا جا سکتا ہے؛ نہ کہ ان کی وجہ سے ان کے بارے میں کفر کا فیصلہ صادر کیا جائے گا۔

نوٹ: اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا:

استغفر لذنبک وللمؤمنین والمؤمنات (محمد:)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اور تمام مؤمن مردوں اور عورتوں سے گناہوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے توبہ کیجئے)

اس میں اپنے کفر یا کافروں کے لئے توبہ کرنے کا نہیں کہا گیا؛

باب بست وهفتم:

ایمان میں شک کی حقیقت اوراس کا حکم

(٦٦)ابو مطیع بلخی نے پوچھا:
جب کوئی شخص کہے ان شاء اللہ میں مؤمن ہوں؛ تو اس کو جواب میں کیا کہا جائے گا؟
امام اعظم نے فرمایا کہ: اس کو جواب میں کہا جائے گا
(١): اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
ان الله وملئكته يصلون على النبى، ياايها الذين آمنوا صلّوا عليه وسلموا تسليما (الاحزاب:٥٦)
بے شک اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کثرت سے دعائے رحمت کرتے ہیں؛ اے ایمان والو! تم بھی کثرت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود (نزول رحمت باری تعالیٰ) کی دعا کیا کرو
اب اگر تم مؤمن ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو، اور اگر مؤمن نہیں تو نہ پڑھو۔
(٢): اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
يا ايها الذين امنوا اذا نودى للصّلوة من يّوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله (الجمعۃ:٩)
اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے، تو اللہ کے ذکر کی طرف پوری کوشش سے دوڑ پڑو
اب اگر آپ ایمان والے ہو تو نماز جمعہ کا حکم تم پر لاگو ہوگا، اگر ایمان والے نہیں تو بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔
اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ:

حدیث ہفت دہم:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جو شخص اللہ کے بارہ میں شک کرتا ہے اس کا یوں شک کرنا اس کی تمام نیکیوں کو زائل اور باطل کرنے کا باعث بن جاتا ہے؛ اور جو شخص ایمان لے آتا ہے اور گناہوں سے علیحدگی اختیار کر لیتا ہے؛ اب اس کے لئے مغفرت کی امید کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا اور عذاب کا خوف بھی ہے؛ یعنی اللہ چاہے تو اس کو معاف کر دے اور چاہے تو اس کے گناہوں کی وجہ سے اس کو سزا دے حضرت معاذؓ کی یہ بات سن کر ایک سننے والے نے سوال کیا۔

سوال: سائل نے حضرت معاذؓ سے وضاحت چاہتے ہوئے کہا کہ اسکا مطلب یہ ہوا کہ جیسے شک کی وجہ سے ایمان اور تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں، اسی طرح ایمان لانے کی وجہ سے بندے کے تمام گناہ زائل ہو جاتے ہیں؟

جواب: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دینے کے انداز میں توثیق کرتے ہوئے کہا:

قسم بخدا! میں نے اس آدمی سے زیادہ سمجھدار آدمی نہیں دیکھا۔

(۶۷) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کسی شخص سے پوچھا جائے کہ: تو مؤمن ہے یا نہیں؟ وہ جواب دے کہ میں نہیں جانتا؛ تو اس کے بارے مین کیا حکم ہے؟

امام اعظم نے:

ایسے شخص کے بارے میں سوال و جواب کے ذریعے بات اچھی طرح واضح کر کے سمجھائی ہے؛ اور فرمایا کہ:

سوال: اس سے پوچھا جائے کہ تیرا یہ کہنا ''میں نہیں جانتا'' عدل کی وجہ سے ہے، یا ظلم کی وجہ سے، یعنی تم یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرتے ہیں اور کسی

پر ظلم وزیادتی نہیں کرتے یا اس کے علاوہ کسی اور بناء پر تم نے یہ کہا ہے؟

جواب: اگر وہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے عدل کے قائل ہونے کی وجہ سے یہ بات کہی ہے۔

سوال: تو اس سے پوچھو کہ جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ عدل ہے؟ کیا آخرت میں بھی بندوں کے فیصلہ کرنے میں وہی طریقہ عدل ہوگا؟ یا وہاں کوئی اور طریقہ ہو جائے گا؟

جواب: اگر وہ ہاں میں جواب دے اور کہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ عدل وانصاف دنیا وآخرت میں یکساں ہے۔

سوال: تو اس سے پوچھو کہ: تم (۱) عذاب قبر؛ (۲) منکر نکیر اور (۳) ہر اچھی اور بری تقدیر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر ایمان رکھتے ہو یا نہیں؟

جواب: (۱): اگر وہ جواب دے کہ: ہاں، میں ان سب باتوں کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر ایمان رکھتا ہوں۔

امام اعظم نے فرمایا: اس کو مؤمن کہیں گے۔

(۲): اور اگر وہ جواب میں پھر یہی کہے کہ "میں نہیں جانتا"

امام اعظم نے فرمایا کہ: اس کو جواب میں یوں کہو کہ نہ تم جانتے ہو، نہ سمجھتے ہو، اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا وآخرت میں تمہاری کامیابی بھی ممکن نہیں ہے؛

باب بست وهشتم :

جنت اور دوزخ کے بارے میں

(٦٨) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

جو شخص یہ کہے کہ جنت اور دوزخ اللہ تعالیٰ کی پیدہ شدہ مخلوق نہیں بلکہ دائمی اور خود بخود سے ہیں کسی خالق کی تخلیق نہیں ہیں؛ یا یہ کہے کہ وہ پیدا نہیں ہو چکی ہیں بلکہ قیامت کے دن انکو پیدا کیا جائے گا؛

امام اعظم نے فرمایا: اس سے پوچھو کہ جنت اور جہنم تمہارے نزدیک شئے کی تعریف میں آتی ہیں یا نہیں؟

اگر وہ کہے کہ ہاں شئے کی تعریف میں تو آتی ہیں۔

تو اس کو بتا دو کہ:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الله خالقُ كل شيءٍ (الزمر:٦٢)

اللہ تعالیٰ ہر شےء کے خالق ہیں

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

انّا كل شيءٍ خلقناه بقدر (القمر:۴۹)

ہم نے ہر شیء کو ایک (menue) تقدیر کے ساتھ تخلیق کیا ہے

اور اس کے علاوہ آگ کی پہلے سے تخلیق شدہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل فرمان ہے

(۳) ارشاد ربانی ہے:

أَلنّار يُعرضُون عليهاغُدوّا وعشيا (الغافر:۴۶)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور عذاب، صبح وشام آل فرعون پر آگ پیش کی جاتی ہے

(۶۹)ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جنت اور جہنم فنا ہو جائیں گی۔

امام اعظم نے فرمایا:

ان کو جواب دیتے ہوئے ان سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخرت کی نعمتوں کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

لامقطوعةٍ وّلاممنوعةٌ (الواقعہ:۳۳)

وہ نعمتیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملیں گی وہ نہ تو ختم ہونے والی ہیں اور نہ ہی ان کے ملنے میں کوئی چیز مانع ہوگی۔

سوال: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل ہونے کے بعد جنت اور دوزخ فنا ہو جائیں گی؟

جواب: وہ شخص اپنے اس قول کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے کفر کر رہا ہے؛ کیونکہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اسکے عذاب کے دائمی ہونے کا انکار کر رہا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جنتی لوگوں کے جنت اور جہنمی لوگوں کے جہنمی ہونے پر (خالدین) اسکے دائمی ہونے کی قید لگائی ہے، اور یہ شخص جنت اور جہنم کے خلود، دوام اور اس کی ہمیشگی کا انکار کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے کفر کر رہا ہے۔

ابو مطیع فرماتے ہیں کہ:

مجھے امام اعظم نے فرمایا کہ

علم کلام کا مقصد یہ ہے کہ جس سے بات کی جائے اس کو صحیح رہنمائی مہیا کی جائے؛ اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ مخاطب کو لاجواب کر کے اسی کو کامیابی سمجھ لیا جائے۔

کیونکہ کسی کو لاجواب کرنا تو معجزہ ہوتا ہے اور معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف انبیاء

کو دیا جاتا ہے یہ غیر انبیاء کو نہیں دیا جاتا اور نہ ہی غیر انبیاء کو یہ بات زیبا ہے ایسا طریقہ کلام اختیار کریں جس سے ان کی کلام میں انبیاء والا طریق بن جائے۔

اور جبکہ ہمارے نزدیک جنت اور جہنم موجود ہیں اب اس کے بارے میں کسی کو لا جواب کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے؛ اور اہم بات یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی جائے تو باقی ساری باتیں وہ خود بخود مان جائے گا

نسخہ حسینیہ میں ہے:

حضرت امام اعظم نے ارشاد فرمایا:

اسی بناء پر ہم روز قیامت کو (شئے) نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہمارے نزدیک تاحال وہ موجود نہیں ہے اور نہ ہی اس کو تخلیق کیا جاچکا ہے

جبکہ معتزلہ لوگ کہتے ہیں کہ روز قیامت تخلیق کیا جاچکا ہے اگرچہ زندہ لوگوں پر وہ ظاہر نہیں ہوتا البتہ جب کسی زندہ شخص پر موت واقع ہوتی ہے تو اس کے لئے قیامت ظاہر ہو جاتی ہے۔

ان کی دلیل اس بارے میں یہ ہے:

من مات فقد قامت قیامته

جو شخص مر گیا اس کی قیامت واقع ہوگئی

جبکہ ہم یہ کہتے ہیں جس چیز کا اثر زندہ اشخاص پر نہ ہو، اس کا موجود ہونے کا اقرار بے معنی چیز ہے۔ اس کے جواب میں ہم یوں کہیں گے کہ

پہلی بات یہ کہ اس کے لئے سعادت یا شقاوت کا حال تو قبر میں ظاہر ہوگا کہ جب اس پر قبر کو تنگ یا کشادہ کر دیا جائیگا، مگر اس کا پورا بدلہ ملنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔

دوسری بات یہ کہ جب اس کی قبر کو اس کے لئے جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا بنا دیا جائے؛ یا انسان کی روح ایمان یا کفر کے عالم میں نکالی جائے اس سے بھی اس کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ جنتی ہے یا جہنمی ہے۔

اور معتزلہ فرقہ کے لوگوں کو جواب کے طور پر ہم یوں کہیں گے جن معنوں میں تم قیامت کے قیام کو لیتے ہو وہ تو آسمانوں اور زمینوں میں بکھری ہوئی ہے کسی ایک جگہ محدود نہیں ہے؛ اگر موجود ہوتی تو کسی نہ کسی جگہ اس کی موجودگی کا پتہ تو چلتا مگر ایسا ہرگز نہیں ہے لہذا یہ کہنا کہ قیامت موجود ہے درست نہیں ہے۔

نوٹ: اب جو چیز وقت کی حدود میں محدود ہو جائے وہ مخلوق ہی ہو سکتی ہے؛ اور اس کا خالق بھی کوئی نہ کوئی ماننا پڑے گا؛ وہ حدود خواہ ایک طرف ہوں جیسے انسان، جنت' دوزخ' ملائکہ' حور، وغلمان کیونکہ: ان کی زندگی کی ابتداء ہے مگر انتہاء نہیں ہے:

اور دوسری طرف وہ مخلوقات ہیں کہ ان کی ابتداء بھی ہے اور اس کی انتہاء بھی ہے جیسے حیوانات اور دنیا کی تمام دوسری مخلوقات کیونکہ ان کی دونوں اطراف میں فنا کی چادر تنی ہوئی ہے؛ جبکہ انسان جنت دوزخ ملائکہ وغیرہ پر ایک طرف عدم ہے دوسری طرف دوام ہے ؛ جیسے ارشاد ربانی ہے:

هل اتی علی الانسان حین من الدهر لم یکن شیئاً مذکورا

کیا انسان پر ایک ایسا وقت نہیں آیا جس میں وہ اس قابل نہ ہو کہ اس کا تذکرہ بھی کیا جائے؛ یہ ہی اس کا عدم ہے؛ پھر اس کو وجود ملا؛ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

اناخلقنا الانسان من نطفةٍ امشاجٍ نبتلیه فجعلناه سمیعابصیراً

ہم نے انسان کہ نطفہ کی آمیزش اور ٹپک سے بنایا اور پھر اس کو سمیع و بصیر کے درجہ تک جا پہنچایا۔ اس کے سمیع اور بصیر بنائے جانے کی صفت بتا رہی ہے کہ اب اس پر آئندہ کو عدم نہیں آئے گا بلکہ ان کو جو ایک نوع کی زندگی دے دی گئی ہے اب اس کا ایک سلسلہ ہے جو علی الدوام یونہی چلتا رہے گا البتہ اس کی کیفیت میں تبدیلی آتی رہے گی۔

خلاصہ کلام: یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات کسی نہ کسی طرف میں محدود ہونے کی وجہ سے اس کی مخلوقات کے زمرے میں شامل ہو جاتی ہیں دوام اور ہمیشگی کسی پر بھی نہیں ہے؛

باب بست ونہم:

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا بیان

امام اعظم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کو ہرگز ہرگز مخلوق کی صفات کے ساتھ متصف نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ غصہ ہوتے ہیں؛ راضی ہوتے ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ کا غضب اس کی طرف سے سزا، اور ان کا راضی ہونا ان کی طرف سے اجر وثواب کا باعث ہوتا ہے۔

اور ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ اسی طرح کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ بذات خود اپنی صفات کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كُفُواً اَحَدٌ (الاخلاص)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اکیلے ہیں، اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں، نہ اس کی کوئی اولاد ہے، اور نہ ہی وہ کسی کی اولاد میں سے ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

وہ مبدائے زندگی ہیں، وہ قدرت کاملہ والے ہیں، وہ کامل سننے والے ہیں، وہ مکمل ارادہ کرنے والے، از خود دیکھنے والے ہیں، اور وہ سب کچھ جاننے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اعضاء ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے؛

يدالله فوق ايديهم (الفتح:۱۰)

اس کا ہاتھ سب کے ہاتھ کے اوپر ہے

لیکن اس کا ہاتھ مخلوق کے ہاتھ کی طرح نہیں ہے۔

(۱): اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا ایسا ہاتھ ہے جو من جملہ دیگر اعضاء میں سے ہو؛ بلکہ اللہ تعالیٰ وہ کامل اور مکمل ذات ہیں جو ہاتھوں محتاجی سے پاک اور سب ہاتھوں کو پیدا کرنے والے ہیں۔

(۲): اس کا چہرہ ہے لیکن اس کا چہرہ مخلوقات کے چہرے کی طرح نہیں ہے؛ بلکہ وہ ذات چہروں کو پیدا کرنے والی ہے۔

(۳): وہ ذات ایسی ہے جس پر نفس کا اطلاق کیا جا سکتا ہے مگر اس کا نفس مخلوقات کے نفس کی طرح نہیں ہے بلکہ وہ تمام نفسوں کو پیدا کرنے والے ہیں؛

اللہ تعالیٰ ایسی ذات ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا:

لیس کمثلہ شیء وھو السمیع البصیر (الشوریٰ:۱۱)

اس کی مانند ذات اور صفات کے لحاظ سے کوئی ذات نہیں ہے اور اصل میں سننے اور جاننے والی وہی ذات ہے

امام اعظم: اس بات کو سمجھانے کے انداز میں یوں ارشاد فرمایا:

سوال: کیا تو نے کبھی سوچا ہے کہ اگر کوئی شخص تجھ سے پوچھے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی تخلیق سے پہلے کہاں تھے، تو تیرے پاس اس کا جواب کیا ہے؟

جواب: اس کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے کہ مخلوقات کو بنائے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ وہیں موجود تھے۔

اور ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی تھے جہت نام کی کوئی چیز بھی نہ تھی اور جب مخلوقات کسی شئے کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وھو خالق کل شیء (الانعام:۱۰۲)

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہیں جو ہر چیز کی تخلیق کرنے والے ہیں۔

سوال: اگر کوئی پوچھے کہ کیا اللہ تعالیٰ چاہنے والے ہیں تو انہوں نے اپنی مشیت کے

ساتھ چاہا تھا یا بلا مشیت کے چاہا تھا؟

جواب: آپ اس کو یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کے ساتھ چاہا تھا؛ اور اللہ تعالیٰ قادر ہے اور اپنی ہی قدرت کے ساتھ ہر چیز پر قادر ہے؛ اور اللہ تعالیٰ عالم ہے اور وہ اپنے ہی علم کے ساتھ عالم ہے؛ اور اللہ تعالیٰ مالک ہیں اور اپنی ہی ملکیت کے ساتھ مالک ہیں؛

سوال: اگر پوچھا جائے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے ساتھ چاہا، اور مشیت کے ساتھ ہی مقدر بنائے، اور کیا اس کی مشیت اس کے علم کے تابع ہے یا نہیں؟

جواب: آپ اس کو کہہ دو کہ: ہاں اس کی مشیت اس کے علم کے تابع ہے۔

کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے؛ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وماتشاؤن الاان یشاء اللہ

اور تم کچھ نہیں چاہتے مگر اللہ تعالیٰ کی چاہت کے بعد ہی تمہاری چاہت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

باب سیوم:

ایمان کا مستقر کہاں ہے؟

(۷۰)ابو مطیع بلخی نے پوچھا: انسانی جسم میں ایمان کی قرارگاہ کہاں ہے؟

امام اعظم نے فرمایا: اس کا ٹھکانہ اور اصل قرار کی جگہ دل ہے، جبکہ سارے جسم میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔

(۷۱)ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر کوئی پوچھے کہ، کیا تیری انگلی میں بھی ایمان ہے؟

امام اعظم نے فرمایا: تو کہہ دے کہ ہاں انگلی میں بھی ایمان ہے۔

(۷۲)ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اگر انگلی کو کاٹ دیا جائے تو ایمان کہاں چلا جاتا ہے

امام اعظم نے فرمایا: تو کہہ دے کہ انگلی کٹ جانے کی صورت میں ایمان دل کی طرف چلا جاتا ہے جو اس کا اصل مرکز اور مخزن ہے۔

(۷۳)ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

جب بندہ مرجاتا ہے تو اس کا ایمان روح کے ساتھ جڑا رہتا ہے یا جسم کے ساتھ جڑا رہتا ہے؟

امام اعظم نے فرمایا: ہم کہیں گے ایمان دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں ہوتا؛ بلکہ ایسے حال میں ہوتا ہے کہ جس سے بندے میں ایمان کی اہلیت ہوکر مؤمن کہلا سکے اور وہی طریقہ جس سے وہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا؛ اسی طریقہ سے مرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے اہل ہوسکے؛ اس طریق ایمان اس کے ساتھ جڑا رہتا ہے؛

نوٹ: جس طرح موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے بندے کے جسم کے لئے زمین بنائی اور حکم دیا گیا کہ اس کو جلد از جلد زمین میں دفنا دیا جائے اسی طرح اس میں موجود نفس بھی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے اور اس طرح روح بھی اپنے عالم ارواح کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے لیکن یہ تینوں چیزیں ایسے حال میں نہیں ہوتیں کہ وہ دوسرے حال سے مکمل طور پر منقطع ہو جائیں بلکہ سب ایک دوسرے کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے منقطع ہرگز نہیں ہوتے بلکہ جسم کو اذیت دیئے جانے پر روح اور نفس کو اذیت پہنچتی ہے اسی طرح روح کو اذیت دیئے جانے پر جسم اور نفس کو اذیت پہنچتی ہے اور اسی طرح نفس کو اذیت دیئے جانے پر جسم اور روح کو بھی اذیت پہنچتی ہے اسی لئے میت کو خوشبو لگانے اور پاکیزہ کر کے دفنانے کا حکم دیا گیا ہے اور میت کے قریب میت کو تلقین کے لئے اچھے کلمات کی تلقین فرمائی گئی۔

باب سی ویکم:

اللہ تعالیٰ پر بندوں کا اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق

(۷۴)ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ دنیا کی اس زندگی میں بندوں سے کسی چیز یا عمل کا مطالبہ کرتے ہیں؟

امام اعظم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دنیا کی اس زندگی میں کسی چیز یا کسی خاص عمل کا مطالبہ نہیں کرتے۔

(۷۵)ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اچھا تو اللہ تعالیٰ کا دنیا کی اس زندگی میں بندوں پر کیا حق ہے؟

امام اعظم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں ،اور کسی کو اس کا شریک وساجھے دار نہ ٹھہرائیں؛ اور جب بندے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے یہ کام کرلیں تو اس پر حق ہے کہ وہ ان بندوں کی آخرت میں مغفرت کرے اور دنیا کی زندگی میں ان کو راہ حق پر ثابت قدم رکھے۔

اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے ساتھ راضی بھی ہوتے ہیں:

جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ (الفتح:۱۸)

اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے ساتھ اسی وقت راضی ہوگئے تھے جب وہ ایک خاص درخت کے نیچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کررہے تھے،جس کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ بندوں سے راضی ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ بندوں سے ناراض بھی ہوتے ہیں؛ مگر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی صرف کفار کے ساتھ خاص ہے اور کفار سے

ناراضگی کا مطلب یہ ہے کہ ان کو آخرت میں عذاب دیا جائیگا؛ اور مؤمنوں سے اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین حق پر ثابت قدم رکھا جائے؛ اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے راضی ہیں؛ جبکہ ابلیس سے ناراض ہیں۔

(۷٦)ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

تو پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہوگا جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اعملوا ماشئتم انّه بماتعملون بصیر (فصلت:۴۰)

تم جو چاہو عمل کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں سمیت تمہیں دیکھ رہے ہیں

امام اعظم نے فرمایا: اصل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم بطور وعید یا ڈرانے کے لئے دیا جارہا ہے

(۷۷)ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مطلب کیا ہے:

وقضٰی ربّک انّ لاتعبُدُوا الّا ایّاہ (الاسراء:۲۳)

اللہ نے یہ فیصلہ فرمالیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کیا کرو

امام اعظم نے فرمایا: اصل میں اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قضاء وقدر اور ہر قسم کا فیصلہ کرنے والی ذات ہے

(۷۸)ابو مطیع بلخی نے پوچھا:۔

اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب ہے جس میں فرمایا:

وامّا ثمود فھدینا ھم (فصلت:۱۷)

ہم نے تو قوم ثمود کو ہدایت دے دی تھی

امام اعظم نے فرمایا: اصل میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے راہ راست پر چلنے کے لئے ان کی آنکھیں تو کھول دیں تھیں اور سیدھا راستہ ان کے لئے ظاہر کر دیا تھا۔

سوال: ، اور اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل قول کا کیا مطلب ہے:

فمن شآء فلیؤمن ومن شآء فلیکفُر (الکہف:۲۹)

جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو شخص چاہے کفر کا راستہ اختیار کرلے

امام اعظم نے فرمایا: اصل میں اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تہدید یا وعید کے الفاظ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی شان استغناء کی نشان دہی فرما رہے ہیں۔

سوال: اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب ہے:۔

وما خلقت الجن و الانس الالیعبُدُون (الذاریات:۵۶)

ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے ہر ایک کو (عبادت) دیئے ہوئے پروگرام کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے پیدا کیا ہے؟

امام اعظم نے فرمایا اصل میں یہاں عبادت سے مراد یہ ہے کہ وہ تمام اقسام کے شرک چھوڑ کر توحید ربانی کے قائل ہو جائیں۔

نوٹ: ابتدائی طور پر بیعت کی پانچ اقسام ہیں:

(۱) بیعت برکت: اس کا مطلب یہ ہے کہ: جب کوئی بزرگ ہستی ملے تو اس سے اپنا روحانی تعلق جوڑنے کے لئے بیعت کی جائے اس بیعت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان روحانی طور پران کی صحبت سے فائدہ اٹھائے اور اپنا روحانی تعلق ان سے قائم رکھے؛

(۲) بیعت خلافت: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص امیر المؤمنین بننے کا دعویٰ کرے تو اس کی بیعت کرنا؛ جو آجکل ووٹ کا روپ اختیار کر گیا ہے؛ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ ووٹ میں ۵۱ فیصد والا سربراہ ہوتا ہے؛ جبکہ اسلامی نظام خلافت میں سو فیصد اشخاص بیعت کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص بلا عذر شرعی بیعت نہیں کرتا تو وہ باغی سمجھا جاتا ہے

اور امام شاہ ولی اللہ کے بقول خلافت شرعیہ تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے منعقد ہو جاتی ہے (۱) مسلمانوں کا اجتماع ملکر اس کو خلیفہ نامزد کرلے (۲) سابقہ خلیفہ اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کردے۔ (۳) کوئی مسلمان بزور بازو کسی علاقہ میں قبضہ کرکے خلیفہ

المسلمین ہونے کا دعویٰ کر دے؛ اور ان صورتوں میں لوگ اس کو خلیفہ المسلمین کے طور پر تسلیم کر لیں۔

(۳) بیعت توبہ: اگر انسان سے گناہ سرزد ہو جائیں تو ان سے توبہ کا ایک طریقہ جس کے لئے کسی نیک ہستی سے بیعت توبہ کی جاتی ہے۔

(۴) بیعت طریقت: اصل میں کسی بھی سلسلہ تصوف میں روحانی افکار کرتے ہوئے اپنی روحانی ترقی کرنے کے لئے جو ضابطہ ہے وہ بیعت طریقت سے شروع ہو جاتا ہے۔

(۵) بیعت اطاعت: جو اللہ تعالیٰ کی طرف نئے احکامات کے نزول پر صحابہ کرام سے ان احکامات کے ماننے اور اطاعت کرنے پر بیعت لی جاتی کہ ان احکامات کو مانتے رہیں گے اور اس سے انحراف نہیں کریں گے۔ مگر یہ بیعت کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد منقطع ہو گیا ہے۔

باب سی ودوم:

سب کچھ مشیت اور خدا کی مرضی سے ہوتا ہے

دنیا کا ہر کام یا چیز اللہ تعالیٰ کی مرضی، اس کی مشیت، اور اسی کی رضا، اور اسی کی تقدیر کے مقدر کرنے سے معرض وجود میں آتی ہیں، اور اس چیز کی اچھائی اور برائی۔ اس کا شیریں اور تلخ ہونا اور اس کا نفع یا نقصان دہ ہونا؛ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی مشیت اور اس کی اجازت اور اس کی راہنمائی سے پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔

ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اذن کی لازمی شمولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

(۱) ارشاد ربانی ہے:

وَ لَوْ اَنّنا نزّلنا علیھم الملائکۃ و کلّمھم الموتٰی و حشرنَا عَلیھم کُلّ شَیء قُبُلاما کانوا لیُومِنُوا اِلّا ان یّشآء اللّہ (الانعام:۱۱۲)

اور اگر ہم نے ان کی طرف فرشتے نازل کئے ہوتے یا ان کے ساتھ مُردے ہم کلام ہوتے؛ اور ان کے سامنے ہر چیز کو ہم دوبارہ زندہ کر کے جمع کر لیں، تو بھی ان میں سے کوئی شخص ایمان نہ لائے، سوائے وہ شخص جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی چاہت ہو کہ وہ ایمان لے آئیں۔

(۲) دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

ولو شاء ربک لآمن مَن فِی الارض کلّھُم جَمِیعاً اَفَأنت تُکرہُ النّاس حتّی یکُونُوا مُؤمِنِین (یونس:۹۹)

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو زمین پر آباد سارے لوگ ایمان لے آتے کیا جب تک سارے لوگ ایمان نہ لائیں، تو آپ ان سب کو ناپسند کرتے رہیں گے۔

ہر کام کے پایہ تکمیل تک پہنچنے کے لئے اذن (اجازت) خداوندی کے لازمی عنصر کا تذکرہ کرتے ہوئے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وما کان لنفس ان تؤمن الا بأذن الله (یونس:۱۰۰)

اور کسی جان کو یہ بات زیبا نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اِذن (اجازت) کے بغیر ایمان لے آئے اللہ تعالیٰ کی مشیت کی اہمیت بیان کرنے کے لئے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولو شآء اللّٰه لجعل النّاس اُمّة واحدة ولا یزالون مختلفین الامن رحم ربک ولذلک خلقهم (هود:۱۱۸)

اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تمام لوگوں کو ایک جماعت بنا دیتے، مگر یہ آپس میں ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے سوائے ان کے جن پر اللہ تعالیٰ رحم اور مہربان کرے، وہی راہ راست پر آئے گا۔

اور (رَحم کے معنیٰ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ہیں) اور اسی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اپنی مشیت اور اپنی رضا سے پیدا کیا ہے، اور ہر ایک کو ہدایت اور گمراہی بھی اللہ کی مشیت سے ملتی ہے۔

ہدایت اور گمراہی کا منبع بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور جس کسی کو ہدایت ملتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور جس کسی کو گمراہی ملتی ہے وہ بھی اسی ذات باری تعالیٰ کی طرف سے اسی لئے

(۵) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَنِ اعْبُدوا الله واجتنبوا الطّاغُوت فمِنهُم مَن هَدی اللّٰه ومنهُم مَن

حقّت علیہِ الضّلالۃ (النحل:۳۶)

یہ کہ تم سب صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور ہر باطل، اور طاغوت سے دوری اختیار کرو، اسی پر عمل کرنے کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو ہدایت دے دیہے، اور اس کے مطابق عمل نہ کرنے کی بناپر بعض لوگوں کے مقدر میں گمراہی لازم کی جا چکی ہے۔

مشیت کے تمام مدارج صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو سزاوار ہیں۔

(٦) ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وماتشاؤون الاان یّشآء اللہ (التکویر:۲۹)

اور تم کچھ نہیں چاہ سکتے، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ کی چاہت کے موافق ہوتا ہے یعنی اسی کے مشیت اور مقدر کرنے سے کام بنتے یا بگڑتے ہیں

(۷) اسی طرح قرآن کریم میں قوم حضرت شعیب علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے، اور ان پر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت کے غلبہ کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

قَدِ افْتَرَینَا علی اللہ کَذِباً ان عُدنا فی ملّتکم بعد اِذْ نجّانا اللّٰہ مِنْھا ومَایکون لَنا ان نّعود فیھا الآ اَن یّشآء اللہ ربّنا وسع ربّنا کل شیء عِلْماً (الاعراف:۹۸)

بے شک ہم نے اللہ تعالیٰ پر بلاوجہ جھوٹا بہتان باندھا تھا، تاکہ ہم باوجود آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نجات کا پروانہ مل جانے کے بعد اپنے سابقہ ملت و مذہب کی طرف لوٹا دیں، اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر ہمارے بس میں نہیں کہ ہم اپنے سابقہ ملت یا مذہب پر لوٹ جائیں، کیونکہ وہی ہمارا پروردگار ہے؛ اور ہمارا پروردگا ہر چیز پر اپنی وسعتِ علم کے ذریعے حاوی ہے۔

مذکورہ آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہر قسم کی نجات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی کی کامل مشیت کے بعد ہی میسر آسکتی ہے

(۸) حضرت نوح علیہ السلام کی زبانی یہ پیغام انسانوں کو دیتے ہوئے کہ کسی کو کوئی

نصیحت کام نہیں آسکتی سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے شامل حال ہو جائے۔

ارشاد ربانی ہے:

ولایـنـفعُکم نُصحی اِن اردت ان اَنصَحَ لکم ان کان اللہ یُرید ان یُغویکم ھُو ربّکم والیه تُرجعون (ھود:۳۴)

میری نصیحت کا تم لوگوں پر نہ کوئی اثر ہے اور نہ فائدہ، اگرچہ میرا مقصد تمہاری اصلاح کرنا ہی تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری گمراہی کا فیصلہ ہو چکا ہو تو کسی ناصح کی کوئی شخص تمہاری اصلاح احوال میں کام نہیں آسکتی کیونکہ وہ تمہارا پروردگار ہے اور اسی کی طرف تم سب نے لوٹ جانا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گمراہی کا ارادہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، تو بندے گمراہ ہوتے ہیں۔

(۹) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو آزمانے کا طریقہ بھی دنیا کی اس زندگی میں جاری کیا ہوا ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اور جس طریقے سے چاہتا ہے آزمائش میں مبتلاء کر دیتا ہے، اسی لئے ارشاد باری ہے:

و لقد فتنّا سُلیمان و القینا علی کرسیّه جَسداً ثمّ اناب (ص:۳۴)

ہم نے سلیمان کو اس طریقے سے آزمایا، کہ اس کی کرسی کے سامنے کسی سے ایک مردہ جسم لا کر ڈلوا دیا، پھر اس کو صحیح مسئلہ حل کرنے کی راہ دکھائی۔

گویا اس آیت میں سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کئے جانے کا عمل اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب کیا ہے۔

(۱۰) قرآن کریم کے ایک اور مقام پر انسانوں کو ہدایت اور درست عمل کی راہنمائی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے ارشاد باری یوں جاری ہوا:

و لقد ھمتْ به وھم بھا لو لا ان رّأی بُرھَانَ ربّه کَذلک لِنَصرِف

عنه السُّوٓأ و الفحشآء (یوسف:۲۴)

واقعی زلیخا نے تو یوسفؑ کے بارے میں برائی کا ارادہ کرلیا تھا، اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح راہنمائی نہ دیکھ لیتے تو ہوسکتا ہے یوسفؑ کا میلان ادھر ہوجاتا، اسے طریقوں سے ہم ان سے برائی اور گناہ اور ہر عیب اور بدی کو دور کرتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندے تو اپنی کمزوریوں کی وجہ سے گناہوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں، یا شیطان ان کو الٹے راستوں میں لگا دیتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو درست ہدایت اور راہنمائی ملتی ہے تو وہ سیدھے راستے پر چلنے لگتے ہیں۔

باب سی و سوم:

اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں عادل اور حکیم ہیں

(۷۹) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ اپنے افعال کی تخلیق میں عادل اور حکیم ہیں یا نہیں؟

امام اعظم نے فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ اپنے تمام کاموں میں عادل اور حکیم ہیں۔

(۸۰) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ نے ہی کسی شخص کو اندھا، کسی کو کبڑا؛ اور کسی کو مالدار، اور کسی کو فقیر؛ کسی کو عقل کی نعمت سے مالا مال، اور کسی کو بے وقوف پیدا کیا ہے؟

امام اعظم نے فرمایا: جی ہاں ان سب کو اللہ تعالیٰ نے ہی ایسا پیدا کیا ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر زیادہ اور کسی پر کم مہربانی کی وجہ سے ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے کہ وہ ایک شخص کو کوئی نعمت دے، اور دوسرے کو وہ نعمت نہ دے،

امام اعظم نے:

ایک مثال کے ذریعے بات واضح کرتے ہوئے کہا کہ

ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسی ہیں جیسے کسی کے غلام ہوں اور ان کا مالک اپنی مرضی میں آزاد ہوتا ہے، وہ چاہے تو ایک غلام کو کوئی چیز دیدے، اور دوسرے کو کچھ بھی نہ دے، اس کی مشیت اور مرضی پر کوئی غالب نہیں آسکتا

نوٹ: اس مقام پر علامہ زاہد کوثری نے ایک بہت قیمتی حاشیہ لکھا وہ فرماتے ہیں کہ اس آخری باب میں منقول عبارت اگرچہ نسخہ سعیدیہ میں منقول تو ہے لیکن اس کے بارے میں ہمارا دل اس لحاظ سے مطمئن نہیں کہ یہ بھی فقہ ابسط کی عبارات ہوں کیونکہ اس میں مسئلہ

تقدیر کے رازوں سے بحث کرنے کی کوشش کی گئی جبکہ یہ مسئلہ
اہل ایمان میں سے کسی کو اس بات کے بارے میں غور خوض کی شریعت میں اجازت نہیں دی گئی لایباح لاحد من البشر
اس کے بعد ایک عبارت نقل فرمائی ہے کہ
یوسف بن ابان نے لیث بن خزیمہ سے انہوں نے قتادہ سے انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ اگر کسی آدمی کو اللہ تعالیٰ چالیس دنوں میں کسی آزمائش میں مبتلاء نہ فرمائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے بندے کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔
اور مقاتل بن سلیمان نے کہا کہ ایمان کی اصل وہ ہے جو قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے کہ

"ولکن البر من آمن باللہ" ای بصدق التوحید "والیوم الآخر والملائکة والکتاب والنبیین "ای ذلک کلہ حق

اور لیکن نیکی یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، یعنی اس اللہ یعالی کی توحید کا صدق دل سے اقرار کرے، اور آخرت کے دن پر، اور ملائکہ پر اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں پر اور اس کے تمام انبیاء پر ایمان لائے یعنی اس بات کا اقرار کرے کہ یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق اور سچ ہیں۔
لیکن اس عبارت کے بارے میں شیخ کوثری فرماتے ہیں کہ مالک نے جو نسخے پر یہ بات زیادہ کی ہے اس عبارت کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ اس کی اپنی طرف سے لکھا ہوا ایک فائدہ محسوس ہوتا ہے جو اس نے بذات خود تحریر کیا ہے۔
اور ہمارے اس رائے کو قائم کرنی کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:
اول یہ کہ سند کے لحاظ سے یہ بات نہ ابو مطیع سے ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی امام ابوحنیفہ سے ثابت ہوتی ہے۔
دوم یہ کہ اس میں مجہول افراد کا تذکرہ ہے۔

سوم یہ کہ قتادہ نے اصحاب راشدین میں سے کسی کو بھی نہیں پایا ہے اور مقاتل وہ شخص ہے جس سے اس قسم کی امام اعظم کی کتاب میں کوئی بات بھی روایت نہیں کی گئی۔

آخری یہ کہ یہ بات ہمیں اصل نسخے میں بعد میں (مدرج) گھسیڑی گئی معلوم ہوہے، اوراصل کتاب میں سے معلوم نہیں ہوتی۔

لہٰذا اس قسم کی باتوں کے تسلیم یا رد کرنے میں ہم اصول پر ہی اعتماد کر سکتے ہیں۔

بحمد الله عز وجل قدتم الفقه الابسط المعروف بالفقه الاكبر

برواية بلخي

......کتابیات......

ابوحنیفہ امام ابوزہرۃ دار الفکر العربی قاہرۃ ابوحنیفہ النعمان

وہبی سلیمان غاوجی دار القلم بیروت

اردو ہر دو فقہ اکبر مفتی رشید احمد العلوی

ارمغان شاہ ولی اللہ محمد سرور سندھ ساگر

اسلامی اصول تعلیم اردو مفتی رشید احمد العلوی

اشارات المرام من عبارات الامام کمال الدین احمد البیاضی مصطفے البابی الحلبی مصر

اشارات المرام من عبارات الامام کمال الدین احمد البیاضی زم زم پبلی کیشنز کراچی

اصول الدین عند ابی حنیفۃ محمد عبدالرحمٰن الخمیس دار الصمیعی الریاض السعودیہ

اعلاء السنن ظفر احمد عثمانی ادارۃ القرآن کراتشی

افکار ابن خلدون حنیف ندوی ادارہ ثقافت اسلامیہ

اقامۃ البرھان سجاد بخاری کتب خانہ رشیدیہ راولپنڈی

امام ابوحنیفہ طاہر منصوری، عبدالحی ابڑو ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی مناظر احسن گیلانی مکتبہ خلیل لاہور

امام اعظم ابوحنیفہ عزیز الرحمٰن مفتی مکتبہ رحمانیہ لاہور

امام اعظم اور علم حدیث محمد علی کاندھلوی انجمن دار العلوم شہابیہ سیالکوٹ

امام اعظم کی علم کلام میں خدمات اردو مفتی رشید احمد العلوی

الانتقاء ابن عبدالبر

الانعام فی سیرۃ الامام عربی مفتی رشید احمد العلوی

بلوغ الارب محمود شکری آلوسی اردو سائنس بورڈ لاہور

تاریخ بغداد ابوبکر علی خطیب بغدادی خان جی قاھرہ

تبییض الصحیفۃ جلال الدین سیوطی، عبدالغنی طارق مکتبہ مکیۃ لاہور

تلخیص مقدمہ ابن خلدون نادم سیتاپوری فیروز سنز لاہور
تفسیر حقانی عبدالحق دہلوی الفیصل اردو بازار لاہور
تفسیر معارف القرآن مفتی محمد شفیع المعارف کراچی
جواہر البیان ترجمہ خیرات الحسان ظفر الدین بہاری الاخلاص استنبول ترکی
حدائق الحنفیہ فقیر محمد جہلمی المیزان لاہور
حیات حضرت امام اعظم محمد اجمل خان مکتبہ اشاعت اسلام جامعہ رحمانیہ لاہور
الخیرات الحسان ابن حجر مکی، عبدالغنی طارق مکتبہ مکیہ لاہور
درود و سلام، حاضر ناضر محمد جعفر ضیاء القادری جامعہ محمدیہ نوریہ شاہدرہ لاہور
رسالہ ابی حنیفۃ عثمان البتی الرحیم اکیڈمی کراچی
سنن الترمذی محمد بن عیسی الترمذی دار الفکر بیروت
سیر اعلام النبلاء علامہ ذہبی بیت الافکار الدولیۃ، بیروت
شان امام اعظم ابوالحسن زید فاروقی اسلامی کتب خانہ سیالکوٹ
شرح الجمع الصغیر صدر الشہید دار الکتب العلمیہ بیروت
شرح الجامع الکبیر لکھنوی ادارۃ القرآن کراچی
شرح الطحاویہ فی عقیدۃ السلفیۃ ابوالمعز الحنفی المطبعۃ السلفیۃ، المکۃ المکرّمۃ
شرح عقائد نسفی، خیالی علامہ نسفی درسعادت ترکیہ
شرح فقہ اکبر ملا علی قاری قدیمی کتب خانہ کراچی
شرح الفقہ الاکبر محمد بن محمود سمرقندی الرحیم اکیڈمی کراچی
شرح الفقہ الابسط؛ عربی شیخ ماتریدی مفتی رشید احمد العلوی
شرح فقہ اکبر سید محمد حسینی گیسودراز برقی پریس بیدرآباد دکن
شرح لفقہ الابسط: اردو مفتی رشید احمد العلوی
شرح کتاب الآثار ابوالوفاء الافغانی حیدرآباد دکن
الشرح المیسر للفقہ الاکبر محمد عبدالرحمٰن الخمیس وزارۃ شؤن الاسلامیہ سعودیہ
الشفاء عن ابوی المصطفیٰ اردو مفتی رشید احمد العلوی

الصحیح للبخاوری محمد بن اسماعیل بخاری دار السلام
صواعق المحرقہ ابن القیم المطبعۃ السلفیۃ المکۃ المکرمۃ
العالم والمتعلم ابومقاتل الرحیم اکیڈمی کراچی
العالم والمتعلم: ترجمہ وتشریح اردو مفتی رشید احمد العلوی
العشرین عن الامام الامین عن النبی الکریم عربی اردو
عقود الجواہر المضیۃ مرتضے الزبیدی ایچ ایم سعید کراچی
عقائد الاسلام محمد ادریس کاندہلوی مکتبہ عثمانیہ لاہور
علم الکلام محمد ادریس کاندہلوی مکتبہ عثمانیہ لاہور
فتاوی برہنہ نصیر الدین بینائی نول کشور 1874ء
فتاوی النوازل ابواللیث سمرقندی میر محمد کتب خانہ کراچی
فتح الباری ابن حجر عسقلانی دار المعارف بیروت
الفقہ الاکبر روایۃ ابومطیع امام اعظم الرحیم اکیڈمی کراچی
قصائد حمدیہ قادریہ، ترجمہ اردو مفتی رشید احمد العلوی
قوت القلوب ابوطالب المکی دار الصادر بیروت
القول الفصل شرح فقہ اکبر محمد بہاء الدین مکتبہ اخلاص ترکیہ
کتاب الاثار ابو یوسف امام حیدآباد دکن
کتاب الاثار محمد بن حسن شیبانی مکتبہ امدادیہ
کتاب الصلوۃ: عربی؛ اردو؛ انگریزی؛ فارسی؛ [مشتملۃ علی: الخلاصہ کیدانی]
کتاب الضعفاء والمتروکین ابوالحسن علی دار قطنی مؤسسۃ الرسالۃ بیروت
کتاب الوصیۃ: ترجمہ وتشریح اردو مفتی رشید احمد العلوی الجمعیۃ پبلی کیشنز
کشف الاسرار عبد العزیز بن احمد بخاری دار الکتب العربی بیروت
لسان المیزان ابن حجر عسقلانی حیدآباد دکن ھندوستان
مأثر الامراء شاہنواز خان اردو سائنس بورڈ لاہور
المتون المعتبرۃ رشید احمد العلوی ابن مسعود انسٹی ٹیوٹ نیویارک

المسانید الامام ابی حنیفۃ محمد امین اورکزئی المکتبۃ الفاروقیہ ہنگو سرحد
مجموع فتاوی احمد بن تیمیہ مکتبہ المعارف، الرباط، المغرب
مجموعہ الفقہ الاکبر رشید احمد العلوی مکتبہ معارف علویہ لاہور
مختار الصحاح محمد بن ابی بکر الرازی مؤسسۃ علوم القرآن بیروت
مدارج السالکین ابن قیم
المعتقد المنتقد احمد رضا بریلوی مکتبہ اخلاص ترکیہ
معجم المصنفین ابن ابی الوفاء احیاء التراث بیروت
مقام ابی حنیفہ سرفراز صفدر مولانا ادارہ اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم
مکانۃ الامام ابی حنیفہ محمد قاسم ادارۃ القرآن کراتشی
منازل السائرین عبداللہ انصاری
مناقب علامہ ذہبی بیروت
مناقب علامہ کردری دار المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن
مناقب علامہ المکی دار المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن
منہاج السنۃ النبویہ ابن تیمیہ المکتبہ السلفیہ لاہور
منیۃ المصلی اردو ترجمہ و تحقیق مفتی رشید احمد العلوی
المواہب الشریفہ عاشق الہی، عبدالغنی طارق مکتبہ مکیۃ لاہور
موکب النظام عبدالاحد یعقوبی تحت اشراف حکمت یار
مہر انور شرح فقہ اکبر وکیل احمد بلند شہری
النبراس شرح عقائد عبدالعزیز فرہاروی مکتبہ امدادیہ ملتان
نخبۃ اللآلی محمد سلیمان الحلبی مکتبہ اخلاص ترکیہ
نظم الدرر، قاضی عبیداللہ العلوی، مفتی محمد عیسیٰ المجلس العلمی کراتشی
نور العینین محمد علی فرید بک سٹال لاہور
ہدیۃ الحیران فی جواہر القرآن عبدالشکور ترمذی ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
فلسفہ کے مسائل قاضی قیصر اسلام اُردو سائنس بورڈ اسلام آباد
تاریخ فلسفہ جدید قاضی قیصر اسلام

فقہ اکبر و ابسط

مؤلفہ

امام اعظم ابو حنیفہ نعمانؒ بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ

تحقیق و ترجمہ

مفتی رشید احمد العلوی